بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

الذین آتینٰھم الکتٰب یتلونہ حق تلاوتہ اولٰئک یؤمنون بہ

# بشارت احمد

مع

## تصدیق احمدیت

قل کفی باللہ شہیدا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتٰب

بجواب

رسالہ "قادیانی مذہب" مولفہ جناب مولوی صلاح الدین محمد الیاس برنی صاحب

ایم - اے - ایل - بی (علیگ) ناظم دارالترجمہ سرکار عالی

منجانب

سید بشارت احمد وکیل ہائیکورٹ امیر جماعت احمدیہ

حیدرآباد دکن

بار اول

تعداد ۱۰۰۰

مطبوعہ نومبر ۱۹۳۷ء

# فہرست مضامین


**دیباچہ** (از صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۲)

[۱] رسالہ قادیانی مذہب اور اس کی حقیقت - [۲] رسالہ مذکور کی ترتیب کا ڈھنگ اور غرض - [۳] رسالہ قادیانی مذہب مغربی طریقہ پروپیگنڈہ کے مطابق ایک معاندانہ پروپیگنڈہ ہے - [۴] ہمارے جواب سابقہ تصدیق احمدیت کا مقصد اور طریقہ - جواب حالیہ کی ترتیب اور توضیح -

**باب اوّل** (از صفحہ ۱۳ تا صفحہ ۲۸)

[۱] حضرت مسیح موعودؑ کی ابتدائی زندگی قبل دعویٰ کا مختصر خاکہ - [۲] ابتدائی زندگی کے اسلامی کارنامے - [۳] حضرت مسیح موعودؑ کے پیدا کردہ اسلامی لٹریچر و علم کلام کے اثرات - [۴] انوار قرآن جن سے مامور من اللہ کے ابتدائی حالات اور اس کے زمانہ بعثت اور مخالفین کے اطوار و نتائج پر روشنی پڑتی ہے - [۵] انبیاء و اُمم سابقہ کے قرآنی بیانات اُمت محمدیہ کی ہدایت کیلئے ہیں - [۶] مسیح موعودؑ کے دعاوی کے جانچنے کے ذرائع -

**باب دوم** (از صفحہ ۲۹ تا صفحہ ۶۰)

[۱] رسالہ قادیانی مذہب کا مزعومہ علمی طریقۂ تحقیق - [۲] مسئلہ ختم نبوت کی تحقیق اور جملہ فرقہائے اسلامیہ کی مسلمہ تاویلات آیت ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین کے متعلق - [۳] اختلاف مابین تاویلات مسئلہ ختم نبوت بناء خروج عن الاسلام قرار نہیں دیا جا سکتا - [۴] تکفیر اہل قبلہ پر ایک محققانہ مضمون - [۵] برنی صاحب کو چیلنج - [۶] تحریفات کی مثالیں - [۷] رسالہ قادیانی مذہب اور اس کے جوابات حالیہ و سابقہ کی وضاحت -

**باب سوم** (از صفحہ ۶۱ تا صفحہ ۱۰۴)

[۱] رسالہ قادیانی مذہب کے آخری ایڈیشن کے جوابات ضروری - [۲] حضرت مسیح موعودؑ کی طرف جنون و مالیخولیا کی نسبت اور اس کا جواب - [۳] مسیح موعودؑ کے طعام و تداوی و طریقہ معاشرت پر الزامات کے جواب - [۴] اختلاف معاشرت انبیاء سے استدلال جائز نہیں ہے - [۵] ہر زمانہ کا نبی اپنے زمانہ کے حالات کے تابع ہوتا ہے - [۶] آیت مبارکہ نٓ والقلم وما یسطرون سے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر استدلال - حضرت مسیح موعودؑ کے

**باب سوم** (از ص ۶۱ تا ص ۱۰۴)

تعلقات گورنمنٹ سے مطابق طریقہ انبیاء و حسب تادیب الٰہی تھے۔ [8]حضرت مسیح موعودؑ کے نہ ماننے والوں کی نسبت فقہ اسلامی کا مسلّمہ و[9]غیر اختلافی مسئلہ۔ کفر و ایمان و منافقت حقائق کا نام ہے جس پر یہ چسپاں ہوں گے۔ اُس کو اسی نام سے پکارا جائیگا۔ [10]زمانہ حالیہ کے فتاویٰ کفر۔ [11]اختلاف رائے کو موجب کفر بنا دیا گیا ہے۔ [12]اختلاف کا ہونا فرق اسلام کی صداقت پر مؤثر نہیں۔ [13]جماعت احمدیہ کے باہمی اختلاف پر بھی بطور دلیل تکذیب استدلال نہیں ہو سکتا۔ [14]کذابین کا وجود مذہب کی صحت پر مؤثر نہیں ہوتا۔ [15]جماعت احمدیہ میں بعض مرفوع القلم لوگوں کا وجود دلیل کذب دعویٰ مسیح موعودؑ نہیں ہے۔

**باب چہارم** (از ص ۱۰۵ تا ص ۱۳۲)

[1]حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب کے دعاوی اور اُن کے دلائل۔ [2]حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کی حقیقت۔ [3]عیسیٰ اور مہدی اور کُل مذاہب کا موعود منتظر۔ [4]وہ بنیادی امور جن کا تصفیہ مسیح موعودؑ کے دعویٰ کے لئے ضروری ہے۔ [5]مسئلہ حیات و وفات مسیح اور علماء کے ہتھکنڈے۔ [6]بغیر مسیح موعودؑ کے مانے اعمال حبط ہیں۔ [7]مسیح موعودؑ کی فضیلت اُمت محمدیہ میں مسلّم ہے۔

**باب پنجم** (از ص ۱۳۳ تا ص ۱۵۰)

[1]صداقت جانچنے کیلئے معیار از روئے قرآن پاک۔ [2]حضرت مرزا صاحب کے دعاوی صداقت کے معیاروں پر پورے اُترتے ہیں۔ [3]انبیاء کی پیشگوئیاں اور اُن کے جانچنے کے طریقے۔

**باب ششم** (از ص ۱۵۱ تا ص ۲۲۰)

[1]مامور من اللہ کی پیشگوئی معیار صداقت ہے۔ [2]مامور من اللہ کی پیشگوئی کی بناء الہام الٰہی ہوتا ہے۔ [3]الہام الٰہی جو مغیبات پر مشتمل ہو اُسکی صداقت واقعات پیش آمدہ کے مطابق جانچی جانی چاہئے۔ [4]الہام اگر اپنے الفاظ و محل کے لحاظ سے پورا ہو جائے تو اُس کے دوسرے مفاہیم ناقابل استدلال ہیں۔ [5]محمدی بیگم کے نکاح والی پیشگوئی۔ [6]اس پیشگوئی کے متعلقہ اصلی الہامات۔ [7]الہامات مذکور واقعات پیش آمدہ پر بآسانی منطبق ہو جاتے ہیں۔ [8]پیشگوئی مذکور کی غرض اور غایت۔ [9]محمدی بیگم کی پیشگوئی الہام الٰہی کے مطابق تھی اور وہ کامل طور پر پوری ہوئی۔ پیشگوئی مذکور کے سمجھنے اور سمجھانے میں مخالفین کی غلط فہمی کی صراحت۔

**خاتمہ** ........................ از ص ۲۲۱ تا ص ۲۶۸

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم — نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

رسالہ قادیانی مذہب اور اس کی حقیقت ۔ رسالہ مذکور کی ترتیب کا ڈھنگ اور غرض ۔ رسالہ قادیانی مذہب مغربی طریقہ پروپاگنڈا کے مطابق ایک معاندانہ پروپاگنڈا ہے ۔ ہمارے جواب سابقہ تصدیق احمدیت کا مقصد اور طریقہ ۔ جواب حالیہ کی ترتیب اور اس کی توضیح ۔

کچھ عرصہ پہلے یعنی ۱۳۵۳ھ میں ہماری جانب سے پروفیسر الیاس برنی صاحب کے رسالہ "قادیانی مذہب" کا جواب "تصدیق احمدیت" کے نام سے شائع کیا گیا تھا ۔ اور خود قادیان سے بھی رسالہ "قادیانی مذہب" کے جدید ایڈیشن کو پیش نظر رکھ کر ایک جواب مولانا مولوی علی محمد صاحب اجمیری کی جانب سے "ہمارا مذہب" کے نام سے شائع ہوا ہے ۔

رسالہ "قادیانی مذہب" کی اصل غرض کو ملحوظ رکھ کر ہم نے اپنے جوابی رسالہ "تصدیق احمدیت" میں یہ التزام کیا تھا کہ رسالہ "قادیانی مذہب" کے مندرجہ حوالجات و اقتباسات کو اصلی کتابوں سے مقابلہ کر کے اس تحریف اور تدلیس کو ظاہر

کر دیا جائے جس سے رسالہ مذکور میں عمداً کام لیا گیا تھا کیونکہ تحریف و تدلیس کے واضح ہو جانے کے بعد مصنف و تصنیف دونوں کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ اور سوائے ان لوگوں کے جو تحقیق حق کے لئے نہیں بلکہ صرف مخاصمات و مناظرات سے بطور لہو ولعب کے دل چسپی رکھنے کی وجہ سے کتاب دیکھتے ہیں اور کوئی معقول پسند آدمی اس طرف رخ نہ کرے گا۔ تحریف و تدلیس صرف ایسے ہی مصنفین کے لئے کارآمد ہو سکتی ہے جو احقاق حق سے اعراض کرکے اپنی تصنیفات کے ذریعہ سے صرف ناواقف، سادہ دل پبلک اور جہلاء کے دلوں میں اشتعال اور وساوس پیدا کر دینا چاہتے ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ مصنفین اسی کو اپنی کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور جب وہ کسی ایسی رائے یا مضمون کی تردید میں اپنے قلم کو جنبش دینا چاہتے ہیں جو انکی یافت اور رسائی سے بالاتر ہوتا ہے۔ تو اس کے سوا ان سے اور کوئی دوسری امید نہیں کی جا سکتی۔ اور مغربی تعلیم کا یہ ایک خاص فیضان ہے جس سے جدید تعلیم یافتہ مصنفین جی کھول کر مستفید ہو رہے ہیں۔ اور اب یہ ایک مستقل فن پروپیگنڈا کے نام سے ممالک مغربی میں نہ صرف سیاسیات بلکہ مذہبیات کا بھی ایک بنیادی جزو بن گیا ہے۔

یورپ کے کسی بڑے سے بڑے مشہور غیر متعصب مستشرق کی تصنیف یا کسی نام نہاد مذہبی رہنما کے بصیرت افروز افادات علمی کو جو اسلام کے متعلق یورپ کے معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ہاتھ میں لے کر دیکھئے تو محسوس ہوگا کہ مصنف نے نہایت ہی عالمانہ وقار و متانت اور مورخانہ سنجیدگی کے ساتھ مضمون کو پیش کیا ہے۔ اور اگر پڑھنے والے کی اسلام اور تاریخ اسلام کی معلومات کامل اور صحیح نہیں ہیں تو ان تصنیفات کی ظاہری سطحی دلفریب سلاست و متانت دلوں کو شکار کر لے گی۔ اور اس کے مقابلہ میں واقعی اور محققانہ جوابات تلخ اور تند نظر آئیں گے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[1]

---

[1] لوگوں میں سے ایک شخص بھی ہوتا ہے جسکی باتیں دنیا کی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝

دنیا میں ایسے سلیم الطبع لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں جو کسی حقیقت و واقعیت کو صرف دلائل کی قوت سے سمجھ لیں۔ دلائل کی صحت اور قوت کا انداز تو بڑی چیز ہے۔ بعض لوگ تو دعوے اور دلیل میں فرق ہی نہیں کر سکتے۔ انکو کلام کی ظاہری پالش اور نمائش ہی دلیل محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ اس قسم کی چکنی چپڑی اور دلفریب باتوں کا اثر صرف حقیقت کے ظاہر کر دینے ہی سے زائل کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہم نے اپنی کتاب "تصدیق احمدیت" میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں سے پوری پوری عبارتیں نقل کر کے یہ حقیقت ظاہر کر دی تھی۔ کہ جناب برقی صاحب نے اپنے من مانے بیجا عنوانات کی صحت ثابت کرنے کی کوشش میں نہ صرف نامناسب کتر و بیونت سے کام لیکر درمیان سے ایسے الفاظ لے لئے ہیں جو پوری عبارت کے ساتھ مل کر برقی صاحب کے ادعا کے قطعاً مخالف ہیں۔ بلکہ زائد الفاظ بھی اپنی جانب سے بڑھا دیئے ہیں۔ اسی تلخ حقیقت کا نام اسلامیات کی مشہور علمی اصطلاح میں تحریف و تدلیس ہے۔ جسکو سن کر جناب برقی صاحب اور ان کے حمایتی ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں مناسب ہو کہ خود جناب برقی صاحب اس حقیقت کے لئے کوئی دوسری معقول اصطلاح گھڑ کر ہم کو بتا دیں (اور اب تو وہ دارالترجمہ کے مالک ہیں جو چاہیں اصطلاحیں گھڑ سکتے ہیں۔) لیکن جبتک ایسی دوسری اصطلاحات جن کو برقی صاحب اور ان کے حمایتی گوارا کریں نہ مل سکیں۔ اس وقت تک ہم کسی طول طویل عبارت کی بجائے موجودہ اصطلاحات کے استعمال پر مجبور ہیں

اگر یہ فن تحریف و تدلیس اثبات مدعا کے لئے برقی صاحب کے علمی دماغ کے مطابق اور مناسب ہے تو انکو مبارک ہو لیکن اس طریقہ سے واقعی طور پر نہ احقاق حق ہو سکتا ہے نہ ابطال باطل۔ اس طریقہ سے ہر ایک پاک سے پاک اور

---

اور وہ اپنی بات پر خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے (پ۲ ع۹)

بے عیب کلمہ کلام یہانتک کہ کلام الٰہی بھی اس قسم کی تصرفات کے بعد اپنی اصلی منشاء کے خلاف استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسی فن مبارک کی کثرت استعمال کی بدولت یہود پر اَضَلَّهُ اللهُ عَلٰى عِلْمٍ[1] کی پھٹکار پڑی۔ اور یہی وہ فن ہے جس کی وجہ سے قرآن کریم نے یہود کو بار بار ملزم بنایا ہے۔

اس قسم کے صاحبانِ فن کی شکایت قرآن پاک نے اَلَّذِيْنَ[2] جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ کے الفاظ سے بھی فرمائی ہے۔ اس لئے ہم نے اپنی کتاب "تصدیق احمدیت" میں رسالہ "قادیانی مذہب" کے اس خاص قسم کے یہودیانہ طرزِ تحقیق کو ظاہر کرکے تَشَابَهَتْ[3] قُلُوْبُهُمْ کا ثبوت پیش کردیا تھا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ایک بڑے اور معقول پسند گروہ پر اس کا اچھا اثر ہوا۔ لیکن جناب برقی صاحب اس واضح ثبوت تحریف کو صرف یہ کہہ کر بے اثر کردینا چاہتے ہیں کہ "یہی تالیف کا علمی طریق ہے" اور اس علمی طریق تالیف کی توضیح اس طرح فرماتے ہیں:-

> "ہم نے اول جامع مباحثات قرار دیے۔ ہر بحث کے ذیلی عنوانات قرار دیے۔ ہر عنوان کے تحت متعلقہ اقتباسات درج کئے اور پھر سب کو مناسب ترتیب دے کر یکجا پیش کیا۔ یہی تالیف کا علمی طریق ہے۔"
>
> (کتاب قادیانی حساب صفحہ ۴)

ہمارا اعتراض یہی تھا کہ نہ تو اقتباسات صحیح اور متعلق ہیں۔ نہ انکی ترتیب مناسب ہے اور ان اعتراضات کو ہم نے وضاحت بلکہ طوالت کے ساتھ اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ ہماری کتاب پبلک کے سامنے موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے تحریف و تدلیس کے ہر ایک الزام کو واضح دلائل سے ثابت کردیا ہے ہر ایک قابل اعتراض اقتباس کا مقابلہ منقول عنہ عبارت سے کرکے یہ دکھایا ہے کہ کن ضروری الفاظ کا ترک یا اضافہ کیا گیا یا کون سے فقرات مقدم و مؤخر کردیے گئے ہیں جس سے قائل کا اصل منشاء اور عبارت کا مطلب خبط یا محرف ہوگیا ہے۔

---

[1] گمراہ کردیا اس کو اللہ نے اپنے علم پر۔

[2] جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ (پ۱۴ ع۶) [3] دل انکے مشابہ ہوگئے ہیں۔ (پ۱ ع۱۴)

ایسے صاف اور واضح ثبوت کی تردید بغیر اس کے نہیں ہوسکتی تھی کہ ہمارے نشانہ زدہ قابل اعتراض اقتباسات کی صحت کو اصل منقول عنہ کتاب سے مقابلہ کر کے واضح کیا جاتا تاکہ کتاب پڑھنے والے خود یہ تصفیہ کرسکتے کہ آیا واقعی تحریف و تدلیس کر کے قائل کے اصل منشاء کو تبدیل کیا گیا ہے یا نہیں؟ لیکن جناب برنی صاحب نے بغیر اس کے کہ ہمارے ان اعتراضات تحریف و تدلیس اور چیلنجوں کا جو ہم نے اپنی کتاب تصدیق احمدیت میں خصوصاً صفحات ۳ و ۳۸ تا ۴۴ و ۴۶ تا ۶۴ و ۷۱ تا ۷۴ و ۷۹ تا ۹۰ و ۹۵ و ۹۶ و ۱۱۲ تا ۱۱۶ و ۱۲۹ تا ۱۳۰ و ۱۴۲ و ۱۴۳ و صفحہ ۱۶۱ و ۱۶۸ و ۱۷۷ و ۱۹۰ پر شائع کئے ہیں۔ کوئی معقول جواب دیتے۔ اسی میں مفر دیکھا کہ کتاب کے پڑھنے والوں پر علمی طریق تالیف کا رعب ڈال کر اپنی ذمہ واری سے سبکدوش ہو جائیں اور سادہ دل تعلیم یافتہ طبقہ کو اسی مغالطہ میں پڑا رہنے دیں جس میں وہ برنی صاحب کی تالیف "قادیانی مذہب" کی وجہ سے پڑ گئے ہیں۔ چنانچہ خود برنی صاحب اس تعلیم یافتہ طبقہ کی ناواقفیت کو محسوس کر کے تسلیم کرتے ہیں کہ

"اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے جو مصروف کار ہیں اس چکر میں کیوں پڑنے لگے۔ تبلیغی لٹریچر کی رنگینی پسند آئی تو معترف مدّاح بن گئے۔ کچھ عقائد سُن پائے تو معترض اور مخالف بن گئے مگر اصل کیفیت سے بہت کم واقف۔ چنانچہ اسی ضرورت کے مدنظر اصل کتابوں سے کافی مواد فراہم کر کے علمی پیرایہ میں یکجا ترتیب دے دی۔" (قادیانی مذہب طبع دوم صـ۱۴ و صـ۱۵ و طبع چہارم صـ۴ و طبع پنجم صـ۵۲)

برنی صاحب کی جانب سے یہ واضح اقرار اس امر کا ہے کہ انہوں نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی ناواقفیت اور سادہ دلی سے فائدہ اٹھا کر وہی مغربی طریق مذہبی تالیفات کا اختیار کیا ہے جس کو مغربی زبان میں پروپیگنڈا کہا جاتا ہے جس کا معقول اور موزون ترجمہ جو اسلامی دماغ کے لئے قابل فہم ہو "اشاعت فواحش" کے الفاظ سے کیا جا سکتا

ہے۔ یورپ کے کسی سیاسی یا مذہبی طبقہ کو جب کسی سیاسی یا مذہبی مسئلہ کے متعلق رائے عامہ کے تیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو چند مشہور اہل قلم منظر عام پر نمودار ہو جاتے ہیں۔ جو اپنے مرعوبات ذہنی کو عنوان مضمون کی شکل دے کر اسکی ذیل میں ادھر ادھر سے چند نامکمل یا محرف اقتباسات کو اس ترتیب سے جمع کر دیتے ہیں جو اُن کے پہلے سے اخذ کردہ نتیجہ کی جانب راہبری کر سکیں۔ اور اس طرح وہ جو نتیجہ صاف دل اور ناواقف پبلک کے دل میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے پیدا کرنے میں اپنی مسلمہ حیثیت و اعتبار علمی کے اثر سے بآسانی کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جناب برنی صاحب نے اسی آزمودہ پیٹنٹ مغربی ہتھیار سے بلکہ آجکل کے جدید جنگی ذرائع تباہ کاری کو ملحوظ رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ "جدید زہریلی گیس" سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو مسموم کرنے کی کوشش کی ہے اور اسی کوشش بیجا کو وہ "علمی طریق تالیف" کے پُر رعب نام سے موسوم کرتے ہیں۔

برنی صاحب کے اس خیال کو ہم نے اسی وقت بھانپ لیا تھا جب انہوں نے "قادیانی مذہب" کا پہلا ایڈیشن شائع فرمایا تھا۔ چنانچہ "تصدیق احمدیت" کے دیباچہ کی ابتدائی سطور میں ہم نے یہ ظاہر کیا تھا کہ

"افسوس ہے کہ اس رسالہ میں جناب برنی صاحب نے اس حسن ظن سے بیجا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے جو خصوصاً تعلیم یافتہ پبلک کو ان سے ہو سکتا ہے۔"

اس کے بعد اسی سلسلہ میں لکھا تھا کہ

"افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ برنی صاحب نے اس اخلاقی کمزوری اور علمی خیانت کا ارتکاب کیا اور بظاہر صرف اس لئے کیا کہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ آزاد خیال تعلیم یافتہ اشخاص جو مذہبی جھگڑوں سے علیحدہ رہنا چاہتے ہیں خود تو تحقیقات کرینگے نہیں۔ اس لئے انکی شستہ اور صاف تحریر دلچسپ عنوانات اور ان کی عمدہ ترتیب سے متاثر ہو کر اور جناب حضرت

مرزا صاحب کی کتابوں کے اقتباسات بقید حوالہ صفحہ موجود دیکھ کر یہ خیال کرنے لگیں گے کہ واقعی احمدی جماعت کا اسلام اور اسلامی خدمات کا ادعا محض ڈھکوسلہ ہے۔ اے کاش! یہ علمی خیانت کی عزت بجائے ایک پروفیسر یونیورسٹی کے کسی مُلّا یا کسی ظاہر پرست مولوی کے حصہ میں آتی! جو خود اپنی حیثیت ہی سے تعلیم یافتہ پبلک کے نزدیک درخور اعتنا نہیں ہے تا کہ یہ صاف دل گروہ اس بدظنی سے محفوظ رہتا جو اسکے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر ایک تعلیم یافتہ شخص نے پیدا کی ہے۔" (دیباچہ تصدیق احمدیت صفحہ ۲)

ہماری یہ پیش بینی بلفظہٖ پوری ہوئی اور آج برنی صاحب کو بھی اقرار کرنا پڑا کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے جو مصروف بیکار رہتے ہیں بوجہ ناواقفیت یعنی پورا لٹریچر نہ پڑھنے اور مذہبی معلومات کے نہ ہونے کی وجہ سے لٹریچر کی رنگینی پر ریجھ جاتے اور اس کے معترف و مدّاح بنجاتے ہیں اور ناممکل اور ناتمام بلکہ محرّف اقتباسات کے ذریعہ سے اگر کچھ عقائد سن پاتے ہیں تو معترض و مخالف بن جاتے ہیں۔

اللہ! اللہ!! حق کی کیسی عجیب قوت ہے کہ وہ ہزاروں پردوں سے بھی چھن کر دیکھنے والوں کے دلوں میں سما جاتا ہے۔ اور باوجود ساری کوششوں کے بھی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ یہی وہ اصل حقیقت اور تعلیم یافتہ طبقہ کی مذہبی نفسی کیفیت ہے جس نے برنی صاحب کو ہمارے خلاف پروپیگنڈا کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ انہوں نے یہ سمجھ کر کہ علماء تو پہلے ہی سے جماعت احمدیہ سے گریز پا اور متنفّر ہیں۔ اور جہلاء علماء کے قبضہ میں ہیں بس اس وسیع القلب تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنے دلچسپ اور رنگینی لٹریچر اور علمی طریق تالیف کی بھول بھلیوں میں پھنسانے کی کوشش کی۔ اور اس پروپیگنڈہ سے پورا فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی باقی نہ رکھی اور اپنے ذاتی مذہبی اور علمی شغف سے اس طبقہ کو کافی طور پر متاثر کرنے کی فکر کی اور اپنی اس کوشش کے اثرات کو پھولتا پھلتا خیال کرکے ہمارے نام کے پردہ میں یعنی ہماری جانب اسکا انتساب کرکے اسکا اقرار بھی کرلیا۔ فالحمدُ للہ ؛ برنی صاحب کا یہ نادانستہ اور در پردہ اقرار بھی بلحاظ

ہماری مقتبسہ بالا پیش بینی کے ہمارے لئے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا ؎
جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے!

قرآن پاک میں بھی ایک پروپیگنڈہ کرنے والی قوم کا ذکر آیا ہے جو صدر اسلام و نزول قرآن کے وقت سے اس وقت تک اس مرض خبیث میں مبتلا ہے۔ قرآن پاک نے اس قوم کے بد انجام سے بھی ہم کو مطلع کر دیا ہے۔ اس قوم کے اعمال کی کیفیت سورۃ نور کی آیات افک میں بیان کی گئی ہے۔ اور ان کے نام ونشان اور اعمال کو صریح الفاظ میں بیان کر کے اس عذاب سے بھی اطلاع دی گئی ہے۔ جس میں یہ قوم خود اپنے ہاتھوں تیرہ سو سال سے مبتلا ہے۔ وہ آیت مبارکہ یہ ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[1] اس آیت مبارکہ کو با معانی نظر تلاوت کرنے کے بعد ایک مومن دل ایک مومن قلب تو کانپ جاتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِى الْاَبْصَارِ[2]

یہ حقیقت ہے برنی صاحب کے مزعومہ علمی طریق تالیف کی جس سے قادیانی مذہب طبع اول کے ۵ فصول اور ۵۰ عنوانات میں استفادہ کیا گیا تھا۔ لیکن جدید ایڈیشنوں میں اس مواد کو تیز کرنے اور پھیلانے کے لئے جناب برنی صاحب نے ایڈیشن دوم میں ۱۱ فصول اور ۲۵۰ کے قریب عنوانات قائم فرمائے ہیں۔ اور ایڈیشن سوم میں ان فصول کو بڑھا کر ۱۳ کے عدد تک پہنچا دیا ہے اور عنوانات تقریباً ۴۰۰ ہو گئے۔ اور حجم کتاب چوگنا بلکہ پنج گنا ہو گیا ہے۔ اور طبع چہارم میں علاوہ ضمیمہ جات کے چلہ بیس فصلیں اور ۹۴۰ عنوانات قائم کر کے ۸۶۳ صفحات پر اصل کتاب کو ختم کر دیا ہے جو ضمیمہ جات کے ساتھ مل کر ۹۶۶ صفحات کی ضخیم کتاب ہو گئی ہے اور اب طبع پنجم

---

[1] جو لوگ مومنین کے بارے میں بری اور گندی باتیں پھیلانا پسند کرتے ہیں ان کے لئے دنیا و آخرۃ میں عذاب الم ناک ہے اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (پ ۱۸ ع)۔ [2] پس عبرت پکڑو اے آنکھیں رکھنے والو۔

ہیں تو ۲۰۰ جدید عنوانات بڑھا کر کتاب کے حجم کو ۱۱۰۷ صفحات تک پہنچا دیا ہے لیکن کیا اتنے بڑے حجم اور اتنے کثیر عنوانات میں کوئی علمی بات آنے پائی ہے؟ استغفراللہ! وہی ڈھاک کے تین پات۔ یعنی حسب سابق اپنے مزعومات کو عنوانات کی شکل دے کر موقعہ بے موقعہ نامکمل اقتباسات کے ذریعہ سے یُخَیَّلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِھِمْ اَنَّھَا تَسْعٰی[1] کا عمل کرکے دیکھنے والوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ خود حضرت مرزا صاحب یا اکابر ملتِ احمدیہ برقی صاحب کے مزعومات کی تائید میں بول رہے ہیں طبع اول کی تبویب و تفصیل میں تو کچھ نہ کچھ مناسبت بھی تھی۔ اب کی مرتبہ تو اس مناسبت پر بھی پانی پھیر دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے جواب "تصدیق احمدیت" اور "ہمارا مذہب" کے شائع ہونے کے بعد برقی صاحب کچھ گھبرا سے گئے اور پردہ فاش ہوتے ہوئے دیکھ کر "علمی طریق تالیف" کے سنگِ گراں بار سے پردہ کو دباتے ہوئے اپنی چاک دامانی کی بخیہ گری میں منہمک ہو کر جاٹ کے سر پر کھاٹ کا جواب کولھو سے دینے لگے۔ اس گھبراہٹ میں کہیں حضرت اقدس مرزا صاحب کے خاندانی حالات اور ذاتی سرگزشت کے سلسلہ میں مرزا صاحب کے امراض اور دواؤں کا اپنے خاص مستہزیانہ عنوانات اور معاندانہ تشریحات کے ساتھ ذکر کر دیا۔ کہیں ان بے بنیاد بے سروپا مخالفانہ روایات کو جو مختلف اشخاص مخالف کی جانب سے اپنے اپنے مذاق یا تنگدلی کے ساتھ لوگوں میں پھیلائی گئی ہیں۔ ان کتابوں سے نقل کر دیا۔ جن میں ان کی تردید کی گئی ہے۔ کہیں ان بہکے ہوئے لوگوں کی تصنیفات سے کچھ نقل کر دیا۔ جو اپنے اغراق و غلو یا دماغی امراض کی بدولت جماعت احمدیہ سے علیحدہ ہو چکے ہیں اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ جماعت احمدیہ لاہور اور قادیان کی مخالفانہ تحریرات کو مستقل جدید عنوانات کے ذیل میں نقل کرکے یہ تصور کر لیا کہ اس طرح احمدیت کو جڑوں ہی سے منہدم کر دیا۔ اور آنکھیں بند کرکے سمجھنے لگے کہ اب کوئی مقابل میں تو موجود نہیں ہے بس

---

[1] ان کے جادو کے اثر سے (موسیٰ نے) یہ خیال کیا کہ وہ (رسیاں اور لاٹھیاں) بھاگ رہی ہیں۔ پ ۱۶ ع ۱۲۔

"قادیان فتح شد" ؎۵

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

لیکن معلوم نہیں۔ اس مقام پر علامہ برقی صاحب "مردان" کے کیا معنے سمجھیں گے؟ مناسب ہو کہ آیت پاک کُوْنُوْا قِرَدَۃً خَاسِئِیْنَ تین مرتبہ پڑھ کر اور اپنی آنکھوں پر دم کر کے اس لفظ کے معنے سمجھنے کی کوشش کیجائے۔ تو امید ہے کہ انشاء اللہ اس آیت پاک کی برکت سے تفہیم معنی میں کچھ دشواری نہ ہوگی۔ سبحان اللہ! برقی صاحب کے ہاتھ میں فتح کا کیا سہل نسخہ ہاتھ آگیا۔ نہ ہڑ لگی نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس حزب البر والبحر کو جناب برقی صاحب نے پیٹنٹ نہیں کرایا ہے اس لئے شیطان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی۔ خدانخواستہ اگر عیسائی و آریہ محققین نے ان ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی صاحب کے اس نسخہ کو کہیں سے سن یا پڑھ کر اڑا لیا۔ تو وہ شیعوں کی کتابوں سے سنیوں کے اور سنیوں کی کتابوں سے شیعوں کے۔ بریلویوں کے عجالات نافعہ سے دیوبندیوں کے اور دیوبندیوں کے ملفوظات سے بریلویوں کے وہ وہ رنگ جمائیں گے کہ جناب برقی صاحب چشتی کو بھی "رنگ ہے ری ماں رنگ" کے ترانہ پر حسب طریقہ معمول بہ حضرات چشتیہ رحمہم اللہ اجمعین "بدا ہاوا" گا کر اپنے حال و قال کو ختم کرنے پر مجبور ہونا پڑیگا۔

جس کتاب کی ترتیب کا ڈھنگ یہ ہو اس کی نسبت برقی صاحب کا ادعا یہ ہے کہ وہ علمی طریق پر مرتب کی گئی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ علمی طریق ترتیب کتاب بھی صرف فروعات تک ہی رہ گیا ہے۔ ان اصلی مباحث کو ہاتھ تک بھی نہیں لگایا گیا۔ جن کی فروعات اور ذیلی مباحث کو رسالہ "قادیانی مذہب" میں اپنے خاص عنوانات اور ترتیب کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔ کیا احقاق حق و ابطال باطل کا یہی طریق ہے؟ کیا تقویٰ یہی ہے کہ مدعی کے اصل دعاوی اور دلائل کو چھوڑ کر محض اس لئے کہ خدا کی مخلوق اس سے برگشتہ اور متنفر ہو کر اپنی واہ واہیں لگ جائے۔ ایسے درمیانی اور ذیلی مسائل

---

؎۵ ہوجاؤ بندر ذلیل۔ (پ ۱ ع ۸)

میں ناواقفوں کو الجھا دیا جائے جو مسلمہ فریقین ہیں؟

کیا باوجود عقیدہ ختم نبوت۔ مسیح موعود کی نبوت کا مسئلہ کوئی اختلافی مسئلہ ہے؟ کیا مہدی آخرالزمان کی افضلیت متنازعہ فیہ ہے؟ کیا مسیح موعود کے امتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے؟ کیا فی الواقعہ مسیح موعود و مہدی معہود جو مسلمہ طور پر اس امت کی اصلاح کے لئے تشریف لائیں گے وحی والہام سے قطعاً محروم رہیں گے؟ اور اگر نہیں تو کیا آپکی وحی والہام مخالفین کی تصدیق کے محتاج رہیں گے؟ اور بصورت عدم تصدیق کیا مسلمہ مسیح موعود و مہدی معہود کے وحی و الہام ہمہ وشما کے استہزاء اور مضحکہ کے مستحق ہونگے؟

جناب برنی صاحب کی پوری کتاب خواہ جدید ایڈیشن ہو یا قدیم حضرت اقدس مرزا صاحب کی وحی والہام پر مضحکہ اور استہزاء سے پُر ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو ہر ایک ناواقف کے لئے لہو ولعب کا سامان مہیا کرتی بلکہ طعن وتشنیع پر آمادہ کردیتی ہے۔

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

اگر یہی علمی طریق تالیف کا ہے جس پر برنی صاحب کو فخر وناز ہے۔ تو شاید راجپال و دھرم بھکشو آریہ معاندین کا سیاہ کارنامہ "رنگیلا رسول" و "کلام الرحمٰن وید ہے یا قرآن"۔ اور عیسائیوں کا نامۂ اعمال "امہات المومنین" اور شیعوں کا ستم نامہ "ہفوات المسلمین" جیسی بدنام کتابوں پر بھی پلید طبع وخبیث الباطن لوگ فخر کرنے میں حق بجانب تصور کئے جاسکیں گے؟ (نعوذ باللہ من ذالک) کیونکہ ان کتابوں کے مؤلفین نے بھی صرف یہی کام کیا ہے کہ تفسیر یا احادیث یا مشار الیہ مسلمانوں کی تحریرات سے جابجا اقتباسات دے کر اسی قسم کے عنوانات قائم کرکے کتابوں کے حوالے کتر بیونت کے بعد درج کردئے ہیں اور یہی علمی طریقہ ترتیب کتابی جناب برنی صاحب نے اختیار کیا ہے۔ ہم اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتے کہ "امہات المومنین" اور "ہفوات المسلمین" یا "رنگیلا رسول" اور مشہور آریہ معاند پنڈت دھرم کی تصنیف "کلام الرحمٰن وید ہے یا قرآن" جیسی ناپاک کتابوں کا کوئی جزو بھی اپنی کتاب میں نقل کرکے اس کتاب کو ناپاک

کریں۔ کیونکہ یہ طریق بجائے علمی ہونے کے محض شرارت و خبث باطنی پر دلالت کرتا ہے۔ علمی بحث تو یہ ہوسکتی تھی کہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی و دلائل صحیح طور پر بیان کرکے ان کی تردید کی جاتی ۔۔ نہ یہ کہ ادھر ادھر سے چند بے تعلق اور بے جوڑ فقرات لکھ کر اپنے من مانتے مضحکہ خیز۔ اشتعال انگیز عنوانات قائم کرکے جو جی میں آیا لکھدیا۔

اسقدر توضیح جناب برنی صاحب کے اس علمی طریق تالیف کی کافی ہے جو ان کے رسالہ "قادیانی مذہب" کے جملہ ایڈیشنوں میں اختیار کیا گیا ہے۔

ابتداءً میں طبع اول کے وقت جبکہ حجم کتاب اور عنوانات مختصر تھے ہم نے ہر ایک فصل اور عنوان کا جواب دیکر ہر ایک شر انگیز مغالطہ دہی کو واضح کر دیا تھا۔ لیکن اب جبکہ کتاب کا حجم اور فصول اور عنوانات بہت بڑھ گئے ہیں۔ یہ طریق مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ ہر ایک فصل و عنوان کا علیحدہ علیحدہ جواب دیا جائے۔ کیونکہ اس طریقہ سے علاوہ غیر ضروری تضیع اوقات کے اندیشہ ہے کہ متلاشیان حق کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔ اس لئے کہ ہر گالی یا فضول بات کا جواب نہ تو کسی زبان دراز کو ساکت کرسکتا ہے نہ اس سے پڑھنے والوں کو تسکین ہوسکتی ہے۔

ہماری غرض تو صرف یہ ہے کہ اگر کوئی متلاشی حق ہے تو اس پر حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی و دلائل اور جماعت احمدیہ کے صحیح عقائد واضح ہوجائیں۔ اس کے بعد ہر ایک شخص کو اختیار رہے کہ وہ جو چاہے رائے قائم کرے۔

پس ہم نے اس مرتبہ اس طریق پر آیندہ ابواب میں رسالہ "قادیانی مذہب" کے پیدا کردہ وساوس کو دفع کرنے کی کوشش کی ہے۔

"وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ"۔

سید بشارت احمد
امیر جماعت احمدیہ

حیدرآباد دکن۔ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ابتدائی زندگی قبل دعویٰ کا مختصر خاکہ۔ ابتدائی زندگی کے اسلامی کارنامے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیدا کردہ اسلامی لٹریچر و علم کلام کے اثرات انوار قرآن جن سے مامور من اللہ کے ابتدائی حالات اور اس کے زمانہ بعثت اور مخالفین کے اطوار و نتائج پر روشنی پڑتی ہے۔ انبیاء و امم سابقہ کے قرآنی بیانات۔ امت محمدیہ کی ہدایت کے لئے ہیں۔ مسیح موعودؑ کے دعاوی کے جانچ کے ذرائع ؛

حضرت اقدس مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام قوم مغل کے قبیلہ برلاس کے ایک معزز خاندان سے تھے۔ اور جیسا کہ جناب برنی صاحب نے اپنے رسالہ "قادیانی مذہب" طبع دوم و سوم و چہارم و پنجم کے فصل اول "ذاتی حالات" کے عنوان ما "مختصر سرگزشت" میں تحریر فرمایا ہے۔ حضرت موصوف کا خاندان ابتداء سے ہی اپنے نواح میں ذی اثر اور صاحب قوت و اقتدار رہا ہے۔ لیکن جس طرح پوری مغل قوم انتزاع حکومت کے بعد رفتہ رفتہ دنیوی حیثیت سے روبہ تنزل ہوتی رہی۔ اسی طرح اس خاندان میں بھی دنیاوی قوت بتدریج کم ہوتی رہی۔ مگر بہرحال اعلیٰ خاندان اور سابقہ اثرات کی وجہ سے یہ خاندان اس نواح میں معزز ہی رہا۔

حضرت مرزا صاحبؑ اپنی ذات سے دنیاوی تعلقات میں کبھی منہمک نہ ہوئے۔ ملازمت بھی کرنی پڑی۔ قانون بھی پڑھا۔ قانون کا امتحان بھی دیا۔ گھر کے زمینداری کے کاروبار و

مقدمات اور کاشتکاروں سے اپنے بزرگوں کا ہاتھ بٹانے یا ان کے احکام کی تعمیل میں تعلق بھی رکھنا پڑا لیکن ہر حال میں ؎

دل بیار و دست بکار

ہی رہا۔ اور کوئی دنیوی تعلق حضرت مرزا صاحب کے ذاتی انہماک باللہ کو کم نہ کر سکا۔ زمانہ جوانی اور ملازمت کے زمانہ کے چشم دید گواہ اور گہری نظر رکھنے والے سمجھدار شرفاء نے جو حضرت مرزا صاحب سے کوئی تعلق ارادت نہیں رکھتے تھے آپکی پاکبازی اور صالح ہونے کی شہادت دی ہے کہ

"مرزا غلام احمد صاحب جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔"

(اخبار زمیندار ۱۱ر فروری ۱۹۳۱ء بحوالہ عسل مصفیٰ ص۶۳۴)

ان شہادتوں کو ہم نے باب پنجم میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ان شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب عین زمانہ جوانی میں بھی بلحاظ تقویٰ وصلاحیت کے اپنے شناساؤں میں ایک خاص اور غیر معمولی عزت و عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ تقویٰ اور صلاحیت کی ترقی کے ساتھ اسلام کی خدمت کی تڑپ بھی دل میں رکھتے تھے۔ متعدد اخبارات میں اسلام کی تائید میں عیسائیوں وغیرہ کے مقابلہ میں آپ کے نہایت پرزور اور بے نظیر مضامین نکلتے رہے جو نہایت پسند کئے گئے آریوں۔ عیسائیوں سے مباحثات و مناظرات تک کی نوبت آئی۔ اسی سلسلہ میں انعامات الٰہی یعنی الہامات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تا آنکہ آپ نے ۱۸۸۲ء میں اپنی مشہور کتاب براہین احمدیہ شائع فرمائی۔ جس میں آپ نے اپنے الہامات شائع فرما کر مخالفین اسلام پر حجت پوری کی۔ اس کتاب کی بڑی قدر کی گئی۔ بڑے بڑے اخبارات اور مذہبی دلچسپی رکھنے والوں نے تقاریظ لکھیں اور مضامین شائع کئے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنۃ کی تھی جو فرقہ اہل حدیث کے سردار اور مسلمہ عالم تھے۔ انہوں نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۷ نمبر ۹ میں مسلسلہ تقریظ تحریر فرمایا ہے:-

"مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے (واللہ حسیبہٗ) شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار و صداقت شعار ہیں۔

ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی۔ اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ نمبر ۶)

کتاب مذکور میں نہایت ہی جدید طور پر ایسے قوی دلائل سے صداقتِ اسلام و قرآن پاک و نبوتِ محمدیہ کی تائید کی گئی تھی کہ مخالفین اسلام کے کیمپ میں کھلبلی پڑ گئی۔ دو دلائل اس کتاب کے بالکل اچھوتے اور لاجواب ہیں۔

اول یہ کہ کسی آسمانی کتاب کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ وہ خود آسمانی ہونے کا دعویٰ کرے اور خود دلیل دے۔ جس کتاب میں آسمانی ہونے کا دعویٰ اور اس کے دلائل موجود نہ ہوں بلکہ اس کے پیروؤں کو یہ بار اپنے دوش پر لینا پڑے اس کے آسمانی ہونے میں کلام ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرح کتاب کے آسمانی ہونے کا دعویٰ اور دلیل خود انسان منہ کی باتیں ہونگی۔



دوم یہ کہ آسمانی کتاب۔ آسمانی مذہب اور سچے نبی صاحبِ کتاب کے برکات ہر زمانہ میں ظاہر ہونے چاہئیں۔ اور ایسے نمونے ہر زمانہ میں ہونے چاہئیں جو اُن برکات کے واقعی اور حقیقی وارث ہو کر دنیا کو اس کا ثبوت دے سکیں۔

ان دونوں دلائل پر آپ نے اسلام اور قرآن پاک اور نبوت محمدیہ کو پرکھ کر بتلایا۔ اور اپنے آپکو اور اپنے الہامات کو بطور ان برکات و ثمرات کے پیش کیا جو اتباع محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیروی اسلام سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور دوسرے مذاہب کو اس معیار پر اپنی صداقت ثابت کرنے کے لئے چیلنج دیا۔

اس طرح آپ کے الہامات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور وقتاً فوقتاً متفرق طور پر شائع ہوتا رہا۔ اس سلسلہ میں آپ نے اسلام کی تائید میں جو لٹریچر مہیا کر دیا ہے اس نے اسلامی دنیا میں ایک تہلکہ اور انقلابِ عظیم پیدا کر دیا جس کی داد آپ کی وفات پر متعدد

ملکی پریس نے دی چنانچہ اخبار وکیل امرتسر نے جو ایک ذی علم اور مشہور عالم کی ایڈیٹری میں نکل رہا تھا۔ اس سانحہ پر ایک طول طویل رائے کیا پورا نوحہ لکھا ہے۔ اس نوحہ کے چند جملے یہ تھے :-

"مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں ہے کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے۔ اور مٹانے کے لئے اسے امتداد زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو۔ ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی وفات نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔

مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا مقبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لوحِ قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہو سکتا جبکہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا۔ اور مسلمان جو حافظِ حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے۔ اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے۔ نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف حملوں کے اشتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دنیا اسلام۔ شمعِ عرفانِ حقیقی کو سرراہِ منزل مزاحمت سمجھ کے مٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ آور کی پشت گری کے لئے ٹوٹی پڑتی تھیں

اور دوسری طرف ضعف مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے۔ اور حملہ اور مدافعت دونوں کا قلمی وجود ہی نہ تھا۔ چونکہ خلاف اصلیت محض شامت اعمال سے مفسدہ ۱۸۵۷ء کا نفس ناطق مسلمان ہی قرار دیئے گئے تھے۔ اس لئے مسیحی آبادیوں اور خاص کر انگلستان میں مسلمانوں کے خلاف پولیٹکل جوش کا ایک طوفان برپا تھا۔ اور اس سے پادریوں نے صلیبی لڑائیوں کے داعیان راہ فساد سے کم فائدہ نہ اٹھایا۔ قریب تھا کہ خوفناک مذہبی جذبہ ان حضرات کے میراثی عارضہ قلب کا جو اسلام کی خود روسرسبزی کے سبب بارہ تیرہ صدیوں سے ان میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا چلا آتا تھا درمان ہو جائے۔ کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑا دیئے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا۔ اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے۔ بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دُھواں بن کر اُڑنے لگا۔

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھیگی کہ انھوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا۔ اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اسوقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے۔ اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔

مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں ان سب کے لئے حکم و عدل ہوں لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی انھیں مخصوص قابلیت تھی اور یہ نتیجہ تھی انکی فطری استعداد ذوق مطالعہ اور کثرت مشق کا آیندہ امید نہیں ہے۔ کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو۔ جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں

صرف کرتے ہے۔" (اخبار وکیل امرتسر)

انگریزی اخبار پائونیر کے یہ فقرات خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ۔

"پچھلے زمانہ کے اسرائیلی نبیوں میں سے کوئی نبی عالم بالا سے واپس آکر دنیا میں اسوقت تبلیغ کرے تو بیسویں صدی کے حالات میں اس سے زیادہ غیر موزوں معلوم ہوگا جیسے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی معلوم ہوتے تھے۔ مگر بعض اوقات انکی فطرت کا دوسرا پہلو غالب آجاتا تھا جیسا کہ اس موقعہ پر ہوا جب انہوں نے حیرت زدہ بشپ ویلڈن کو چیلنج دیا کہ نشانوں میں ان کا مقابلہ کرے جیسا کہ الیاس نبی نے بعل کے پیرؤں کو دبا تھا اور اس مقابلہ کا یہ نتیجہ قرار دیا کہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ سچا مذہب کونسا ہے۔ اور مرزا صاحب اسوقت یہانتک تیار تھے کہ حالات موجودہ کے مطابق پادری صاحب جس طرح چاہیں اس امر میں اپنا پورا اطمینان کرلیں کہ نشان کے دکھانے میں کوئی دھوکہ یا فریب استعمال نہیں کیا گیا۔ وہ لوگ جنہوں نے مذہب کے رنگ میں دنیا میں ایک حرکت پیدا کی ہے وہ اپنی طبیعت میں مرزا غلام احمدؑ صاحب سے آجکل کنٹربری واقع انگلستان کے لاٹ پادری کی نسبت زیادہ تر ملتے جلتے ہیں۔" (پائونیر الہ آباد)

یہ نمونہ ہے ملک کے انگریزی اور اردو اخبارات کے ریویو کا جو حضرت مرزا صاحبؑ کی وفات پر لکھے گئے۔ ملک کے طول و عرض میں تقریباً ہر ذی حیثیت اخبار نے حضرت مرزا صاحبؑ کی وفات پر خاص خاص مضامین لکھے تھے۔ اور لاہور کے سول اینڈ ملٹری گزٹ و ہندو پٹریٹ مدراس نے خاص طور پر حضرت مسیح موعودؑ کے آخری مضمون پیغام صلح پر جو وفات سے چند روز پہلے مرتب کیا گیا لیکن جو وفات کے بعد ایک مجمع عام میں سنایا گیا تھا۔ عمدہ خیالات کا اظہار کیا تھا۔

بیرون ملک کے اخبارات و رسائل میں سے لنڈن ٹائمز و ریویو آف ریویوز قابل ذکر ہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے مضمون پیغام صلح کی نسبت

ریویو لکھے تھے۔ اخبارات کے ان اقتباسات و حوالجات سے صرف یہ ظاہر کرنا مدنظر ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے مذہبی لٹریچر نے اپنے اور پرائے دونوں سے خراجِ تحسین حاصل کیا تھا۔

اس طرح آپ کی بے مثل تفہیم و تعلیم قرآن اور اسلامی خدمات نے لوگوں کے قلوب کو آپ کی اتباع و تقلید پر مائل کر دیا تھا۔ اس لئے بہت سارے جوہرِ قابل آپ کے اردگرد جمع اور برکات و فیوض سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ تا آنکہ بربنائے اعلام و الہام آپ نے ۱۸۹۱ء میں مسیحیت کا دعویٰ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ یہ نہایت ہی سخت امتحان کا وقت تھا۔ نہ صرف آپکے معتقدین کے لئے بلکہ آپکے لئے بھی اس لئے کہ اس اعلان کے زمانہ تک آپ حضرت مسیح موعود کے متعلق وہی عقیدہ رکھتے تھے جو عام اہل سنت والجماعت کا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان پر بجسدِ عنصری زندہ موجود ہیں اور وہ خود ہی آخری زمانہ میں نزول فرمائیں گے۔ اس دعوے پر آپ کے مقابلہ میں ایک طوفانِ مخالفت اُمنڈ آیا۔ جاننے اور نہ جاننے والے ہر شخص نے اس دعویٰ سے اِبا و انکار کی جانب میلان ظاہر کیا۔ جاننے والوں نے اس لئے کہ وہ یہ جانتے تھے اور کئی صدیوں سے مانتے آئے تھے۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہ خود ہی تشریف لائیں گے۔ اور حضرت مرزا صاحبؑ ان کے عقائد میں شریک اور ہمہم اور مؤید تھے۔ اور نہ جاننے والوں نے اس لئے کہ ان کے نزدیک اس زمانہ تہذیب و تمدن میں اس قسم کی باتیں نہایت ہی مستبعد معلوم ہوتی تھیں۔ چنانچہ موجود تعلیم یافتہ طبقہ کی مذہبی ذہنیت ملحوظ رکھ کر اخبار پائونیر الہ آباد نے حضرت کی وفات پر خوب لکھا تھا کہ

"پچھلے زمانہ کے اسرائیلی نبیوں میں سے کوئی نبی عالم بالا سے واپس آکر دنیا میں اسوقت تبلیغ کرے تو وہ بیسویں صدی کے حالات میں اس سے زیادہ غیر موزوں معلوم ہوگا جیسے کہ مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی معلوم ہوتے تھے۔"

غرض یہ کہ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت نے ایک عام ہیجان قلوب میں

پیدا کر دیا۔ دنیا کا یہ عام ہیجان کوئی غیر معمولی اور غیر متوقع واقعہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ جب سے دنیا میں ارسال رسل کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ ہر ایک موقعہ پر بلا اشثناء یہی ہوتا آیا ہے۔ اس لئے اس قاعدہ کلیہ سے یہ عظیم الشان دعویٰ مسیحیت و مہدویت کیونکر مستثنیٰ رہ سکتا تھا۔ اس قسم کے انقلابات دنیا میں بہت عرصہ دراز بلکہ صدیوں کے بعد واقع ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ پہلے واقعہ کی یاد مخلوق کے قلوب سے محو ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے زمانہ میں اس قسم کی باتوں کو اعجوبہ سمجھنے لگتے ہیں۔ قرآن شریف کو پڑھو تو معلوم ہو کہ جب کبھی دنیا میں خدا کا نور نازل ہوا۔ غریب دل منکسر المزاج خدا کے لئے سختی نرمی برداشت کرنے والے جن کو دنیا سُفَهَاء[1] اور هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ[2] ہی سمجھتی رہی ہے۔ اس شمع کے پروانے بن بن کر ایک ایک بڑھ کر اس نور کی حفاظت کے لئے جانیں قربان کرتے رہے۔ لیکن سگ دنیا یونہی عوعو کرتے رہے ہیں۔ تمام انبیاء اور مرسلین اور انکی جماعتوں اور متبعین کے ساتھ اہل ہوا و ہوس کا یہی عمل رہا ہے۔ اور جب کبھی انبیاء کے ارسال و ترسیل میں ضرورت حقہ کے مطابق تاخیر یا تمہیل ہوئی اور دنیا انبیاء علیہم السلام کے بتائے ہوئے صراط مستقیم سے علیحدہ ہوگئی اور اس پر کچھ عرصہ گزر گیا تو فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ[3] کے الٰہی قانون کے مطابق ہمیشہ تمدن نے مذہب پر غلبہ حاصل کر لیا۔ تمدن کے غلو کی بدولت مذہبی قوائے عمل مضمحل و از کار رفتہ ہو جاتے ہیں۔ اور بعض خیالات جو مذہبی اعتقادات کے نام سے اعمال صالحہ کا جزو ہوتے ہیں مجرد اوہام کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جو مذہبی تشتت کے رنگ میں باہمی تنفر و توحش اور انشقاق و نفاق پھیلا کر قومی شیرازہ کو درہم برہم کر دینے کا ذریعہ اور خونریزی و جہالت کے طوفان کا بہانہ بن جاتے ہیں۔ اور خود رائی و افراتفری قومی بنیادوں کی جڑ تک کو کھوکھلا کر کے تباہی اور مصائب کے نزول کے لئے راستہ صاف کر دیتی ہے۔ مذہبی تعلیمات جو کبھی حرارت عمل پیدا کرنے کا باعث

---

[1] بیوقوف۔ [2] ہمارے ادنیٰ درجہ کے سرسری رائے رکھنے والے لوگ۔ (پ۱۲ ع ۱۳)

[3] مدت کے گذرنے پر ان کے دل سخت ہوگئے۔ (پ۲۷ ع ۱۸)

تھیں۔ ایسے افسردہ فلسفہ کے درجہ میں آجاتی ہیں جو صرف لفاظی اور ظاہرداری و ریاکاری واظہار تفاخر میں صرف ہوتا ہے۔

اگرچہ اس دور انحطاط میں بھی اس بالاتر ہستی کا تصور ہمیشہ قائم رہتا ہے جو مذہب کا مرکز۔ مذہب کی روح اور مذہب کی جان ہے لیکن اس وجود مطلق کے دلائل و براہین یعنی آثار و علامات ایک معرکۃ الآراء و مختلف فیہ مسئلہ بنجاتے ہیں۔ جن سے محققانہ شان میں یا تو انکار محض کر دیا جاتا ہے یا کورانہ تقلید میں وہ صرف قصہ کہانیوں تک محدود ہو جاتے ہیں اور جن صفات کے ظہور سے اسکی شناخت و معرفت حاصل ہو سکتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ خشک منطقی مفروضات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور کوئی نہیں ہوتا جو علیٰ وجہ البصیرت مذہب کے مسلّمہ و متوقع ثمرات و برکات کا وارث بن کر دنیا کو اس سے متمتع کر سکے۔ اور کلمۃ الحق كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا [1] کا ثبوت دنیا کو دے سکے یہ وہ وقت ہوتا ہے جب ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ [2] کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اور دنیا ظلم اور گناہ کی تاریکی سے تیرہ و تار ہو جاتی ہے۔ اور باوجود تمدن کے ظاہری روشنی اور چمک دمک کے دنیا میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اور اس اندھیرے میں جس پر قرآن پاک کے الفاظ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ [3] صادق آتے ہیں۔ ڈاکٹر سر اقبال جیسے يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ [4] کے مصداق بھی جو بقول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ عالم نہیں بلکہ ہر زمانہ کے علم کا برتن ہوتے ہیں بے اختیار پکار اٹھتے

---

[1] پاک کلمہ پاک درخت کی مانند ہے جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہوں اور حکم الٰہی سے ہر آن پھل دے۔ پ ۱۳ ع ۱۶۔

[2] خشکی اور تری میں فساد رونما ہو گیا۔ پ ۲۱ ع ۸۔

[3] یا مانند اندھیروں کے جو ہوں دریائے عمیق میں ڈھنکتی ہے اسکو موج پر موج اوپر اس کے بادل ہے۔ اندھیرے ایک دوسرے پر ہیں۔ پ ۱۸ ع ۱۱۔

[4] جو وہ کہتے ہیں کرتے نہیں۔ پ ۱۹ ع ۱۵۔

ہیں۔ کہ ؎

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی!

پس اِس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں دنیا نہ صرف حق وصداقت کے راستہ سے بھسل جاتی ہے بلکہ حق وصداقت کے معیار اور رہبر کی شناخت سے بھی محروم ہوجاتی ہے اور جو ہاتھ اسکو اس ظلمت سے نکالنے کے لئے آگے بڑھتا ہے وہ اِذَا اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا[1] کا مصداق بن کر اس کی نظر سے اوجھل رہتا ہے۔ تاکہ کلام الٰہی مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ[2] کی تصدیق ہو جائے۔ اور دنیا جان لے کہ سوائے اس نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[3] کے کوئی دوسری قوت اس ظلمت سے باہر نکالنے کی قدرت نہیں رکھتی۔

اس طرح جب یہ ظلمت اپنی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے تو وہ نورِ مطلق اپنی رحمانیت سے اپنی قدرت يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ[4] کے مطابق اس اندھیرے کو لیلۃ القدر بنا دیتا ہے۔ تاکہ سِر واَسرار کے دروازے کھل جائیں۔ اور ملائکہ اور ارواح کا نزول ہونے لگے تاآنکہ یہ تاریکی مبدل بہ نور ہو جائے۔ اور هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ[5] کا پاک حکم نور کی شکل میں ظاہر ہو جائے۔

لیکن اِدھر نور کا ظہور اور اشراق ہوتا ہے اُدھر سگ طینت دنیا عوعو شروع کر دیتی ہے۔ اور شپرہ چشم وظلمت پسند مخلوق خیرگیٔ نگاہ کی وجہ سے برداشت نہ کر کے اس نور کے بجھانے کے درپے ہو جاتی ہے۔

آج ہمارے موجودہ زمانہ کی بھی بعینہٖ یہی حالت ہے۔ ایک انچ آگے نہ پیچھے نہیں ہے۔ پس اب بھی وہ نورِ الٰہی جو اس زمانہ کے لئے موعود تھا دنیا میں نازل ہوا۔ اس لئے

---

[1] جس وقت نکالے ہاتھ اپنا نہیں ممکن کہ دیکھے اسکو۔ پ ۱۸ ع ۱۱۔
[2] جس کے لیے خدا نے کوئی نور نہیں رکھا پس اس کے لئے نور نہیں ہے۔ پ ۱۸ ع ۱۱۔
[3] زمین وآسمان کے نور۔ پ ۱۸ ع ۱۱۔
[4] دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ پ ۱۷ ع ۱۵
[5] یہانتک کہ فجر طلوع کرے۔ پ ۳۰ ع ۲۲۔

ضروری تھا کہ ظلمت پسند طبائع اطفاء نور کی کوشش کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور روزانہ ہو رہا ہے کہ یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ[1] کے مصداق یکے بعد دیگرے منظر عام پر آرہے ہیں۔ لیکن اس عزیز و حکیم کے منشاء کے مطابق یہ نور جو آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا ہے اسی طرح بڑھتا رہے گا۔ اور بالآخر دنیا پر چھا جائیگا۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ[2]

طَلَعَ الۡبَدۡرُ عَلَیۡنَا مِنۡ ثَنِیَّاتِ الۡوِدَاعِ
وَجَبَ الشُّکۡرُ عَلَیۡنَا مَا دَعٰی لِلّٰہِ دَاعٍ[3]

جب جب یہ نور آلہی یہ صداقت کبریٰ باوجود اپنی یکرنگی کے دنیا میں مختلف شیون میں ظاہر ہوئی بڑے بڑے متمدن اقوام کے ذی علم افراد باوجود سارے ادعائے تہذیب و تعلیم اور متانت و سنجیدگی کے اکثر اس صداقت کے قبول کرنے کی نعمت و سعادت سے محروم رہے اور اپنے علم و عقل پر نازاں رہ کر اَنُؤۡمِنُ کَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَہَآءُ[4] کہہ کر اس کے قبول کرنے سے علیحدہ رہے۔ اور اس وقتی صداقت کے قبول کرنے والوں کو ھُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاۡیِ ہی کہتے رہے۔ تعلیم یافتہ اشخاص جو باخبر ہونے کے دعویدار تھے اپنی فخر آمیز تحقیقات کے نتیجہ میں اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ[5] کہہ کر مطمئن ہو گئے علماء وقت فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ[6] کے مطابق اپنے مسلمات و مجتہدات پر فریفتہ رہے اور ایک انچ آگے بڑھنا گوارا نہ کیا۔ سیاسی مذاق کے پروپیگینڈا کرنے والے چلتے پرزوں نے مَا ہٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتَفَضَّلَ عَلَیۡکُمۡ[7] کا چٹکلہ چھوڑ دیا۔ کمزور دل احباب و شناسا جو پہلے سے اسکی صداقت

---

[1] وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ پ ۲۸ ع ۹۔
[2] اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کر کے رہیگا خواہ کافر اسکو ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ پ ۲۸ ع ۹۔
[3] چاند ہم پر وداع وادی کی گھاٹیوں سے طلوع کر آیا ہے۔ ہم پر شکر کرنا واجب ہے جبکہ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا بلائے۔
[4] کیا ہم بیوقوفوں کیطرح ایمان لے آئیں؟ پ ۱ ع ۲۔ [5] یہ پہلوں کی کہانیاں ہیں۔ پ ۱۵ ع ۱۶
[6] اپنے علم پر نازاں ہوئے۔ پ ۲۴ ع ۱۴۔
[7] نہیں ہے وہ مگر تمہارے جیسا انسان کہ وہ تم پر اپنی فضیلت جتانا چاہتا ہے۔ پ ۱۸ ع ۲۔

کے معترف تھے۔ اور ایسے معترف تھے کہ تعریفوں کے پُل باندھتے تھے وہ قوم کے اختلاف اور بائیکاٹ سے ڈر کر قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ[1] کہہ کر ملامت کرنے والوں میں شریک ہوگئے۔ قدامت پسند مذہبی غیرت کے اظہار کے لئے اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ[2] کے طعنوں پر اتر آئے۔

غرضیکہ ہر پہلو سے يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ[3] کی صداقت ظاہر ہوتی رہی۔ لیکن ان سب کا وہی نتیجہ ہوا جو ہونا تھا۔ اور جس کے لئے پہلے سے بارگاہ رب العزت سے قطعی و محکم حکم صادر ہوچکا ہے کہ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ[4] اس لئے اس کلام پاک کی صداقت ظاہر کرنے اور اپنے فرستادہ غریب و بے کس مظلوم کے بچانے اور اس کی عزت اور حفاظت کے لئے پوری کی پوری قوم کے تباہ و برباد کرنے میں کبھی بھی تامل نہیں کیا گیا۔ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ[5] فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ[6] فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ[7]

یہ خلاصہ ہے ان سرکش اور متمدن اقوام کی تاریخ کا جس کا قرآن پاک میں ذکر آیا ہے۔ کیا کوئی ہے جو اس سے درس عبرت حاصل کرے؟ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ[8]

ایک ذی عقل اور ذی علم انسان کا عمل معمولاً اس کے علم کے تابع ہوتا ہے اور علم صحیح مبنی ہوتا ہے پچھلے تجارب پر۔ یہ تجربہ خواہ اپنی ذات پر کیا گیا ہو خواہ دوسروں کو دیکھ کر یا ان کے حالات

---

[1] تو تو ہم میں اس سے پیشتر ہماری امیدوں کا مرجع تھا۔ پ ۱۲ ع ۶۔

[2] کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں اس چیز کو جسکی کہ ہمارے آباؤ اجداد عبادت کرتے تھے؟ پ ۱۲ ع ۸۔

[3] اے افسوس بندوں پر کہ نہیں آتا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس سے استہزاء کرتے ہیں۔ پ ۲۳ ع ۱۔

[4] اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا کہ میں اور میرے رسول ہمیشہ غالب رہیں گے۔ پ ۲۸ ع ۳۔

[5] کیا وہ زمین میں چل کر نہیں دیکھتے کہ کیا ہوا انجام ان لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے اور وہ قوت اور نشانات زمین میں ان سے زیادہ تھے۔

[6] پس نہ کام آئے ان کے وہ جو وہ کرتے تھے۔ پ ۲۴ ع ۱۴۔

[7] پس پکڑا اللہ نے انکو بسبب انکے گناہوں کے اور نہ ہوا انکو خدا کے مقابلہ میں کوئی بچانے والا۔ پ ۲۴ ع ۸۔

[8] کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ہے؟ پ ۱۲ ع ۷۔

سنکر تجربہ ہو گیا ہو۔

قرآن پاک نے جو انوار علوم اس امت مرحومہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں ان میں سے پچھلی امتوں کے حالات و اعمال کی معرفت بھی ایک خاص نور و علم ہے جسکو اللہ تعالیٰ بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ[1] فرماتا ہے۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۞ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ[2] اس طریقہ سے قرآن پاک میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ انبیاء کب اور کن حالات میں اور کس طرح آتے ہیں۔ یعنی انبیاء کی بعثت اور اسکی ضرورت کے لئے قانون الٰہی کیا ہے اور ان کے ساتھ کیا ساز و سامان ہوتے ہیں۔ اور انکی قوم کی ذاتی۔ اخلاقی و علمی حالت کیا ہوتی ہے۔ انبیاء اپنے دعویٰ کے لئے کیا دلائل پیش کرتے ہیں مخالفین ان دلائل سے کیا سلوک کرتے ہیں۔

لیکن اس زمانہ میں خصوصاً حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کے بعد لوگوں نے اس نور علم سے روگردانی ہی میں اپنی پناہ دیکھی ہے۔ وَنُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِلْعَاصِيْ[3]۔ کیونکہ اگر پچھلے انبیاء و امم کے حالات کو معیار قرار دیکر حق و باطل کی تحقیق کیجاتی ہے تو جواب نہیں بن پڑتا۔ شرما شرمی خاموش ہو جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ جناب برقی صاحب جو اس نور علم سے اپنے آپکو قطعاً بیگانہ ظاہر کرتے ہیں فرماتے ہیں:۔

"اگر مرزا صاحب کو حد پر روکئے اور غلطیوں پر ٹوکئے تو پھر انبیاء کی بھی خیر نہیں۔ بیدریغ سب پر ہاتھ صاف ہوتا ہے۔ زبان بندی کی آسان ترکیب ہے۔" (قادیانی حساب ص۱۱ وضمیمہ نمبر ۲ قادیانی مذہب طبع سوم ص۵۶۵۔ و طبع چہارم ص۹۲ و طبع پنجم ص۱۱۱۹)

یہ ہے ان دعویداران علم اور فخر کنندگان تحقیقات علمی کا تقویٰ اور مبلغ علم جو مدعی مسیحیت سے منہ آتے ہیں۔ انکے نزدیک انبیاء سلف کے وعظ و تذکیر و امم سابقہ کی شوخی اور تمردی کا ذکر

---

[1] عام لوگوں کے لئے بیان اور پرہیزگاروں کے ہدایت و نصیحت ہے۔ پ۴ ع ۵۔

[2] تم سے پہلے کئی صدیاں گزر چکیں زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ مکذبین کا کیا انجام ہوا۔ یہ بیان ہے عام لوگوں کے لئے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے۔ پ۴ ع ۵۔

[3] اللہ کا نور گنہگار کو عطا نہیں کیا جاتا۔

محض قصہ و کہانی ہے۔ اور اسکی مثال و نظیر اور حوالہ کو جو فی نفسہ دل کی زیغ اور کجی کی اصلاح کرنیکا ذریعہ اور ہدایت کا سامان ہے نہایت ناگواری کے ساتھ اپنی زبان بندی کی ترکیب سمجھتے ہیں ؎ برایں عقل و دانش بباید گریست

سورۂ اعراف میں قرآن پاک نے ان لوگوں کی بے کسی و حسرت کا نقشہ کھینچ دیا ہے جو پچھلی امتوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنیکی بجائے انکے قدم بقدم چلے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے
قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝

آخرت میں یہ حال ہوگا ان لوگوں کا جو امم سابقہ کے حالات اور انبیاء علیہم السلام سے مقابلہ کی سرگزشت کے ذکر کو اپنی زبان بندی کے لئے ناگوار محسوس کرکے انہی کی تقلید کرنا چاہتے ہیں افسوس کہ قرآن مجید کی پاک ہدایت و تعلیم موجودہ زمانہ کے لوگوں کے لئے گویا رائگان ہی جارہی ہے مسلمان ان تمام حالات کو جو پہلی امتوں کو پیش آئے قرآن پاک میں پڑھتے ہیں مگر انکو قصہ کہانی سمجھ کر بغیر عبرت حاصل کئے گزر جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ پہلوں کے لئے تھا ہم کو کیا۔ ہم تو امت مرحومہ ہیں اور تمام امتحانات سے محفوظ ہو چکے ہیں۔ حالانکہ انہی کو کہا گیا تھا کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝

عوام کالانعام کا کیا ذکر ہے علماء اور خواص کے ذہن پر بھی وہی زنگ لگ چکا ہے جو انبیاءُ

---

لہ فرمائیگا داخل ہو جاؤ ان جماعتوں میں جو تم سے پہلے گزری ہیں جنوں اور انسانوں میں سے آگ میں۔ جب داخل ہوگی ایک جماعت لعنت کرے گی اپنی بہن کو۔ یہانتک کہ جب مل گئے اسمیں سب کہیں گے انکے پچھلے اپنے اگلوں کے متعلق۔ اے رب ہمارے انہوں نے ہمکو گمراہ کیا تھا پس انکو آگ کا دوگنا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ ہر ایک کے لئے ہی عذاب بڑھ چڑھ کر ہوگا لیکن تم نہیں جانتے۔ پ ۸ ع ۱۱۔

کہ کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور آزمائش میں ڈالے نہ جائیں گے؟ اور تحقیق ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا پس (اسطرح) ہم ان لوگوں کو ظاہر کر دیتے ہیں جو اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں اور انکو بھی جو جھوٹا ادعا کرتے ہیں۔ پ ۲۰ ع ۱۳۔

بنی اسرائیل کی امتوں کے آہنی صفت قلوب پر لگا تھا۔ بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ[1] اس لئے یہ وہی نمونہ دکھا رہے ہیں جو بنی اسرائیل کے علماء نے دکھایا تھا۔ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ[2] ۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ

نتیجہ اس کفران نعمت کا یہ ہوا کہ جو نور الٰہی اس زمانہ میں دنیا کی ہدایت کے لئے ظاہر ہوا۔ اس سے بڑا حصہ محروم رہ گیا۔ بات نہایت صاف سیدھی اور مختصر سی تھی جس سے وہ مدتوں سے مانوس بھی تھے۔ کوئی ایسی نئی بات نہ تھی جو دفعۃً ان پر وارد کر دی گئی ہو۔ صدیوں سے وہ خود اس کے منتظر تھے نہ صرف منتظر تھے بلکہ آرزوئیں کی جاتی تھیں دعائیں مانگی جاتی تھیں کہ ہم کو زمانہ نصیب ہو لیکن جب عین وقت پر وہ نورِ منتظر نازل ہوا تو آنکھ جھپک گئی ؎

خواہم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غفلت کردہ ام صد سالہ راہم دور شد

علماء اپنی نایافتگی اور خیرگی بصیرت کی وجہ سے اور عوام علماء کی اقتدا سے اس نور آسمانی سے محروم رہ گئے جس کے نزول کی امید پر وہ جیتے اور دوسروں پر فخر کرتے تھے۔ اور اس طرح وہ نوشتہ جو پچھلی امتوں کے حالات کے اظہار کے ساتھ اگلوں کی ہدایت کے لئے قرآن پاک میں محفوظ کیا گیا تھا اپنی پوری قوت و صداقت کیساتھ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ[3] ۔ یا للعجب

یہ وہ پاک ہدایات ہیں جو مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر نور و ہدایت کے بے پایاں سمندر یعنی قرآن پاک سے نکال کر پیش کی گئی ہیں۔ پورا کلام الٰہی اسی قسم کے نور و ہدایت سے لبریز ہے جس میں ایک مومن و مسلم و موقن کے حرز ایمان کے لئے مکمل سامان مہیا کر دیا گیا ہے اس لئے موقعہ تو یہ تھا کہ پچھلی امتوں کے تجربہ سے فائدہ اٹھا کر اس مدعی پیغام الٰہی کی صداقت کو قرآن پاک کے معیار پر جانچا جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور آپ کے مخالفین کے زعم علم و

---

[1] (ان کی بداعمالیوں) نے انکے دلوں پر زنگ لگا دیا ہے۔ پ ۳۰ ع ۸۔
[2] اہل کتاب کے ایک فریق نے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا۔ پ ۱ ع ۱۲۔
[3] پہلے تو اسکے ذریعہ کافروں پر فتح چاہتے تھے جو نہی وہ آیا انہوں نے شناخت نہ کر کے اسکا انکار کر دیا۔ پ ۱ ع ۱۱۔

معرفت و دعویٰ محبوبیت و حُبِ الٰہی کو پیش نظر رکھ کر اسکا جانچنا کچھ مشکل بھی نہ تھا۔ لیکن جب اِنْ فِیْ صُدُوْرِھِمْ اِلَّا کِبْرٌ مَّا ھُمْ بِبَالِغِیْہِ[1] کا مرض دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو تصفیہ حق و باطل و معیار صدق و کذب سے بیزاری و بے نیازی کے سوا کسی اور طرف توجہ ہی نہیں ہو سکتی ہے۔ اور بجائے تحقیقات کے مکابرہ بلکہ موجودہ زمانہ کے حالات کو مدنظر رکھ کر جدید محققین تو بحکم یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰھُمْ[2] پروپیگنڈہ شروع کر دیتے ہیں۔ اس لئے دو ہی صورتیں معقول اور مناسب ہو سکتی ہیں کہ یا تو قرآن پاک کے معیار کے مطابق حضرت اقدس مرزا غلام احمدؐ صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی و دلائل کے صدق و کذب کو جانچا جاتا۔ یا اگر اس پر قادر نہ تھا تو قرآنی تعلیم کے مطابق اِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْہِ کَذِبُہٗ[3] کہہ کر انکا معاملہ انہی پر چھوڑ دیا جاتا اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی عارفانہ دعا کے تکرار کے ذریعہ سے اس ہادیٔ مطلق سے استعانت کی جاتی جو حق و باطل کا صحیح فیصلہ کر سکتا ہے تیسری کوئی معقول صورت احقاق حق یا ابطال باطل کے لئے نظر نہیں آتی۔

---

[1] انکے دلوں میں کبر محض ہے نہیں ہیں وہ پہنچنے والے اسکو۔ پ۲۴ ع ۱۱۔

[2] وہ جو جھگڑتے ہیں اللہ تعالےٰ کی آیات کے بارے میں بغیر کسی دلیل کے جو آتی انکے پاس۔ پ۲۴ ع ۱۱

[3] اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہوگا پ۲۴ ع ۹۔

# باب دوم

رسالہ قادیانی مذہب کا مزعومہ علمی طریقہ تحقیق۔ مسئلہ ختم نبوت کی تحقیق اور جملہ فرقہائے اسلامیہ کی مسلّمہ تاویلات آیت ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین کے متعلق۔ اختلاف مابین تاویلات مسئلہ ختم نبوت بناء خروج عن الاسلام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تکفیر اہل قبلہ پر ایک محققانہ مضمون۔ برنی صاحب کو چیلنج۔ تحریفات کی مثالیں۔ رسالہ قادیانی مذہب اور اُس کے جوابات حالیہ و سابقہ کی وضاحت۔

باب اوّل میں ہم نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ پچھلی اُمتوں کے تجربہ سے فائدہ اُٹھا کر اس زمانہ کے مدعی پیغام الٰہی کی صداقت بھی قرآن پاک کے مصدقہ معیار پر جانچی جانی چاہیئے۔

جناب برنی صاحب اس دعویٰ کے ساتھ اُٹھے ہیں کہ انہوں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعاوی کی ایسی جانچ اور تنقید اور اُن کا علمی محاسبہ کر لیا ہے۔ اور اپنی اس تحقیقات کو صاحب موصوف نے رسالہ " قادیانی مذہب " کی شکل میں پبلک کے سامنے پیش کیا ہے۔ رسالہ مذکور کی حیثیت علمی اور طریقہ ترتیب کی حقیقت کو ہم نے دیباچہ کتاب ہذا میں بخوبی واضح کر دیا ہے۔ اس باب میں ہم رسالہ مذکورہ پر جوابی حیثیت سے نظر ڈالیں گے۔

اس رسالہ کے اب تک پانچ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ آخری ایڈیشنوں میں بمقابلہ پہلے کے بہت کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔ لیکن باوجود اس اضافہ و تغیّر و تبدّل کے ہمارا جواب جو " تصدیق احمدیت " کے نام سے " قادیانی مذہب " طبع اوّل کے بعد شائع ہوا تھا اس رسالہ زیر جواب کے اغراض و مقاصد کے مدنظر ایک اصولی اور اجمالی جواب کے طور پر اب بھی کارآمد ہے۔ یعنی جہاں تک رسالہ " قادیانی مذہب " طبع اول کے ان مضامین کا تعلق ہے جو جدید ایڈیشنوں میں باقی رکھے گئے ہیں وہی جواب کافی ہے۔ جس کو ہم اس کتاب کے ضمیمہ کے طور پر اس کے ساتھ دوبارہ شائع کرتے ہیں۔ اس لئے ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ جدید ایڈیشنوں اور اُن کے

اضافات کی نسبت کچھ لکھنے سے قبل رسالہ "قادیانی مذہب" طبع اول کے مضامین کا اجمالی خاکہ اور جوابات سابقہ کی مختصر و سرسری کیفیت اس باب میں بیان کر دی جاتی ہے تاکہ اضافات کے حالیہ جوابات کے ساتھ ہمارے سابقہ جواب کا بھی ربط پیدا ہو جائے۔ اور اس طرح رسالہ قادیانی مذہب کی پوری تردید بیک وقت پیش نظر رہ سکے۔

رسالہ قادیانی مذہب کی ترتیب خود مؤلف کے اعلان و اطلاع کے مطابق ایک خاص نظریہ کی پیش رفت میں ہے۔ جس کی نسبت وہ خیال کرتے ہیں کہ اُن کی خاص کد و کاوش و تحقیقات کا نتیجہ ہے چنانچہ مقدمہ طبع اوّل میں جو بعد کے ایڈیشنوں میں تمہید اوّل کے نام سے موسوم کیا گیا ہے مؤلف صاحب فرماتے ہیں کہ :۔

"قادیانی مذہب کا بڑا اصول ہے جس سے عام تو کیا خاص لوگ بھی بے خبر ہیں۔ وہ یہ کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مذہبی زندگی کے دو دَور ہیں پہلے دَور میں تو وہ انکسار جتاتے ہیں۔ خوب خوش اعتقاد اور عقیدت مند نظر آتے ہیں۔ انبیاء اولیاء سب کو اپنا بڑا مانتے ہیں سب کی عظمت کرتے ہیں اتباع کا دم بھرتے ہیں۔"

(قادیانی مذہب طبع اول ص۷ طبع دوم ص۵ طبع سوم ص۵ طبع چہارم ص۳۶ طبع پنجم ص۲۱)

"لیکن دوسرے دَور میں حالت بالکل برعکس ہے۔ اول تو علانیہ نبی بن جاتے ہیں۔ پھر بڑھتے بڑھتے تقریباً تمام انبیاء و مرسلین سے صراحتہً یا کنایتہً بڑھ جاتے ہیں۔ بڑے سے بڑے دعوے زبان پر لاتے ہیں۔ اچھے اچھوں کو نظروں سے گراتے ہیں اور اپنے واسطے انتہائی عقیدت کے طالب نظر آتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

(قادیانی مذہب طبع اول ص۹ طبع دوم ص۷ طبع سوم ص۷ طبع چہارم ص۳۹ طبع پنجم ص۲۳)

اس نظریہ کو محض اپنی لفاظی سے قوت پہنچانے اور اپنے بناتے ہوئے ڈھونگ کی پردہ پوشی کے لئے یہ دعویٰ بھی کر دیا ہے کہ :۔

"قادیانی صاحبان اپنی تبلیغ میں تمام تر دور اول کی خوش عقیدگیاں پیش کرتے ہیں اور ان میں کافی تراوٹ ہے۔ ناواقف اور ر و دار مسلمان اُن کی خوش عقیدگیوں سے خوش ہو کر خود اُن کی عقیدت میں پھنس جاتے ہیں اور جب اچھی طرح متاثر ہو کر قابو میں آ جاتے ہیں۔

تو وہ ان کو دور دوم کے اعتقادات پر لاتے ہیں جو چاہتے ہیں منواتے ہیں۔ ایمان کی خوب گت بناتے ہیں۔ قادیانی تبلیغ کا یہ بڑا گر ہے۔ اچھے اچھے بے خبر ہیں۔ تحقیق کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں دکھانے کے اور"

(طبع اول ص۹ طبع دوم ص۷ طبع سوم ص۸ طبع چہارم ص۳۹ طبع پنجم ص۴۳)

لیکن اس دعویٰ کے ثابت کرنے کے لئے مطلقاً کوئی ذرا سی زحمت بھی مؤلف ممدوح نے گوارا نہیں فرمائی محض عنوانات جو فی الحقیقت جناب برقی صاحب کے اپنے مزعومات ہیں اس دعویٰ کا ثبوت نہیں ہو سکتے۔

اسی سلسلہ میں علامہ برنی نے تمہید کتاب میں فصول کتاب کی ترتیب و مضامین کی توضیح کرتے ہوئے ان نتائج کو بھی واضح کر دیا ہے جو وہ اپنی تالیف سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :-

پہلے مرزا صاحب عقیدہ خاتم النبیین پر قائم اور اس پر اس طرح مُصر تھے کہ اس میں شک لانیوالے کو کافر سمجھتے تھے۔ اور بعد ازاں اس میں تاویل اور اپنی نبوت کی تشکیل شروع کر دی۔ اور ولایت و مجددیت کے ابتدائی منازل سے لیکر بالآخر درجہ بدرجہ نبوت مستقلہ کی انتہائی منزل پر پہنچ گئے کہ اس کے بغیر نبوت محمدیہ ناقص رہ جائے۔ اور انکار یا تردد سے ہر مسلمان خواہ واقف ہو یا بے خبر کافر بن جائے۔ اس طرح گویا عقیدہ ختم نبوت کو منہدم کر کے تمام انبیاء بلکہ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی اپنی فضیلت جتانے لگے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

(ملخصاً و مفہوماً تمہید طبع اول قادیانی مذہب ص۱۷ و ۱۸)

ان نتائج کے حاصل کرنے کے لئے مؤلف رسالہ قادیانی مذہب نے طبع اول رسالہ مذکورہ میں محض بذریعہ ترتیب فصول و عنوانات یہ التزام کیا تھا کہ حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو ایسا مدعی نبوت ظاہر کیا جائے۔ جو اسلام سے علیحدہ ہو کر اپنا خاص دین جاری کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ پبلک بغیر اس کے کہ ثبوت پیش شدہ پر غور کرے خود بخود حضرت مرزا صاحب کو منکر عقیدہ ختم نبوت تسلیم کر لے۔ اور اس غرض کے لئے انہوں نے حضرت مرزا صاحب کے

اصل دعاوی اور اُن کے دلائل سے تعرض کئے بغیر ان کتابوں سے اکثر ذیلی اور ضمنی مباحث کی نامکمل عبارتوں کو لے کر اپنے من مانے عنوانات کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب کے اصل دعاوی و دلائل پر بحث کی جاتی تو سب سے پہلے اہل سُنت والجماعت کے اُن مسلّمہ عقائد کو جو در بارہ مسیح موعود اُن کے جزو ایمان ہیں ظاہر کرنا پڑتا اور اس صورت میں مرزا صاحب کے قوی دلائل کی آھنی دیوار کو عبور کرنا دشوار ہو جاتا۔ اور فروعی و ذیلی مسلّمہ مسائل تک پہنچنے اور اُن کے ذریعہ سے عوام کو مشتعل کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ مگر چونکہ غرض تالیف کتاب احقاق حق نہیں ہے اس لئے اصل دعاوی اور دلائل کو جو مدعی مسیح موعود کی نسبت ہیں ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں کی گئی۔ کوئی واقف کار اہل سُنّت والجماعت یہاں تک کہ خود برنی صاحب بھی باوجود اس ساری مخالفانہ بلکہ معاندانہ جدّوجہد کے اس امر سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لاویں گے۔ تو باوجود اُمتِ محمّدیہ میں داخل ہونیکے نبی ہونگے۔ اور اُن کی نبوت سے انکار اور اُن کے مسیح موعود ہونے سے بے پرواہی یا بے اعتنائی موجب کفر ہوگی۔ اور وہ صاحب وحی والہام ہوں گے اور اُن کا فیصلہ تمام مسائل مختلف فیہ میں قطعی ہوگا۔ اور اُن کی اس طرح کی آمد ثانی عقیدہ ختم نبوت کے مغائر یا منافی نہ ہوگی۔ پس درحقیقت عقیدہ ختم نبوت ایسا عقیدہ نہیں ہے جو کسی طرح ایک نبی تابع شریعت محمّدیہ کی آمد کا مانع ہو۔ اگر برنی صاحب کی نیت صاف ہوتی تو ان مسلّمہ مسائل کو پس پشت ڈال کر وہ دعویدار مسیحیت کو منکر عقیدہ ختم نبوت ظاہر کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ وہ بخوبی جانتے تھے اور اگر جانتے نہیں تھے تو جان سکتے تھے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ اہل سُنّت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہ ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام نبی تابع شریعت محمّدیہ ہوں گے اور اُن کی نبوت کا انکار موجب کُفر ہوگا اور ان کی نبوت منافی عقیدہ ختم نبوت نہ ہوگی۔ تو کثیر التعداد ذیلی اور ضمنی مباحث و مسلّمہ مسائل کو منکرات کے رنگ میں پیش کرنے اور مضحکہ انگیز عنوانات اور معاندانہ فصول قائم کر کے کتاب کو عام پسند بنانے اور حجم بڑھانے کا موقع نہ مل سکیگا۔ ورنہ فی نفسہ عقیدہ ختم نبوت کوئی مختلف فیہ عقیدہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کا ہر ایک فرقہ اس عقیدہ کو قطعی اور ضروری سمجھتا ہے گو اس کی تاویل ہر ایک فرقہ کے نزدیک ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف ہے۔

اہل سُنّت والجماعت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ اور باوجودیکہ حضرت موصوف علیہ السلام بنی اسرائیل کے مسلّمہ نبی ہیں لیکن اپنی نبوت کے ساتھ نازل ہوں گے (شرح عقائد نسفی (جو احناف کے مسلّمہ عقیدہ کی کتاب ہے) صفحہ ۲۱۳ مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ) اور بعضوں کا خیال ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ و توسّط سے قرآن اُن کو سکھایا جائے گا۔ (جس کے یہ معنی ہیں کہ قرآن از سرِ نو اُن پر نازل ہو گا) مگر باوجود اس عقیدہ کے اہل سنت والجماعت آیت خاتم النبیین پر ایمان رکھتے ہیں۔ دیکھئے حجج الکرامہ مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحب صفحات ۴۳۱ و ۴۳۲ ؎

یہ تو وہ عقیدہ ہے جو جمہور اہل سُنّت والجماعت کا متفق علیہ ہے لیکن محققین کا خیال اس سے بھی کسی قدر وسیع ہے۔ چنانچہ مُلّا علی قاری مشہور و مستند محدّث نے اپنی کتاب موضوعات کبیر میں ختم نبوت کی احادیث پر بحث کر کے تصریح کی ہے۔ کہ نبی غیر تشریعی کے آنے کا امکان ہے۔ اسی سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں :۔

"فَلَا یُنَاقِضُ قَوْلَہٗ تَعَالٰی خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اِذِ الْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَاْتِیْ نَبِیٌّ بَعْدَہٗ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِّنْ اُمَّتِہٖ" (موضوعات کبیر صفحہ ۵۸ و ۵۹)[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ کی تفہیم نمبر ۵۳ میں فرماتے ہیں کہ :۔

"خُتِمَ بِہِ النَّبِیُّوْنَ اَیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَّاْمُرُہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِالتَّشْرِیْعِ عَلَی النَّاسِ"[2]

صوفیائے کرام میں سے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اپنی مشہور کتاب فتوحات مکیہ میں اسی عقیدہ کا اظہار کر کے مزید براں فرماتے ہیں کہ :۔

---

[1] (ابراہیم اور عمرؓ کا نبی ہونا) آیت خاتم النبیین کے خلاف نہیں پڑتا کیونکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ کوئی نبی آپ کے بعد ایسا نہیں آئے گا جو آپ کی ملّت کو منسوخ کر دے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔

[2] آپ پر نبوت ختم ہو گئی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی شریعت والا نبی نہیں آئے گا۔

"فَإِنَّ النُّبُوَّةَ سَارِيَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فِي الْخَلْقِ وَإِنْ كَانَ التَّشْرِيْعُ قَدْ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِيْعُ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ" [۱]

(فتوحات مکیہ جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۵۵ باب ۷۳ سوال نمبر ۸۲ مطبوعہ مصر)

حضرت عبدالکریم جیلی صاحب انسان کامل فرماتے ہیں :-

"فَانْقَطَعَ حُكْمُ النُّبُوَّةِ التَّشْرِيْعِ بَعْدَهُ وَكَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ" [۲] (کتاب مذکور جلد ۱ باب ۳۶ صفحہ ۹۸)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلہ میں خاموش نہیں رہے چنانچہ مکتوب ۳۰۱ بنام مولانا امان اللہ میں فرماتے ہیں :-

"نبوت عبارت از قرب الٰہی است جلّ سلطانہ کہ شائبہ ظلیت ندارد و عروجش او بحق دارد جل وعلا ونزولش او بخلق این قرب بالاصالت نصیب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات و این منصب مخصوص بایں بزرگواراں علیہم الصلوات والبرکات وخاتم ایں منصب سید البشر است علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والسلام حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتحیۃ بعد از نزول تابع شریعت خاتم الرسل خواہد بود علیہ الصلوٰۃ والسلام غایۃ ما فی الباب متابعاں وخادماں را از دولت دادش صاحبان نصیب است پس از قرب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتحیات کمّل تابعاں را ہم نصیب بودہ و علوم و معارف و کمالات آں مقام بطریق وراثت نیز نصیب تابعاں باشد ؎

خاص کند بندہ مصلحت عام را

پس حصول کمالات نبوت مر تابعاں را بطریق تبعیت و وراثت بعد از بعثت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والرسل والصلوات والتحیات منافی خاتمیت او نیست علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ" [۳] (مکتوبات امام ربانی جلد اول صفحہ ۴۳۲)

حضرت مجدد صاحب کا آخری فقرہ "فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ" قرآن پاک کی آیت ہے اس تاکید کے لئے اس آیت کو درج فرمایا ہے کہ اس مسئلہ کی صحت میں شک نہ کیا جائے - یہ آن اکابر

---

[۱] نبوت مخلوق میں قیامت تک جاری رہیگی - اگرچہ تشریعی نبوت منقطع ہو چکی ہے - پس تشریعی نبوت جزء ہے نبوت کے اجزاء کا -

[۲] آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد نبوت تشریعی منقطع ہو چکی -

[۳] تو شک کرنے والوں میں سے مت ہو ۔

محققین علماء وصوفیاء رحمہم اللہ کے عقائد ہیں۔ جن کے عمائد وقت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ علماء متاخرین میں سے مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے "اثر ابن عباس"[1] پر اپنے رسالہ "تحذیر الناس" میں بحث کی ہے۔ اس بحث کے سلسلہ میں آیت مبارکہ خاتم النبیین کی بھی مولانا نے توضیح وتفصیل فرمائی ہے۔ اس کے ضمن میں رسالہ مذکور کے صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلہ نبوت آپ پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے انبیاء گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا۔ اس میں انبیاء گذشتہ ہوں یا کوئی اور (یہ لفظ کوئی اور خاص طور پر قابل غور ہے کہ گذشتہ کا مقابلہ سوائے آئندہ کے اور کسی لفظ سے نہ ہوسکیگا۔ ناقل) اس طرح اگر فرض کیجئے آپ کے زمانہ میں بھی اس زمین یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی اور نبی ہو تو وہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا۔ اور اس کا سلسلۂ نبوت بہرطور آپ پر مختتم ہوگا۔"

اسی سلسلہ میں صفحہ مذکور پر آگے چل کر اس بیان کو اس طرح واضح فرماتے ہیں:۔

"اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔"

اسی سلسلہ کو بڑھا کر بالآخر صفحہ ۲۸ رسالہ مذکور پر تحریر فرمایا ہے :۔

"اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی۔ بلکہ افراد مقدرہ[2] پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم کوئی نبی

---

[1] حضرت ابن عباس سے جو صحابہ میں فہم وتفسیر قرآن میں بلند پایہ رکھتے تھے ایک قول تفسیر درمنثور وابن جریر وغیرہ میں تفسیر آیت اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ۔ یہ منقول ہے۔ کہ سَبْعَ اَرَضِیْنَ فِیْ كُلِّ اَرْضٍ اٰدَمُ كَاٰدَمِكُمْ وَنُوْحٌ كَنُوْحِكُمْ وَاِبْرَاهِیْمُ كَاِبْرَاهِیْمِكُمْ وَعِیْسٰی كَعِیْسٰكُمْ وَنَبِیٌّ كَنَبِیِّكُمْ یعنی اللہ تعالے نے سات زمینیں بنائی ہیں ہر زمین میں آدم تمہارے آدم کیطرح اور نوح تمہارے نوح کیطرح اور ابراہیم تمہارے ابراہیم اور عیسیٰ تمہارے عیسیٰ کیطرح اور نبی تمہارے نبی کیطرح بھیجے گئے۔ اس حدیث کی نسبت ایک شخص نے علماء وقت سے سوال کیا جس کے جوابات دیئے گئے۔ اور ان جوابات میں سے ایک جواب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا اور دوسرا جواب حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم فرنگی محل لکھنوٴ کا ہے۔ جن کے اقتباسات ہم نے دیئے ہیں۔

[2] افراد مقدرہ کا مفہوم طالب توجہ ہے۔

پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" (رسالہ تحذیر الناس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ)

اسی رسالہ تحذیر الناس مذکور کے صفحہ ۲۲ و ۲۳ پر مولانا عبد الحی فرنگی محل اور دیگر علمائے لکھنؤ کا فتویٰ بھی "اثر ابن عباس" کے متعلق شائع ہوا ہے۔ اس فتویٰ میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ :-

"علمائے اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا۔ اور نبوت آپ کی عام ہے۔ اور جو نبی آپ کے ہم عصر ہوگا۔ وہ متبع شریعت محمدیہ ہوگا۔"

علمائے اہل سنت والجماعت کی جس تصریح کا اس میں ذکر ہے ہم اس میں سے بعض علماء کی تحریرات کا اوپر حوالہ دے چکے ہیں۔ خود مولانا عبد الحی صاحب مرحوم نے اثر ابن عباس کے متعلق ایک مستقل رسالہ بنام دافع الوسواس فی اثر ابن عباس شائع فرمایا ہے۔ جس کے صفحہ ۱۲ پر عبارت محولہ بالا موجود ہے۔ اسی رسالہ کے صفحہ ۱۶ پر مرحوم مغفور آیت" ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" کی روشنی میں اثر ابن عباس کی صحت کو تسلیم کر کے فرماتے ہیں کہ :-

"پس جائز ہے کہ اواخر سلاسل تحتانیہ آنحضرتؐ کے زمانہ کے قبل ہو گئے ہوں۔ یا آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہو کے متبع شریعت محمدیہ ہوتے ہوں کیونکہ بعد آنحضرتؐ کے یا زمانہ میں آنحضرتؐ کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں ہے۔ بلکہ صاحب شرع جدید ہونا البتہ ممتنع ہے۔"

مولانا عبد العلی بحر العلوم مدراسی نے بھی اپنے رسالہ "فتح الرحمٰن" میں جو احوال قیامتؑ کے بارے میں ہے یہی صراحت کی ہے۔ جس کا حوالہ مولانا عبد الحی صاحب مرحوم نے اپنے رسالہ مذکور کے صفحہ ۲۹ پر دیا ہے۔

پس جہاں تک عقیدہ ختم نبوت یا آیت خاتم النبیین کا تعلق ہے۔ اس میں علماء اہلسنت والجماعت اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا تبیع نبی اُمتی آسکتا ہے جو شریعت محمدیہ کا تابع ہوگا۔ اور اس سے زیادہ اور کوئی تاویل حضرت مرزا صاحب نے بھی نہیں کی ہے۔ جماعت احمدیہ کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم ہو چکی۔ اور اب ایسا کوئی نبی نہیں آسکتا جو آپ کی اطاعت سے باہر اور آپ کے فیضان سے بغیر براہ راست اللہ تعالیٰ سے نبوت حاصل کر کے ہدایت خلق کے لئے مبعوث کیا جائے۔

آپ کی اُمت کو یہ درجہ بھی آپکی اتباع کے طفیل میں عطا کیا جاسکتا ہے یعنی کامل متبع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بطور تبعیت فنا فی الرسول ہو کر مقام نبوت حاصل کر سکتا ہے۔ تاکہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی افاضہ ظہور میں آسکے۔

فرقہ مہدویہ جو حضرت سیّد محمد جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کو مہدی موعود تسلیم کرتا ہے تقریباً یہی عقیدہ رکھتا ہے یعنی وہ حضرت موصوف کو متبع نبی مانتے ہیں جو منافی ختم نبوت نہیں ہے۔

(ختم الھدیٰ سبل السویٰ مصنفہ مولانا شاہ محمد صاحب مہدوی مطبوعہ مطبع فردوسی بنگلور صفحات ۲۳-۲۶۳-۲۷۰-۲۷۵-۲۸۵)

یوں تو اس کتاب کا بڑا حصہ اس بحث سے مملو ہے۔ لیکن صفحات مذکورہ میں صاف طور پر اس عقیدہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا مختصر اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

"اب احادیث و اقوال متقدمین سے ثابت ہوا کہ مہدی سے دین کمال کو پہنچے گا۔ اور مہدی قائم مقام رسول کے ہیں اور جو حکم مہدی کرے اگر آپ ہوتے وہی حکم کرتے اور ضرور ہے کہ علماء مہدی سے پنجہ کشی کریں۔ اور مہدی خطا سے معصوم ہیں اور نبی تبع ہیں۔ اور بے حکم خدا کے کچھ کہنے والے نہیں۔ کیونکہ قیاس اور رائے اس کے واسطے ہے۔ جو نبی نہ ہو ...... الخ" (ص۲۳)

"مہدی موعود نبی تبع اور معصوم عن الخطا اور خلیفۃ اللہ اور مبعوث من اللہ سیّد اُمت ہیں"۔ (ص۲۶۳)

"اس سے ثابت ہوا کہ خاتم النبیین یعنی محمد نبی احمد مہدی علیہما الصلوٰۃ والسلام من حیث الحقیقت ایک ہی ہیں"۔ (ص۲۷۰)

"بلکہ مہدی موعود خلیفۃ اللہ مبعوث من اللہ معصوم عن الخطا سیّدِ اُمت محمدیہ ہونے پر سینکڑوں احادیث صحیحہ صریحہ وارد ہونے سے اصحاب و اہل بیت و تابعین و اولیاء کبار وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس جناب کو ہمارے امام کے ظہور و دعویٰ تک انبیاء کے طور سے ذکر کئے ہیں"۔ (ص۲۷۵) "اس لئے وراثت خاتم الولی کی بمنزلہ رسالت ہے" (ص۲۸۵)

مولانا روم تو اپنے مرشد کو بدلیل لمی نبی ہی کہتے ہیں ؎

چوں از و نور نبی آمد پدید    او نبی وقت باشد اے مرید

گسل از پیغمبر ایام خویش        تکیہ کم کن بر فن و بر کام خویش

یہ تو اہل سنّت والجماعت کے فرقوں کی کیفیت ہے۔ حضرات امامیہ کا عقیدہ دربارہ مہدی منتظر بلکہ دربارہ دوازدہ امام یہ ہے کہ وہ معصوم ہیں اور ظاہر ہے کہ معصوم نبی ہی ہوا کرتا ہے نہ کہ غیر نبی* ۔ ابھی حال میں احرار کے جنرل سیکرٹری مسٹر مظہر علی نے جو شیعہ ہیں ایک بیان میں کہا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گیارہ نبی آچکے ہیں اور ایک نبی اور بھی آنیوالا ہے (یعنی مہدی علیہ السلام۔ناقل) یہ ایک درجن حضرات خصوصیات نبوت میں بالکل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پلہ ہیں۔ اسی طرح معصوم اور اسی طرح واجب الاطاعت ہیں۔ نام کا صرف فرق ہے اُن کو نبی کے بجائے امام کہتے ہیں۔ (الفضل ۲۰۔اپریل ۱۹۳۷ء بحوالہ اخبار النجم لکھنؤ مورخہ ۹۔اپریل ۱۹۳۷ء)

پس جہاں تک عقیدہ ختم نبوت کا تعلق ہے مسلمانوں کا کوئی فرقہ اس سے علیحدہ یا اس کا منکر نہیں ہے۔ آپس میں جو فرق ہے وہ زیادہ سے زیادہ ہر ایک فرقہ کی تاویل میں ہے۔ یعنی تاویل ہر ایک فرقہ کرتا ہے اور متؤل مخطی بھی ہو سکتا ہے اور مصیب بھی۔ تاویل غلط بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بھی لیکن بہرحال تاویل کی بناء پر نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ عقیدہ ختم نبوت کا قائل نہیں ہے۔ اور تاویل کے ساتھ عقیدہ ختم نبوت پر ایمان رکھنے سے کوئی وجہ کفر یا خروج عن الاسلام کی پیدا نہیں ہوتی۔ (شرح فقہ اکبر . . . . . . . . . . الیواقیت والجواہر مبحث ثامن صفحہ ۱۱۱ و ۱۱۲ مطبوعہ مطبع میمنہ مصر الملل والنحل جلد ۳ صفحہ ۲۵)

جمادی الاول ۱۳۵۵ھ کے ماہانہ پرچہ ترجمان القرآن جلد ۸ عدد ۵ میں جو مولوی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ادارت میں ہمارے شہر حیدرآباد سے شائع ہوتا ہے "فتنہ تکفیر" کے عنوان سے ایک مضمون خود ایڈیٹر موصوف کا شائع ہوا ہے۔ اس میں کفر و اسلام پر ایک اصولی بحث کی گئی ہے اس کے بعض فقرات اس موقعہ پر ناظرین کی خاص توجہ کے محتاج ہیں:-

"ان احکام کا منشاء یہ ہے کہ مومن کو کافر کہنے میں اتنی ہی احتیاط کرنی چاہیئے جتنی کسی شخص کے قتل کا فتویٰ صادر کرنے میں کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ معاملہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے

---

* حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور کتاب تفہیمات الٰہیہ کے مقالہ الوصیت کی وصیت پنجم میں صراحت کی ہے۔ کہ شیعہ امامیہ بوجہ امام کو معصوم مفترض الطاعۃ اور ان کو منصوب للخلق یقین کرنے کے منکر ختم نبوت ہیں۔

کسی کو قتل کرنے سے کفر میں مبتلا ہونے کا خوف تو نہیں ہے مگر مومن کو کافر کہنے میں یہ خوف بھی ہے کہ اگر فی الواقع وہ شخص کافر نہیں ہے اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان موجود ہے۔ تو کفر کی تہمت خود اپنے اوپر پلٹ آئے گی۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں رکھتا ہو اور جس کو اس کا کچھ احساس ہو۔ کہ کفر میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ کتنا بڑا خطرہ ہے۔ وہ کبھی کسی مسلم کی تکفیر کی جرأت نہیں کر سکتا تاوقتیکہ اُسے خوب چھان بین کرنے کے بعد اس کے مبتلائے کفر ہو جانے کا پورا علم نہ ہو جائے۔ اس باب میں احتیاط کی حد یہ ہے کہ جس شخص کے طرز عمل سے صاف طور پر نفاق ظاہر ہو رہا ہو۔ جس کا حال صاف بتا رہا ہو کہ وہ دل سے مسلمان نہیں ہے وہ بھی اگر کلمہ اسلام اپنی زبان سے پڑھ دے تو اُسے کافر کہنا اور اس کے ساتھ کافر کا سا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ ایک سریہ میں ایک شخص نے مسلمانوں کو دیکھ کر کہا۔ السلام علیکم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایک مسلمان نے یہ گمان کر کے اُسے قتل کر دیا کہ اس نے محض جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھا ہے۔ ظاہر حال کے لحاظ سے یہ گمان کرنے کی معقول وجہ بھی موجود تھی۔ کیونکہ جنگ کا موقعہ تھا۔ تلواریں کھنچی ہوئی تھیں کچھ بعید نہ تھا کہ اس مقتول کے دل میں درحقیقت ایمان نہ ہو۔ اور اس نے کلمہ کو محض جان بچانے کے لئے ڈھال بنانا چاہا ہو۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ غضبناک ہوئے اور سختی کے ساتھ اس مسلمان سے باز پُرس کی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اُس نے تو محض ہماری تلوار سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھ دیا تھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا هَلَّا شققت قلبه کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ تمہارا کام دلوں کو ٹٹولنا نہیں ہے۔ یہ حقیقت تو خدا ہی جانتا ہے کہ کس کے دل میں ایمان ہے اور کس کے دل میں نہیں "اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى"[1]۔ تم صرف ظاہر کو دیکھ سکتے ہو

---

[1] بے شک تیرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹکتا ہے۔ اور اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پاتا ہے۔ (سورہ نجم آیت ۳۰ پارہ ۲۷)

اور ظاہر میں جب ایک شخص اسلام کا اظہار کرے۔ تو تمہیں کوئی حق نہیں کہ تاویلات سے اُس کو کافر ٹھہراؤ اور اس کے ساتھ کفار کا سا معاملہ کرو" (ترجمان القرآن صفحہ ۴۱۹ - ۴۲۰)

"یہی وجہ ہے۔ کہ متقی اور محتاط اہل علم نے ہمیشہ تکفیر اہل قبلہ میں سخت احتیاط برتی ہے۔ انہوں نے جن لوگوں کو اپنی تحقیق میں گمراہ سمجھا اُن کے خیالات اور عقائد کی تردید نہایت جرأت سے کی۔ کسی کے اقوال و افعال کو اگر اپنے نزدیک کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے خلاف پایا تو اس کا سختی کے ساتھ ابطال کیا۔ جن مقالات میں ان کو کفر و الحاد کی جھلک نظر آئی اُن کے متعلق بر ملا کہا کہ یہ کافرانہ اور ملحدانہ مقالات ہیں۔ جن افعال میں شرک و کفر کے نشانات محسوس ہوئے۔ اُن کے متعلق صاف صاف کہہ دیا کہ یہ مشرکانہ اور کافرانہ اعمال ہیں۔ لیکن ضلالت کو ضلالت اور کفر کو کفر اور شرک کو شرک کہنے میں خواہ کتنی ہی جرأت انہوں نے ظاہر کی ہو۔ مگر ان اقوال و افعال کا ارتکاب کرنے والوں کو "کافر" یا "مشرک" کہہ دینے میں انہوں نے کبھی جرأت سے کام نہیں لیا۔ وہ اس خیال سے کانپ اُٹھتے تھے کہ کہیں ایسے شخص کو کافر یا مشرک قرار نہ دے بیٹھیں جو درحقیقت صاحب ایمان ہو۔ اس لئے جس کلمہ گو کے خیالات میں اُن کو کفر و الحاد و شرک کی جھلک نظر آتی تھی اُس کے خیالات کی تردید تو کر دیتے تھے۔ اور نہ صرف اس کی تفہیم کرتے بلکہ عام مسلمانوں کو بھی اُس کے خیالات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر جب خود اُسے کافر یا مشرک قرار دینے کا سوال سامنے آتا۔ تو وہ بعید سے بعید تاویل کر کے بھی اس کو دائرہ اسلام میں رکھنے کی کوشش کرتے اور اس وقت تک دین سے خروج اور سلب ایمان کا حکم نہ لگاتے جب تک صریح کفر کا اظہار نہ ہو ایسا صریح کفر جس میں کسی تاویل کی گنجائش بھی نہ ہو" (ترجمان القرآن جلد ۸ عدد ۵ صفحہ ۴۲۱ - ۴۲۲)

"ایک مسلمان سے نیت کفر کی توقع نہیں کی جاتی۔ بہت ممکن ہے کہ اس کا قول قرآن کی تعلیم سے معارض ہوتا ہو۔ مگر اس کی نیت قرآن سے معارضہ کرنے کی نہ ہو۔ یا اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن کے خلاف ہے یا اس نے کسی ایسے معنی میں وہ بات کہی ہو۔ جو درحقیقت قرآن کے خلاف نہیں ہے۔ پھر کیونکر جائز

ہو سکتا ہے کہ ہم ایک ایسے شخص کو جو قرآن پر ایمان رکھنے کا اقرار کر رہا ہے محض ایک ظاہری تعارض کی بناء پر منکر قرآن ٹھہرا دیں؟ اگر ہم خود اس کی کوئی تاویل نہ کر سکتے ہوں۔ تو ہمیں اس سے یا اس کے ہم خیال لوگوں سے پوچھنا چاہیئے کہ تمہارے اس قول کا مراد حقیقی کیا ہے۔ اور اس کے جواب میں اگر وہ کوئی تاویل ایسی پیش کرے جو قرآن سے صریح معارض نہ ہوتی ہو۔ تو اس کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ نہ یہ کہ خواہ مخواہ کھینچ تان کر اسے خلاف قرآن ہی ثابت کیا جائے اور ایک ایسے شخص کو زبردستی منکر قرآن ہی قرار دیا جائے جو خود قرآن کے کتاب اللہ ہونے اور اس پر ایمان رکھنے کا اقرار کر رہا ہے۔

کفر اور ایمان کا امتیاز جن امور سے ہوتا ہے۔ ان کی تصریح اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرما دی ہے جو شخص خدا کی وحدانیت اور ان صفات کا قائل ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔ جو شخص ملائکہ اور کتب آسمانی اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور یوم الآخر کے برحق ہونے پر اس طریقہ سے ایمان لاتا ہے جس کا اظہار قرآن مجید میں کر دیا گیا ہے۔ وہ بہر حال مومن ہے خواہ کلام اور فقہ کے اعتبار سے اس کا مذہب جمہور کے مذہب سے کتنا ہی مختلف ہو۔ تفصیلات اور فروع میں اگر اس کی رائے غلط ہو اور کسی مسئلہ یا بعض مسائل میں وہ ضلالت کی حد تک بھی پہنچ جاتا ہو۔ تو آپ اس کی تردید کر سکتے ہیں مگر محض اس بناء پر اس کی تکفیر نہیں کر سکتے۔ کہ اس کی تاویل آپ کی تاویل کے خلاف ہے یا منطقی اسلوب پر اس کے مقدمات کو مرتب کرنے سے کفر یا الحاد یا زندقہ کا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔" (ترجمان القرآن صفحہ ۴۲۳-۴۲۴)

اس کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ :-

"ہم دراصل اس قاعدہ کلیہ کی توضیح کرنا چاہتے ہیں کہ کسی مسلمان کو تاویل اور منطقی استنتاج سے کافر بنانا جائز نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک مسلم کی زبان سے کوئی فقرہ سن کر ہم اپنے طور سے اس کا صغریٰ و کبریٰ قائم کریں پھر خود ہی ایک حد اوسط لگائیں اور اس سے ایک نتیجہ نکال کر کہیں کہ وہ شخص دراصل اس

نتیجہ کا قائل ہے اور یہ نتیجہ کفر ہے۔ لہٰذا وہ شخص کافر ہے۔ یہی وہ ظالمانہ فعل ہے۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا تھا۔" (ترجمان القرآن صفحہ ۴۲۵)

رسالہ ترجمان القرآن کے ان اقتباسات کو پیش نظر رکھئے اور حضرت مرزا صاحب اور اُن کی جماعت کا عقیدہ خود اُن کی زبان سے سُنئے۔ جو ہم نے باب چہارم کے پہلے ہی صفحہ میں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ اور ہمارے ان عقائد کے ساتھ ہماری توجیہ دربارۂ عقیدہ ختم نبوت بھی ملحوظ رکھ کر خدا لگتی کہیئے۔ کہ کیا اس عقیدہ کی رکھنے والی جماعت فی الواقعہ منکر رسالت خاتم النبیین اور دین اسلام سے خارج ہے؟

پس مسئلہ ختم نبوت فی نفسہٖ کوئی ایسا متنازعہ فیہ مسئلہ نہیں ہے۔ جس کو ہمارے مقابلہ میں ایک ہولناک مسئلہ بنا کر پبلک کے سامنے ایسے رنگ میں پیش کیا جائے۔ کہ گویا جماعت احمدیہ کا عقیدہ اس مسئلہ میں دوسرے فرقہ ہائے اہل سنت والجماعت سے مختلف ہے۔ ہم نے پہلے بھی اپنے جواب "تصدیق احمدیت" میں اس کو واضح کیا تھا۔ لیکن نقارخانہ میں طوطی کی آواز سنتا ہی کون ہے۔ ہم گلا پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہے ہیں۔ کہ ہم عقیدہ ختم نبوت کے منکر نہیں ہیں۔ ہم تو سب سے زیادہ سختی کے ساتھ عقیدہ ختم نبوت کو اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں اسی لئے تو ہم اس کے قائل نہیں ہیں کہ کوئی غیر قوم کا نبی یعنی اسرائیلی نبی حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعنی اسماعیلی نبی کی اُمت کی اصلاح کے لئے آسمان سے آ سکتا ہے۔ اس میں سراسر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کی ہتک ہے۔ مگر باوجود سننے کے ہماری چیخ و پکار آنُ سُنی کر دی جاتی ہے۔ اور پبلک کو یہ کہہ کر اشتعال دلایا جاتا ہے۔ کہ مرزائے قادیان نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے۔ وہ ختم نبوت کا منکر ہے اور ختم نبوت کے منکر کو اسلام سے کیا تعلق ہے۔ اور ابتداء میں مرزا صاحب ختم نبوت کے قائل تھے۔ مگر اپنی نبوت کی تشکیل کے لئے ختم نبوت کی تاویل کرنے لگے اور رفتہ رفتہ خود نبی بن گئے ہیں۔

اب انصاف ناظرین کے ہاتھ ہے۔ ہم نے اہل سنت والجماعت و فرقہ امامیہ و مہدویہ کی تاویل دربارہ عقیدہ ختم نبوت کو سامنے رکھ دیا ہے۔ کیا ان عقائد کی موجودگی میں کوئی خدا ترس منصف مزاج آدمی جماعت احمدیہ کے عقیدہ ختم نبوت اور اس کی تاویل دیگر فرقہائے

اسلامیہ کی تاویل سے زیادہ رکیک ضعیف یا مختلف اور موجب کفر وارتداد وخروج عن الاسلام تجویز کر سکتا ہے؟ جبکہ ہم خود جناب برقی صاحب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ کہ اگر آپ ہمارے بیان کردہ عقائد اور تاویل آیت خاتم النبیین کو دوسرے فرقہ ہائے اسلامیہ کی تاویل وعقیدہ سے زیادہ رکیک وضعیف ومختلف وموجب کفر ثابت کر دیں تو ہم آپ کی رائے کو بحلف شرعی موکد بعذاب کے ساتھ شائع کی جائے مان لیں گے۔ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ۔[۱۵]

مجھے یقین ہے کہ جناب برقی صاحب اس جانب رُخ نہ کریں گے۔ "تصدیق احمدیت" میں بھی ہم نے ان کو کئی چیلنج دئے تھے۔ مگر وہ ان سے بھی کترا کر نکل گئے۔

اس مختصر تمہید سے یہ ظاہر کرنا مدنظر ہے کہ رسالہ "قادیانی مذہب" احقاق حق کیلئے نہیں بلکہ خاص اغراض کے ماتحت لکھا گیا ہے۔ اور اسی لئے ہمارے ذمہ یہ اتہام لگایا گیا ہے کہ ہم عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور مرزا صاحب نے اسلام سے الگ ہو کر اپنی علیحدہ نبوت قائم کی ہے۔ اس خاص مقصد کو پیش نظر رکھ کر مؤلف رسالہ "قادیانی مذہب" نے طبع اول میں مقدمہ وتمہید کے بعد حسب ذیل پانچ فصول قائم فرمائے تھے :۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ مرزا صاحب کی نبوت ورسالت | صفحہ ۱۹ تا ۴۳ | اس فصل میں چودہ ذیلی عنوانات تھے | |
| ۲۔ مرزا صاحب کی فضیلت | " ۴۴ تا ۵۴ | ذیلی عنوانات | (۱۵) |
| ۳۔ مرزا صاحب کے انکشافات | " ۵۵ تا ۶۰ | ذیلی عنوانات | (۸) |
| ۴۔ مرزا صاحب کے ارشادات | " ۶۱ تا ۷۱ | ذیلی عنوانات | (۱۰) |
| ۵۔ خاتمہ | " ۷۲ تا ۷۶ | ذیلی عنوانات | (۲) |

اس کے بعد ایک تتمہ تھا جس میں پانچوں فصول کے ذیلی عنوانات کے متعلق مزید حوالہ جات واقتباسات دئے گئے تھے۔ پہلی دو فصول مرزا صاحب کی نبوت ورسالت وفضیلت کی نسبت اہم تھیں۔ بقیہ تین فصول میں صرف مرزا صاحب کے الہامات یا اقوال اور دوسرے اکابر جماعت کے بیانات کے متعلق زیادہ تر مضحکہ انگیز عنوانات کے ذیل میں اقتباسات دیکر پبلک کے لئے تفریح طبع کا سامان مہیا کیا گیا تھا۔ لیکن پہلی دو فصول میں استہزاء کے علاوہ

[۱۵] اگر تم نے نہ کیا اور یقیناً نہ کر سکو گے پس ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں وہ تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے۔ (پ ۱ ع ۳)

پبلک کو مشتعل کرنے کے لئے بھی سامان مہیا کیا گیا تھا۔ اس لئے اس کو خاص طور پر اہمیت حاصل تھی یعنی یہی وہ فصول ایسی تھیں جن کے ذریعہ سے یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ مرزا صاحب کو مسئلہ ختم نبوت کا منکر اور ایسا مدعی نبوت و فضیلت ظاہر کیا جائے۔ جو اسلام سے الگ ہو کر اپنا نیا دین جاری کرنا چاہتا ہے۔ ان فصول میں خاص کوشش کے ساتھ عنوانات کو ایسی ترتیب کے ساتھ قائم کیا گیا تھا کہ پڑھنے والا خود بخود اس نتیجہ پر پہنچ جائے۔ کہ مرزا صاحب رفتہ رفتہ اصل و سابقہ اسلامی عقیدہ ختم نبوت سے ہٹ کر نبوت مستقلہ کے مدعی ہوگئے۔ یہ صرف عنوانات ہی تھے جن کے ذیل میں دکھانے اور ان عنوانات کو نبھانے کے لئے ایسے اقتباسات دئے گئے تھے۔ جو قائل کے اصل منشاء کے قطعاً مغائر تھے۔ نہ پوری عبارت کتاب منقول عنہٗ کی درج کی گئی نہ عنوانات کے مطابق عبارت کے تقدم و تاخر زمانی کو واضح ہونے دیا گیا۔ گویا آنکھوں میں دھول جھونک کر صرف عنوانات کی ترتیب ہی سے بلا لحاظ ثبوت کے ایک نتیجہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور اگر باوجود اس صریح خیانت کے بھی عنوانات و اقتباسات یعنی دعویٰ اور دلیل میں کوئی فرق نظر آیا اور چول ٹھیک بیٹھتی ہوئی نظر نہ آئی۔ تو تحریف و تدلیس کی ہتھوڑی سے ٹھونک پیٹ کر بخوبی بٹھا دی گئی۔ پس معاملہ درست ہوگیا اور متانت و سنجیدگی کا سہرا سر پر رہا۔ اگر کوئی اس خرابی و خیانت کو ظاہر کرتا ہے تو وہ بدزبان و بدمذاق و بداخلاق قرار پاتا ہے۔ اس لئے ہمارا جواب اُس دماغ میں جس پر معاندانہ خیالات نے قبضہ کر لیا ہے یا اس تعلیم یافتہ دماغ میں داخل ہی نہیں ہو سکتا جس کے نزدیک متانت و سنجیدگی کی پالش صدق و صداقت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس اہتمام کے ساتھ ہماری جانب ایسے عقائد منسوب کر دئے گئے۔ جو کبھی ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھے۔ اور ان اتہامات کو جلا دے کر اور اس کے کھوٹ کو پوشیدہ کرنے کے لئے یہ ملمع بھی کر دیا تھا کہ :۔

> ”قادیانی تبلیغ کا یہ بڑا گر ہے جس سے اچھے اچھے بے خبر ہیں۔ تحقیق کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور۔“

تاکہ وہ لوگ جو احمدیوں کی علانیہ اسلامی زندگی دیکھ کر احمدیت سے مانوس اور کسی قدر واقف ہو چکے ہیں۔ اس اشتباہ میں پڑ جائیں کہ احمدیت کے جو عقائد اور احمدیوں کے جو اعمال ہمارے

سامنے ہیں۔ شاید یہ ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہوں گے۔ اور برقی صاحب نے جن عقائد کا پتہ چلایا ہے وہی اصلی عقائد جماعت احمدیہ کے ہوں گے۔ اس لئے ہم نے اپنی جوابی کتاب "تصدیق احمدیت" میں اس کا خاص اہتمام کیا تھا کہ رسالہ "قادیانی مذہب" کی ہر ایک تحریف و تدلیس کو اصل کتابوں سے مقابلہ کرکے واضح کر دیا جائے۔ اور عائد کردہ اتہامات اور منسوب کردہ بے بنیاد عقائد کی نسبت ہم نے جناب برنی صاحب کو چیلنج کیا تھا کہ اگر وہ ثابت کر دیں کہ جماعت احمدیہ کے واقعی یہ عقائد ہیں۔ تو ہم اُن سے توبہ کر لیں گے اور صاحب موصوف کو انعام کے طور پر کچھ نقد بھی پیش کریں گے۔ ملاحظہ ہو صـ۳ (تصدیق احمدیت وضمیمہ ۳و۴)

جس میں بایں الفاظ برنی صاحب کو چیلنج کیا گیا تھا کہ اوّل اگر آپ یہ ثابت کر دیں:۔

"کہ جماعت احمدیہ کے عقائد دوسروں کو دکھانے اور رجھانے کے تو اور ہیں اور فی نفسہ اصل عقائد اور۔ جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب کے مقدمہ صـ۹ میں لکھا ہے۔ کہ تحقیق کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ:۔

"ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں دکھانے کے اور"

دوم یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے کبھی عقیدہ ختم نبوت کو ترک اور حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع شریعت سے انحراف کرکے بالمقابل نبوت مستقلہ کا دعویٰ کیا۔ اور جماعت احمدیہ کا یہی اعتقاد ہے؟

سوم۔ یہ کہ حضرت مسیح موعود نے فضیلت تو کیا کبھی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا بھی دعوئی کیا؟ درآنحالیکہ ہم نے اپنی تنقید میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر ہی فخر تھا۔ اور جماعت احمدیہ بھی یہی اعتقاد رکھتی ہے۔

چہارم۔ یہ کہ حضرت مرزا صاحب نے بجائے حج کعبتہ اللہ کے جو از روئے شریعت اسلامیہ مسلمانوں پر فرض ہے احمدیوں کے لئے قادیان کا حج مقرر فرمایا ہے۔

تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ ——

ایسے عقائد سے توبہ کر لیں گے اور مزید برآں ہر ایک ثبوت پر ۱۰۰ روپیہ نذرانہ بھی دیں گے" (تصدیق احمدیت صـ۳)

پھر تیسرے الزام کو ثابت کرنے کی صورت میں پانچ سو روپیہ مزید ہرجانہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ (تصدیق احمدیت ص۱۱)

اور چوتھے الزام کو ثابت کرنے کی صورت میں مزید ایک ماہ کی تنخواہ (جو برنی صاحب سرکار عالی سے پاتے ہیں) بطور انعام دینے کا بھی اعلان کیا گیا تھا۔ (تصدیق احمدیت ص۱۱)

یہ چیلنج نہایت صاف اور واضح تھے اور جو ترغیب و تحریص ان جوابات کے لئے دلائی گئی وہ اتنی قوی تھی کہ اگر فی الواقع جناب برنی صاحب کی نیت احقاق حق کی ہوتی اور اپنے زعم میں وہ ہم گرفتاران ورطہ ضلالت کو اس گمراہی کی ہلاکت سے بچانا چاہتے تو ہمارے چیلنج کو قبول کرکے وہ عقائد ہمارے ثابت کر دیتے جو ہماری طرف منسوب کئے تھے۔ یہ بالکل صاف بات تھی اگر ذاتی عداوت و کد اور غرور فی الدین اس پروپیگنڈا کا باعث نہ تھا۔ تو وہ فوراً ہماری استدعا کو قبول فرما کر ہماری مدد کرتے اور ہم کو ان باطل عقائد سے نجات دلاتے۔ یا اگر اپنے ادعا میں انکو کوئی غلطی ہو گئی تھی تو صاف دلی سے قبول کرکے انصاف کی داد دیتے۔ ہماری کتاب "تصدیق احمدیت" کے بعد جس میں چیلنج درج ہیں۔ برنی صاحب نے اپنی کتاب "قادیانی مذہب" کے چار جدید اڈیشن بھی شائع فرمائے اور اس میں خوب جی کھول کر اپنے علمی طریق تالیف یا اشاعت فواحش پر عمل کیا ہے۔ اور ایک اور رسالہ "قادیانی حساب" کے نام سے علیحدہ بھی شائع فرمایا ہے۔ اور اُن سب میں ہر قسم کی مذبوحی حرکات کی ہیں۔ لیکن یہ ہمت نہ کر سکے کہ یا تو اپنے عائد کردہ اتہامات کا کوئی ثبوت دیتے یا ہمارے چیلنج کی صحت کو قبول کرتے۔ البتہ ایک مقام پر عملاً ہمارے چیلنج مذکورہ ۴ کی صحت کو تسلیم کرکے اس غلط اتہام کو گویا اٹھا لیا گیا ہے مگر وہ بھی اس طرح کہ پبلک کو یہ محسوس نہ ہو کہ مولانا نے کوئی غلط بیانی کی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ قادیانی مذہب طبع اول فصل سوم ص۵۷ جس میں عنوان نمبر ۵ بایں الفاظ ہے "قادیان کا حج"۔ اور اس عنوان کے ذیل میں بحوالہ "برکات خلافت" ص۶۔۵ آخری الفاظ بہ تحریر فرمائے "اب حج کا مقام قادیان ہے" ہمارے چیلنج کے جواب میں مولٰنا نے "قادیانی مذہب" کے جدید ایڈیشنز میں اس سابقہ عنوان کو خارج کرکے ایڈیشن دوم ص۱۸۱ ایڈیشن سوم ص۲۴۵ پر اس کی جگہ "قادیان میں کعبۃ اللہ" اور بالآخر ایڈیشن چہارم ص۲۵۱ و ایڈیشن پنجم ص۵۴ پر

"قادیان کا ظلی حج" کر دیا ہے۔ اور ما بعد کے ان چاروں ایڈیشنوں میں عنوانات مذکورہ کے تحت "برکات خلافت" کا حوالہ دیکر یہ الفاظ خارج کر دیتے ہیں کہ "اب حج کا مقام قادیان ہے"
سبحان اللہ کیا متانت و سنجیدگی ہے کہ اتنا بڑا مورچہ چھوڑ کر ہٹ گئے۔ مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ جنگ عظیم میں باقاعدہ پسپائی کی رپوٹر کو تو خبر ہو جاتی تھی۔ مگر اللہ رے وقار کہ یہاں رپوٹر ایجنسی بھی جناب برنی صاحب کی باقاعدہ پسپائی کا پتہ لگانے سے قاصر ہی رہی۔
میر تقی مرحوم نے اپنی ایک مشہور نظم میں اپنے بوسیدہ کچے مکان کے برسات میں ٹپکنے کا نقشہ بڑی خوبی سے کھینچا ہے۔ اس میں میر صاحب نے اپنے مکان کے ٹپکنے کی مصیبت اور جان بچانے کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نظم کا ایک شعر جناب برنی صاحب کے اس طریقہ پسپائی کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے مگر تصور شرط ہے۔ میر صاحب فرماتے ہیں ؎

وواں سے اُٹھا تو یاں تنک بیٹھا        یاں جو ٹپکا تو واں سرک بیٹھا

اس طرح جناب میر صاحب نے اس اضطراب و بیقراری کا اظہار کر دیا ہے جو برسات کی بے پناہ رات میں آپکے لاحق حال ہوئی تھی۔ لیکن جناب برنی صاحب اندر سے اتنا بڑا اور باہر سے کچھ ایسا چکنا ظرف ہو گئے ہیں کہ اس پر پانی ٹپک کر بہ جاتا ہے اور کچھ اثر نہیں کرتا۔ اس لئے گو جناب برنی صاحب نے اپنے سابقہ عنوان اور بیان دونوں کی غلطی کو عملاً تسلیم کر لیا لیکن پبلک پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ "قادیانی مذہب" طبع اول کا عنوان "قادیان کا حج" غلط تھا اور یہ عبارت بھی کہ "اب حج کا مقام قادیان ہے" غلط ہے۔ اعتراف صاف طور پر ہو یا بس پردہ جس طرح بھی ہو بہر حال برنی صاحب اپنے اس اتہام کی حقیقت سے خود تو واقف ہو گئے لیکن یہ تو ہمارے چار چیلنجوں میں سے صرف ایک کا نتیجہ ہے۔ بقیہ تین چیلنج ہنوز جواب طلب رہ گئے ہیں۔ جن کا نہ تو کوئی جواب دیا گیا ہی نہ غلطی تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ پبلک کے ذمہ ہے کہ جناب برنی صاحب سے اس کا جواب طلب کرے۔ ہماری کتاب "تصدیق احمدیت" کے شائع ہو جانے کے بعد مولنا برنی نے رسالہ "قادیانی حساب" بطور جواب الجواب شائع فرمایا ہے۔ اور رسالہ قادیانی مذہب کے اور ایڈیشن بھی شائع ہوئے لیکن ان میں سے کسی ایک میں بھی

ہمارے چیلنجز کے متعلق ایک حرف بھی زبان پر نہ آیا۔ ہمارے مذکورہ بالا چیلنج برقی صاحب کی کتاب "قادیانی مذہب" کے جن عنوانات و بیانات کے متعلق تھے ان کی حقیقت کو بھی ہم نے اپنی کتاب تصدیق احمدیت میں واضح کر دیا تھا کہ کس طرح تحریف و تدلیس سے کام لیا گیا ہے۔

تحریف و تدلیس کے ثبوت میں ہم نے جو حوالہ جات پیش کئے تھے ان میں سے دو مثالیں صریح علمی خیانت کی نمونۃً ہم اس موقعہ پر بیان کر دینا چاہتے ہیں۔

۱۔ فصل اول میں جناب برقی صاحب نے یہ ثابت کرنا چاہا تھا۔ کہ مرزا صاحب ابتدا میں ختم نبوت پر ایمان و اصرار رکھتے تھے۔ مگر بعد میں درجہ بدرجہ تاویل و تشکیل شروع ہوئی۔ بالآخر مستقل نبی بن گئے۔ اس درجہ بدرجہ تبدیلی عقائد و تدریجی ترقی کو ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل عنوانات دئے تھے۔

(۱) ختم نبوت پر ایمان و اصرار
(۲) ولایت کے مقام سے نبوت کے نام تک ترقی
(۳) محدثیت کے دعوے کی ابتداء و انتہا
(۴) مسیحیت کے دعوے کی ابتداء و انتہا
(۵) بروزی کمالات گویا مرزا صاحب خود رسول اللہ کی ذات
(۶) ختم نبوت کی تاویل اپنی نبوت کی تشکیل
(۷) ختم نبوت پر الزام عبرت کا مقام
(۸) صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے
(۹) نبوت و رسالت کا ایقان و اعلان

(رسالہ قادیانی مذہب طبع اول صفحہ ۱۹ تا ۳۷)

حالیہ ایڈیشن یعنی طبع پنجم میں یہ عنوانات فصل دوم و سوم و چہارم میں پھیلا دئے گئے ہیں۔ طبع پنجم فصل دوم صفحات ۲۰۶ تا ۲۱۱ فصل سوم ۲۲۸ و ۲۳۶ ۲۴۴ تا ۲۴۲ و ۲۴۸ تا ۲۵۱ فصل چہارم ۲۶۳ تا ۲۶۷ -

یہ عنوانات اور ان کی ترتیب بیک نظر برنی صاحب کے اس منشاء کو ظاہر کر دیتی ہے۔ کہ مصنف علّام ان عنوانات کے تحت اقتباسات دے کر اپنے اس ادعا کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی دعویدار مسیح موعودؑ ابتداء میں مثل دیگر مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت پر قائم و مصر تھے لیکن بعد میں نہ صرف اس عقیدہ سے ہٹ گئے بلکہ رفتہ رفتہ ولی سے محدّث بنے اور محدّث سے مسیح موعود بنے اور بالآخر رسول اللہ بن گئے۔ لیکن ناظرین یہ معلوم کر کے نہ صرف متعجب بلکہ حیران و پریشان ہو جائینگے۔ کہ مؤلف ممدوح نے محض اپنی اظہار کامیابی کے لئے عنوانات تو من مانے قائم فرما دئے۔ لیکن اقتباسات ان سب عنوانات کے تحت ایسی کتابوں سے دئے ہیں جو مرزا صاحب نے اپنے دعوے کے بعد اپنی مسیحیت اور نبوت کی تائید اور اشاعت کے لئے لکھے ہیں۔ ان عنوانات کے تحت کوئی اقتباس بھی ایسے زمانہ کا نہیں ہے جو دعوے مسیح موعود سے پہلے کا ہو۔ اور پھر جناب برنی صاحب کی یہ خاص قابلیت یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ جن تحریروں کے اقتباسات ان عنوانات کے تحت میں دئے ہیں اُن میں تقدیم و تاخیر کا بھی لحاظ نہیں رکھا ہے۔ مثلاً عنوان اول کے تحت ازالہ اوہام کے ص۷۶۱ سے ایک اقتباس اس مضمون کا دیا ہے کہ "کوئی شخص بحیثیت رسالت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہرگز نہیں آسکتا۔" اور یہی عنوان اوّل کا منشاء ہے کہ حضرت مرزا صاحب ابتداء میں عقیدہ ختم نبوت پر نہ صرف ایمان رکھتے تھے بلکہ مصر تھے۔ اس عنوان کے مناسب یہ حوالہ بالکل موزون اور چسپاں ہے۔ اس کے بعد عنوان نمبر ۴ تک ایسے حوالجات ہونے چاہئے تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ازالہ اوہام کے مندرجہ بالا تحریر صفحہ ۷۷۵ کے بعد مرزا صاحب رفتہ رفتہ اپنے اس عقیدہ ختم نبوت سے ہٹ رہے ہیں۔ اور بالآخر حسب عنوان اپنی نبوت کی تشکیل کے لئے ختم نبوت کی تاویل کر رہے ہیں"۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ مصنّف علّام نے عنوان نمبر ۴ کے تحت میں حضرت مرزا صاحب کی کتاب ازالہ اوہام سے یعنی اسی کتاب کے صفحہ ۵۷۵ سے جس کے صفحہ ۷۷۵ کا حوالہ عنوان اوّل میں آیا ہے ایک اقتباس پیش کر دیا ہے۔ یہ ایسی صاف اور کھلی ہوئی بات ہے۔ جس کے لئے صرف ایک مرتبہ رسالہ بر جواب "قادیانی مذہب" ملاحظہ فرما لینا کافی ہوگا۔ اس ایک تمثیل سے ناظرین پر واضح ہو جائے گا۔ کہ

برنی صاحب نے عنوان اوّل کو ایک عبارت مابعد اور چھٹے عنوان کو ایک عبارت ماقبل سے زینت دے کر محض اپنے عنوانات کے ذریعہ ناظرین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مرزا صاحب ابتداء میں عقیدہ ختم نبوت کے قائل تھے اور بعد میں اپنی نبوت کا اعلان کر کے اس عقیدہ سے ہٹ گئے۔ یہ ڈھنگ ہے جناب برنی صاحب کی کتاب کا کہ کہنے کو تو اپنی طرف سے ایک لفظ نہیں کہتے ہیں سب مرزا صاحب کی تصانیف سے نقل کر دیتے ہیں۔ لیکن من ملنے عنوانات قائم کر کے اقتباسات اناپ شناپ دیدیتے ہیں۔ نہ اُن کی تقدیم و تاخیر کا خیال ضروری سمجھتے ہیں نہ کامل اور مکمل عبارت لکھتے ہیں جو قائل کے منشاء کو ظاہر کر سکے۔ کہنے کو یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن نتیجہ دیکھئے تو کس قدر اصل سے دُور۔ مُنہ سے کہدیا کہ مرزا صاحب پہلے خوش عقیدہ مسلمان تھے ولی نبی سب کو اپنا بڑا مانتے تھے۔ عقیدہ ختم نبوت کے قائل تھے لیکن رفتہ رفتہ سب کو نظروں سے گرا کر خود نبی بن گئے۔ اللہ اللہ کیا افتراء ہے اور اس افتراء پر یہ دعویٰ ہے کہ اپنی طرف سے ہم نے کچھ نہیں کہا۔ مرزا صاحب کی کتابوں سے پوری پوری متعلقہ عبارتیں نقل کر دی ہیں۔ لیکن حالت یہ ہے کہ برنی صاحب کو جو کہنا تھا وہ اُن کے وہی مزعومات ہیں جو بشکل عنوانات قائم کر دئے گئے۔ اس سے زیادہ اور کیا کہتے۔ اور عنوانات کے تحت بلحاظ تقدیم و تاخیر کتر و بیونت کر کے ادھر اُدھر سے اُدھوری اور نامکمل عبارتیں لیکر بحوالہ صفحہ و کتاب درج کر دیں۔ تاکہ تحریف اور تدلیس یا کمی و زیادتی کا کوئی گمان نہ ہو سکے۔ اسی لئے ان تحریرات کو ہمیں "تصدیق احمدیت" میں واضح کرنا پڑا۔ اس قسم کی جادُو کی سخت اور چھوٹی چھوٹی گرہیں کھولنے کے لئے جو برنی صاحب نے ڈالی ہیں ہم کو بڑی دیدہ ریزی کرنی پڑی۔ اور ظاہر ہے کہ گو بات چھوٹی سی ہے لیکن بغیر تفصیل کے اس کا شتر ناظرین پر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بعض مقامات پر تفصیل بھی کرنی پڑی اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ...... مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ[۵] (ملاحظہ ہو تصدیق احمدیت صفحہ ۳۸ تا ۴۰) ضمیمہ ۳۶ تا

تحریف و تدلیس کی دوسری مثال کے لئے تصدیق احمدیت کے صفحات ۱۱۲ تا ۱۱۶

---

[۵] میں پناہ مانگتا ہوں اس ذات کے ساتھ جو پھاڑ کر چیزوں کو پیدا کرنیوالا ہے ..... اور اُن کی شر سے جو گرہوں میں پھونکتے ہیں (پارہ عمّ سورۃ فلق)

ملاحظہ فرمائے جائیں۔ جن میں فصل دوم کے عنوان نہم پر تنقید کرتے ہوئے برنی صاحب کے اس اتہام کی تردید کر دی گئی ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس اتہام کو قائم کرنے کے لئے جناب برنی صاحب نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۸۲ کا ایک اقتباس حسب ذیل دیا تھا :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی اور نہ دجال کے ستر باگ کے گدھے کی اصل کیفیت کھلی اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الٰہی نے اطلاع دی اور نہ دابتہ الارض کی ماہیت کما ہی ظاہر فرمائی گئی۔ (گویا یہ حقائق مرزا صاحب پر منکشف ہوئے۔ للمؤلف) (قادیانی مذہب طبع اول صہ ۹۲)

"یہ اقتباس جس عبارت سے لیا گیا ہے وہ ایک طویل بیان اس شبہ کے جواب میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشگوئیاں فتن زمان آخر کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔ جیسے یاجوج ماجوج و دجال وغیرہ وہ اپنے ظاہری معنوں کے ساتھ کیوں نہ سمجھی جائیں اور اُن کی تاویل کی کیا ضرورت ہے ؟ اس سوال کے جواب میں آپ نے کچھ دلائل بیان کر کے اپنی کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۸۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ :۔

"بہرحال ان تمام باتوں سے یقینی طور پر یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ پیشگوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں انبیاء علیہم السلام بھی کبھی غلطی کھاتے ہیں۔ جس قدر الفاظ وحی کے ہوتے ہیں وہ تو بلاشبہ اول درجہ کے سچے ہوتے ہیں مگر نبیوں کی عادت ہوتی ہے کہ کبھی اجتہادی طور پر بھی اپنی طرف سے ان کی کسی قدر تفصیل کر لیتے ہیں۔ اور چونکہ وہ انسان ہیں اس لئے تفسیر میں کبھی احتمال خطا کا ہوتا ہے۔ لیکن امور دینیہ ایمانیہ میں ایسی خطا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کی تبلیغ میں منجانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ اور وہ نبیوں کو عملی طور پر بھی سکھلائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہشت اور دوزخ بھی دکھایا گیا اور آیات متواترہ محکمہ بیّنہ سے جنّت اور نار کی حقیقت بھی ظاہر کی گئی ہے۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ اس کی تفسیر میں غلطی کر سکتے

غلطی کا احتمال صرف ایسی پیشگوئیوں میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالےٰ خود اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے مبہم اور مجمل رکھنا چاہتا ہے۔ اور مسائل دینیہ سے ان کا کچھ علاقہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک نہایت دقیق راز ہے جس کے یاد رکھنے سے معرفت صحیحہ مرتبہ نبوت کی حاصل ہوتی ہے "

اس اصل کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماکر اصل سوال کے جواب میں صفحہ ۲۸۲ پر فرماتے ہیں :۔

" اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجّال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی ہو اور نہ دجّال کے ستر باع گدھے کی اصل کیفیت کھلی ہو اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الٰہی نے اطلاع دی ہو اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کما ہی ظاہر فرمائی گئی۔ اور صرف امثلہ قریبیہ اور صور متشابہ اور امور متشاکلہ کے طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قویٰ کے ممکن ہے اجمالی طور پر سمجھایا گیا ہو۔ تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور ایسے امور میں اگر وقت ظہور کچھ جزئیات غیر معلومہ ظاہر ہو جائیں۔ تو شانِ نبوۃ پر کچھ جائے حرف نہیں۔ مگر قرآن و حدیث پر غور کرنے سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارے سیّد و مولا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ تو یقینی اور قطعی طور پر سمجھ لیا تھا کہ وہ ابن مریم جو رسول اللہ نبی ناصری صاحب انجیل ہے وہ ہرگز دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کا کوئی مثیل آئے گا۔ مگر یہ باعث مماثلت روحانی اس کے نام کو خدا کی طرف سے پائے گا "

اس پوری عبارت میں ابتدائی عبارت کو جس میں پیشگوئیوں کے متعلق ایک اصول بیان کیا گیا تھا برقی صاحب نے بالکل ہاتھ نہیں لگایا۔ اس بعد اصل جواب جو سوال کا دیا گیا ہے اس میں سے یہ ابتدائی الفاظ " اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر " ترک کر دئیے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب اس امر کو " امکاناً " بیان کر رہے ہیں نہ کہ واقعتاً
پوری عبارت سے بخوبی واضح ہے کہ حضرت مرزا صاحب اس کے امکان کو فرض کرتے

ہیں کہ اس سے شان نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ لیکن برقی صاحب نے نہ صرف ان صریح الفاظ کو بلکہ درمیان سے لفظ "ہو" کو بھی ترک کر دیا ہے۔ کہ پڑھنے والا یہ نہ سمجھ سکے کہ حضرت مرزا صاحب ایک واقعہ کا امکان فرض کر رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ فی الواقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے جس کو میں سمجھ گیا۔ بلکہ وہ معترض کو یہ سمجھاتے ہیں کہ کشوف بعض اوقات اجمالی طور پر صور و تمثلات کے ذریعہ سے سمجھائے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ امکان باقی رہتا ہے کہ خارجی تمثلات کی عدم موجودگی یا کسی وجہ سے عوام پر اُن کی تفصیل یا اصل حقیقت ہو بہو منکشف نہ کی جاسکے۔ لیکن برقی صاحب نے اس تمام عبارت کے نہ صرف ماسحق و ماسبق کو علیحدہ کر دیا بلکہ وہ خاص الفاظ بھی ترک کر دئے۔ جن سے حضرت مرزا صاحب کا یہ منشاء واضح ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور فرماتے ہیں کہ :-

> "... اگر آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی ہو"
>
> اور نہ دجال کے ستر باع گدھے کی اصل کیفیت کھلی ہو"
>
> نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الٰہی نے اطلاع دی ہو"
>
> اور نہ دابتہ الارض کی ماہیت کماھی ظاہر فرمائی گئی۔ اور صرف امثلہ قریبیہ اور صور متشابہ اور امور متشاکلہ کے طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قویٰ کے ممکن ہے اجمالی طور پر سمجھایا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں"

برقی صاحب نے اس عبارت کے اوّل تین فقرات سے لفظ "ہو" کو ساقط کر دیا۔ اور چوتھے فقرہ میں سے عبارت زیر خط کو ترک کر کے اقتباس کو اس طرح کر دیا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بطور امر واقع کے یہ لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان امور کی کیفیت منکشف نہیں ہوئی۔ اور پھر اپنی طرف سے اس پر ایک فقرہ یہ بھی جڑ دیا ہے "گویا یہ حقائق مرزا صاحب پر منکشف ہوئے" اور اس کے آگے کی عبارت (جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بیان کر کے کہ بالفرض امکاناً ایسا ہوا ہو تو اس سے شان نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اپنا جو ایقان حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم دربارہ نزول

عیسٰی علیہ السلام کی نسبت ظاہر کیا ہے) چھوڑ دی۔

پس ناظرین اس وضاحت کے بعد خود سمجھ سکتے ہیں کہ آیا یہ اقتباس جو برنی صاحب نے اپنی تتمہ کتاب میں بعد تلاش مزید کے درج کیا ہے دیانت اور ایمانداری کے ساتھ صحیح اقتباس ہے؟ ایک ضروری عبارت جس سے بیان کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور ضروری الفاظ "اگر" اور "ہو" جن سے صرف ایک "امکان" کا بیان ظاہر ہوتا ہے۔ علانیہ عبارت سے نکالکر اور پھر لفظ "ہو" کو ایک جگہ سے نہیں بلکہ تین جگہ سے نکالکر عبارت کو ایسا بنا دیا ہے۔ جو امر واقعہ کے بیان پر دلالت کرتی ہے۔ کیا یہودیوں کی تحریف صحف سابقہ میں کچھ اس سے زیادہ تھی ؟ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ (تصدیق احمدیت صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۶ و ضمیمہ صفحہ ۸۸ تا ۹۹)

ہمارے اس اعتراض پر پہلے تو جناب برنی صاحب نے کوئی توجہ نہیں فرمائی - اور "قادیانی حساب" وغیرہ کتابوں میں اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ عام طور پر صرف یہ لکھ دیا کہ طول طویل تحریرات و اقتباسات سے ہم نے کتاب کو خلط مبحث سے بچا لیا ہے لیکن بالآخر طبع سوم و چہارم و پنجم رسالہ "قادیانی مذہب" میں اب عبارت مذکور کے قبل الفاظ "اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر" بڑھا دئے اور جس عبارت سے لفظ "ہو" حذف کر دیا تھا اس کو مکمل کر دیا۔ صرف لفظ "ہو" کی حد تک۔ مگر آگے کا فقرہ جس سے صحیح مفہوم ظاہر ہوتا تھا درج نہ کیا۔ موجودہ ایڈیشن میں برنی صاحب کا اقتباس یہ ہے :-

"اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجّال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمو منکشف نہ ہوئی ہو۔ اور نہ دجّال کے ستر باع کے گدھے کی اصل کیفیت کھلی ہو اور نہ یاجوج ماجوج کی عمیق تہ تک وحی الٰہی نے اطلاع دی ہو اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کما ھی ظاہر فرمائی گئی۔"

(قادیانی مذہب طبع پنجم صفحہ ۳۳۵ و ۳۳۶)

اس اصلاح سے جو برنی صاحب نے موجودہ اقتباس کی تکمیل کے لئے کی ہے۔ یہ امر

---

[1] پس ان کیلئے اس سے ہلاکت ہے جو انکے ہاتھوں نے لکھا اور ان کیلئے اس سے بھی ہلاکت ہے جو وہ کماتے ہیں۔ (بقرہ رکوع ۹)

تو واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے جو کچھ اپنی کتاب ازالہ اوہام میں لکھا ہے وہ بیان واقعہ نہیں بلکہ صرف سائل کی تسکین کے لئے ایک فرضی امکان ہے اور جناب برنی صاحب کے سابقہ اقتباس مندرجہ رسالہ "قادیانی مذہب" طبع اول صفحہ ۹۲ تتمہ کتاب میں یہ حقیقت پوشیدہ کر دی گئی تھی۔ مزید برآں جناب برنی صاحب نے اب بھی ازالہ اوہام کی اصل اور پوری عبارت کو جس پر ہم نے اپنی کتاب "تصدیق احمدیت" کے صفحات ۱۱۲-۱۱۳ ضمیمہ صفحہ ۸۹ و ۹۰ میں نوبہ دلائی ہے۔ درج اقتباس نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب کی باقی عبارت اس سلسلہ میں یہ ہے :-

"اور صرف امثلہ قریبیہ اور صور متشابہ اور امور متشاکلہ کے طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قویٰ کے ممکن ہے اجمالی طور پر سمجھایا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ اور ایسے امور میں اگر وقت ظہور کچھ جزئیات غیر معلومہ ظاہر ہو جائیں تو شانِ نبوت پر کوئی جائے حرف نہیں۔ مگر قرآن اور حدیث پر غور کرنے سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا۔ کہ **ہمارے سیّد و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو یقینی اور قطعی طور پر سمجھ لیا تھا**۔ کہ وہ ابن مریم جو رسول اللہ نبی ناصری صاحب انجیل ہے وہ ہرگز دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کا کوئی مسمّٰی آئے۔ مگر بباعث مماثلت روحانی اس کے نام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے پائے گا۔"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عبارت سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ آپ نے معترض کے اعتراض کو رفع کرنے کے لئے بعض امکانات فرض کئے تھے اور ان امکانات کو فرض کر کے یہ کہا تھا۔ کہ اگر اس قسم کی پیشگوئیوں کے ظہور کے وقت کچھ جزئیات غیر معلومہ ظاہر ہو جائیں۔ تو اس سے شان نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اور ہمارے سیّد و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ سمجھا تھا وہ یقینی اور قطعی طور پر سمجھا تھا۔ اس عبارت سے چونکہ برنی صاحب کا قائم کردہ عنوان "حضرت سیّد المرسلین پر فضیلت" خود برنی صاحب کا ذہنی اختراع اور افترا ثابت ہوتا تھا۔ اس لئے مولانا نے اس عبارت کو ترک کر کے من مانی تحریف کر کے ایسا اقتباس اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ جو عنوان کی مناسبت سے ان کے

ذہن میں اُن کے ادعاء کا ثبت تھا۔

اس قسم کی تحریفات سے طبع اول کی ساری کتاب میں کام لیا گیا تھا۔ اور ہم نے اپنے جواب میں اس کو واضح کیا تھا۔ پس جہاں تک ان فصول اور عنوانات کا تعلق ہے۔ جو رسالہ "قادیانی مذہب" کے طبع اول میں تھے۔ ہمارا مذکورہ سابقہ جواب ہی مکمل اور کافی ہے جس کو ہم بطور ضمیمہ اس کتاب کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔

طبع اول میں کل پانچ فصول تھے جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ ان کے عنوانات کی تصریح حسب ذیل ہے :۔

# طبع اوّل کے عنوانات

## فصل اوّل۔ مرزا صاحب کی نبوت و رسالت


| ذیلی عنوان | | | |
|---|---|---|---|
| ذیلی عنوان | (۱) | ختم نبوت پر ایمان و اصرار | صہ ۱۹ |
| " | (۲) | ولایت کے مقام سے نبوت کے نام تک ترقی | صہ ۲۳ |
| " | (۳) | محدثیت کے دعویٰ کی ابتداء و انتہاء | صہ ۲۵ |
| " | (۴) | مسیحیت کے دعویٰ کی ابتداء و انتہاء | صہ ۲۷ |
| " | (۵) | بروزی کمالات گویا مرزا صاحب خود رسول اللہ کی ذات | صہ ۲۹ |
| " | (۶) | ختم نبوت کی تاویل۔ اپنی نبوت کی تشکیل | صہ ۳۲ |
| " | (۷) | ختم نبوت پر الزام عبرت کا مقام | صہ ۳۵ |
| " | (۸) | صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے | صہ ۳۶ |
| " | (۹) | نبوت و رسالت کا ایقان و اعلان | صہ ۳۷ |
| " | (۱۰) | مرزا صاحب کی وحی | صہ ۳۹ |
| | (۱۱) | قادیانی تکفیر کی ترقی | صہ ۳۹ |
| " | (۱۲) | نبوت کے دعویٰ کی سرگذشت | صہ ۴۲ |

## فصل دوم مرزا صاحب کی فضیلت


ذیلی عنوان (۱) مرزا صاحب کے معجزات ونشانات ص۴۴
〃 (۲) مرزا صاحب کے گواہ ص۴۵
〃 (۳) مرزا صاحب کے بشارتی نام ص۴۵
〃 (۴) مرزا صاحب کی جامعیت ص۴۶
〃 (۵) تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت ص۴۶
〃 (۶) حضرت آدم علیہ السلام پر فضیلت ص۴۷
〃 (۷) حضرت نوح علیہ السلام پر فضیلت ص۴۷
〃 (۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت ص۴۷
〃 (۹) حضرت سید المرسلین پر فضیلت ص۴۹
〃 (۱۰) اسمہٗ احمد کے مصداق مرزا صاحب ص۴۹
〃 (۱۱) قرآن کریم میں مرزا صاحب کی مزید بشارتیں ص۵۱
〃 (۱۲) حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ پر فضیلت ص۵۲
〃 (۱۳) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر فضیلت ص۵۲
〃 (۱۴) حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ پر فضیلت ص۵۳
〃 (۱۵) اُمتِ محمدی کے تمام اولیاء پر فضیلت ص۵۴


## فصل سوم مرزا صاحب کے انکشافات


ذیلی عنوان نمبر (۱) شیطان کا کھیل ص۵۵
〃 (۲) نیم مُلّا خطرۂ ایمان ص۵۵
〃 (۳) شیطانی الہام ص۵۶
〃 (۴) قرآن میں قادیان ص۵۶

ذیلی عنوان نمبر (۵) قادیان کا حج صـ۵۷
〃 (۶) اللہ تعالیٰ کی روشنائی کے دھبے صـ۵۸
〃 (۷) الہامی حمل صـ۵۹
〃 (۸) خدا کی انگریزی شان صـ۶۰

## فصل چہارم۔ مرزا صاحب کے ارشادات

〃 (۱) حلول و اتحاد کی حقیقت صـ۶۱
〃 (۲) عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات صـ۶۳
〃 (۳) ایک قرآنی معجزہ کی تفسیر صـ۶۳
〃 (۴) مسمریزم کی تشریح صـ۶۵
〃 (۵) مریم علیہا السلام کی عصمت صـ۶۶
〃 (۶) عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت صـ۶۶
〃 (۷) مرزا صاحب کی زبان صـ۶۷
〃 (۸) مرزا صاحب کا نادانستہ اعتراف صـ۶۸
〃 (۹) مرزا صاحب کی سیاسیات صـ۶۸
〃 (۱۰) مرزا صاحب کا آخری فیصلہ صـ۶۹

## فصل پنجم۔ خاتمہ

(۱) قادیانی تحریک صـ۷۲
(۲) قرآنی تنبیہ صـ۷۵

رسالہ طبع اول کے ان عنوانات سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کی مذہبی حیثیت کے متعلق جتنے ضروری پہلو ایک مخالف کی نظر میں آسکتے ہیں وہ سب کے سب ان عنوانات میں آچکے ہیں۔ جدید ایڈیشنوں میں جن فصول و عنوانات کا اضافہ کیا گیا ہے

وہ مرزا صاحب کے خاندانی حالات گورنمنٹ کے تعلقات و واقعات و نیز خود مرزا صاحب کے ذاتی سوانحات اور خانگی کیفیات سے متعلق ہیں۔ اور مرزا صاحب کے بعد ان کے تبعین میں جو تفریق و اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ اس سے برنی صاحب نے فائدہ اٹھا کر ایک طومار اُن کی باہمی مخالفانہ آراء کا جمع کر دیا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک پہلو پر برنی صاحب نے اپنے خاص مذاق اور مقصد کے ماتحت چند عنوانات تراش کر خاص خاص فقرات اور جملوں کو اس طرح جمع کر دیا ہے۔ کہ ہر ایک عنوان بجائے خود حضرت مرزا صاحب اور اُن کی جماعت کے لئے ایک طراز طعن و طنز اور ایک پرداز سبّ و شتم بن گیا ہے۔

سب سے آخری ایڈیشن یعنی طبع پنجم رسالہ مذکور میں اب حسب ذیل ۲۰ فصول اور ۱۰۹ ذیلی عنوانات ہیں۔ فصول کے عنوانات سے ذیلی عنوانات کی نوعیت کا تصور ذہن میں آسکتا ہے۔ اس لئے ذیلی عنوانات کی تصریح غیر ضروری اور موجب طوالت ہوگی۔

فصول کے عنوانات حسب ذیل ہیں :۔

| | |
|---|---|
| فصل پہلی | ذاتی حالات |
| " دوسری | نبوت کی تمہید |
| " تیسری | نبوت کی تحصیل |
| " چوتھی | نبوت کی تکمیل |
| " پانچویں | فضیلت کی تفصیل |
| " چھٹی | انکشافات |
| " ساتویں | ارشادات |
| " آٹھویں | تعلقات |
| " نویں | معاملات |
| " دسویں | سیاسیات |
| " گیارہویں | سیاسیات دور ثانی |
| " بارھویں | سیاسیات دور ثالث |

فصل تیرھویں — قادیانی صاحبان اور مسلمان۔ دین وملت
" چودھویں — قادیانی صاحبان اور مسلمان۔ سیاست و مملکت
" پندرھویں — قادیانی اکابر
" سولھویں — قادیانیوں کی جماعت قادیان
" سترھویں — قادیانیوں کی جماعت لاہور
" اٹھارہویں — دعووں کا داخلی نقشہ
" انیسویں — پیچ رنگ
" بیسویں — خاتمہ

ان کے علاوہ ایک خاص ضمیمہ چہارم "قادیانی جماعت" کے نام سے قائم کر کے لاہوری قادیانی جماعتوں کے تنازعات اور اختلافات سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے۔

رسالہ "قادیانی مذہب" کے آخری ایڈیشن کی اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ فصول ۲ تا ۷ تقریباً وہی ہیں جو طبع اول میں تھیں۔ اور یہ تمام فصول براہ راست حضرت مسیح موعود کی نبوت اور الہامات کے متعلق ہیں۔ جن کا جواب ہم "تصدیق احمدیت" میں دے چکے ہیں۔ بقیہ فصول کی تجزی آئندہ باب میں کی جائیگی۔ فی الحقیقت یہ بقیہ فصول یا ان کے زیادہ تر عنوانات مذہبی مباحثہ یا مناظرہ کی نوعیت نہیں رکھتے۔ اُن میں بہت سارے غیر ضروری مباحث کو مخلوط کر دیا گیا ہے۔ جن کا جواب اس مختصر رسالہ میں ضروری نہیں ہے۔ مذہبی کتابوں میں جن سے صرف مذہبی مسائل کی تحقیق مطلوب ہوتی ہے اس قسم کا خلط مبحث اس گوریلا طریق جنگ کے مشابہ ہے۔ جو کمزور اور بے سروسامان فریق اختیار کرتا ہے۔ اس لئے جہانتک ایسے فصول یا عنوانات کا تعلق ہے جو جماعت احمدیہ یا اس کے بانی حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذہبی اعتقادات و اعمال یا مذہبی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اُن میں سے اکثر کا جواب "تصدیق احمدیت" میں دیا جا چکا ہے۔ بقیہ امور کا تفصیلی یا اصولی و اجمالی جواب انشاء اللہ تعالےٰ اس کتاب سے مل سکے گا ۔

# باب سوم

رسالہ[1] قادیانی مذہب کے آخری ایڈیشن کے جوابات ضروری۔ حضرت[2] مسیح موعودؑ کی طرف جنون و مالیخولیا کی نسبت اور اس کا جواب۔ مسیح[3] موعودؑ کے طعام و تداوی و طریقہ معاشرت پر الزامات کے جواب۔ اختلاف[4] معاشرت انبیاء سے استدلال جائز نہیں ہے ہر[5] زمانہ کا نبی اپنے زمانہ کے حالات کے تابع ہوتا ہے۔ آیت[6] مبارکہ "نٓ والقلم" و ما یسطرون" سے حضرت مسیح موعود کی صداقت پر استدلال۔ حضرت[7] مسیح موعودؑ کے تعلقات گورنمنٹ سے مطابق طریقہ انبیاء حسب تادیب الٰہی تھے۔ حضرت[8] مسیح موعود کے نہ ماننے والوں کی نسبت فقہ اسلامی کا مسلّمہ و غیر اختلافی مسئلہ۔ کفر[9]۔ ایمان۔ منافقت۔ حقائق کا نام ہے۔ جس پر یہ حقائق چسپاں ہوں گے۔ اس کو اسی نام سے پکارا جائیگا۔ زمانہ[10] حالیہ کے فتاویٰ کفر۔ اختلاف[11] رائے کو موجب کفر بنا دیا گیا ہے۔ اختلاف[12] فرق کا ہونا اسلام کی صداقت پر مؤثر نہیں ہے۔ جماعت[13] احمدیہ کے باہمی اختلاف پر بھی بطور دلیل تکذیب استدلال نہیں ہو سکتا۔ کذابین[14] کا وجود مذہب کی صحت پر مؤثر نہیں ہوتا۔ جماعت[15] احمدیہ میں بعض مرفوع القلم لوگوں کا وجود دلیل کذب دعوے مسیح موعود نہیں ہے ؎

پچھلے باب میں ہم نے یہ واضح کیا ہے۔ کہ ہم اپنے جواب کو صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کی صداقت اور جماعت احمدیہ کے عقائد و اعمال کی وضاحت تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اس حد تک ہم نے رسالہ "قادیانی مذہب" کے اہم ترین فصول و عنوانات کا جواب اپنے رسالہ "تصدیق احمدیت" میں دیدیا ہے۔ باقی رہے ایسے اضافہ شدہ جدید فصول و عنوانات جو رسالہ قادیانی مذہب کے آخری ایڈیشن یعنی طبع پنجم میں بڑھائے گئے ہیں اور جن کو براہ راست حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور جماعت احمدیہ کے عقائد و مذہبی حیثیت سے تعلق ہے۔ اُن کا جواب اس کتاب کے ذریعہ دیا جا رہا ہے۔

لیکن کتاب کو بے جا طوالت سے بچانے کے لئے بعض اہم امور کا جواب اگر تفصیلی دیا جائیگا تو اکثر غیر اہم امور کا ضروری جواب اجمالی یا اصولی کافی ہوگا۔ اس لئے جواب دینے سے پہلے ضرورت ہے کہ رسالہ "قادیانی مذہب" طبع پنجم کے ان اضافہ کردہ فصول و عنوانات کی تجزی کیجائے۔ جن کے جوابات اہم اور ضروری ہیں۔ وَھُوَ ھٰذَا :۔

رسالہ مذکور کی فصل اول ذاتی حالات کے متعلق ہے جس میں ۶۷ ذیلی عنوات قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں سے سب سے اہم اور ضروری عنوانات جن کا جواب ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مرزا صاحب کی دواؤں اور امراض کے متعلق ہیں۔ باقی امور اس فصل کے کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ وہ عنوانات جن کا جواب اہم اور ضروری ہے حسب ذیل ہیں :۔

(۲۶) مجرب دوائیں (۲۷) خاندانی طبیب (۲۹) پہلا دورہ (۳۰) رمضان کے دورے (۳۱) سخت دورہ (۳۲) خطرناک (۳۳) مراق کا سلسلہ (۳۴) مالی خولیا مراق (۳۵) مالیخولیا کے کرشمے (۳۶) ہسٹیریا (۳۷) دق اور سل (۳۸) دو چادریں (۳۹) دو بیماریاں (۴۱) دائم المریض (۴۳) عصبی کمزوری (۴۴) مرض اعصابی (۴۵) خرابی حافظہ (۵۳) دوران سر (۵۴) دماغی بے ہوشی (۵۵) خرابی صحت (۵۶) سخت بیمار (۵۷) مرغوبات (۵۸) شکار کیفر ورت (۵۹) درستی صحت (۶۰) روغن بادام (۶۱) مشک (۶۲) عنبر (۶۳) مفرح عنبری (۶۴) افیون (۶۵) سنکھیا (۶۷) ٹانک وائن (۶۸) ٹانک وائن کا فتویٰ۔

ان عنوانات کے تحت جو حوالے اور اقتباسات دئے گئے ہیں۔ ان کے پڑھنے والے پر کم از کم یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ کہ حضرت مرزا صاحب بعض امراض اور تقاضائے عمر کیوجہ سے کمزور ہوگئے تھے۔ اور دوران سر اور ذیابیطس کے عوارض آپ کو ایک عرصہ سے لاحق تھے۔ جس کو آپ اس حدیث کی صحیح تاویل سمجھا کرتے تھے جو حضرت مسیح موعود کے شان نزول میں بیان کی گئی ہے۔ کہ مسیح موعود کے جسم مقدس پر بوقت نزول دو زرد چادریں ہوں گی۔ حوالہ کیلئے حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸ ملاحظہ طلب ہے۔ چنانچہ عنوان نمبر ۳۸ دو چادریں۔ عنوان نمبر ۳۹ دو بیماریاں۔ اسی تاویل حدیث سے متعلق ہیں۔ اور علم تعبیر الرؤیا میں زرد لباس کی تعبیر بیماری سے کی جاتی ہے۔ دوران سر یا درد سر ایک معمولی عارضہ ہے جو عمدہ علامت دماغ کے بیدار و

Prices Text Book of ذی حس و اعلیٰ ہونے کی ہے دیکھئے
Medicine صفحہ 1502 ۔ لیکن برنی صاحب نے دوران سر کے دوروں کا ذکر
ضروری خیال فرما کر اس سے اپنا کام نکالنے کی کوشش فرمائی ہے ۔ اور وہ اسطرح کہ دوران سر
کے دوروں کے سلسلہ کے متعلق عنوانات قائم کر کے ایک بے جوڑ عنوان نمبر ۳۲ "خطرناک" کے
لفظ سے قائم کر کے اس کا سلسلہ "مراق" کے ساتھ ملا دیا ہے ۔ لفظ "مراق" کا جو تصور عام طور
پر ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ اس تصور سے مختلف ہے جو اصطلاح طب میں لفظ "مراق"
سے مراد ہے ۔ اس لئے عام اور مشہور معنی کے تبادر ذہنی کو مستحکم کر دینے کے لئے دوران سر
کے دوروں کے ذکر کو عنوان نمبر ۳۲ کے ساتھ ملا دیا ہے ۔ جو "مراق کا سلسلہ" کے نام سے قائم
کیا گیا ہے ۔ تاکہ اُن عام معنوں کے مطابق جو لوگوں کے ذہن میں ہیں یہ سمجھا جا سکے کہ مرزا صاحب
مراقی تھے ۔ اور "مراقی" کا اطلاق پیدا ہوتے ہی پہلی بات جو دماغ میں پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے
کہ ایسے آدمی کی بات سنجیدگی سے خالی ہوتی ہے ۔ اس لئے ایک مراقی کی بات پر سنجیدگی کے
ساتھ غور کرنا بھی ضروری باقی نہیں رہتا ۔ اور اس طرح حضرت مرزا صاحب اور آپکی جماعت
کی ساری تبلیغی مساعی لایعنی ہو جاتی ہیں ۔ یہ کیسی خطرناک کوشش پبلک کی ناواقفیت سے
فائدہ اٹھانے کی ہے ۔ مگر اللہ! اللہ!! جہاں اُس رحمان و رحیم نے زہر پیدا کیا ہے وہیں
اس کا تریاق بھی رکھ دیا ہے ۔ تفصیل اس اجمال کی اس طرح ہے کہ عنوان نمبر ۳۳ "مراق کا سلسلہ"
کے ذیل میں بصفحہ ۱۶۴ کتاب "قادیانی مذہب" طبع پنجم میں حوالہ اوّل رسالہ "ریویو" قادیان
اگست ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۰ کا اور آخر صفحہ میں حوالہ "تذکرۃ الوفاق فی علاج المراق" صفحہ ۶ کا دیا گیا ہے
ان دونوں حوالجات کے پڑھ لینے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے ۔ کہ جن طبّی معنوں میں یہ لفظ
سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں بہ تعلق حضرت مرزا صاحب استعمال کیا گیا ہے وہ اس تصوّر
سے بالکل جُداگانہ ہے جو برنی صاحب پبلک کے دل میں پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ اور جو برنی
صاحب یا اُن کے ہم پیشہ بزرگوں کے ذہن مبارک میں ہے ۔ ان حوالہ جات سے جو کچھ
ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عروض مراق کو اس ضعف کی علامت کے طور پر بیان کیا گیا ہے
جو سخت دماغی محنت سے پیدا ہوتا ہے ۔ اور اس میں کیا شبہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر وہ

شخص جو کبھی سخت دماغی محنت کر چکا ہے اس کا تجربہ رکھتا ہوگا۔ لیکن یہ کوئی مستقل مرض اس قسم کا نہیں ہے جو دماغ کے نقص یا خرابی کی وجہ سے جنون یا مالیخولیا سمجھا جائے۔ ہر ایک بدکیفی جو قلب و دماغ میں معدہ کی تبخیر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے مراق کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ مراق فی نفسہ ایک جھلی کا نام ہے جو معدہ و جگر اور طحال وغیرہ پر محتوی ہوتی ہے جس کے فساد سے یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا نام مراق رکھ دیا گیا (مخزن الحکمت مصنّفہ شمس الاطباء ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب صفحہ ۷۶۶ و ۷۶۸) محض اس وجہ سے کہ حضرت مرزا صاحب کے دوروں کو کسی شخص نے تبخیری تشنج یا معدی بخارات کی وجہ سے مراق کہہ دیا ہے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ فی الواقع حضرت مرزا صاحب کو مالیخولیا یا جنون تھا۔ غالباً جناب برنی صاحب اس فرق کو محسوس کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ کوشش کی ہے کہ پہلے تو دوران سر کے دوروں کا ذکر کر دیا۔ اور اس کے بعد ان دوروں یا اس کے متعلقہ عوارض کے بیانات کا سلسلہ عنوان نمبر ۳۳ سے ملا دیا ہے۔ جس کا عنوان ہے " مراق کا سلسلہ" اور اس سلسلہ کو بڑھا کر عنوان نمبر ۳۴ " مالیخولیا مراق" کا قائم کر کے لفظ مراق کی مشارکت سے یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی۔ کہ گویا مراق بھی مالیخولیا ہی ہُوا کرتا ہے۔ اور جھٹ سے شرح اسباب کا ایک حوالہ بھی لکھ دیا ہے جو صرف مالیخولیا سے متعلق ہے۔ اور اس پر کمال یہ کیا ہے کہ مخزن الحکمت مصنّفہ شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب کا بھی حوالہ دیکر ایک اقتباس بھی اُس کتاب سے درج کر دیا ہے۔ اور اس طرح تصرّف کر کے حوالہ کو درج کیا ہے۔ جو کتاب مذکور کی اصل عبارت سے علیحدہ ہو گیا ہے۔

اصل کتاب مذکور میں شمس الاطباء حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب نے ایک یونانی لفظ ہائپو کانڈرائس کے معنی لکھتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ :۔

" یہ اصطلاح بھی مشتق ہے اُسی پرانے خیال سے جس کی رو سے" یہ خیال کیا جاتا تھا" کہ اس مرض کی علامت کا ظہور فتور خون یا روح حیوانی سے ہوتا ہے"

برنی صاحب نے بجائے " یہ خیال کیا جاتا تھا" کے " یہ خیال کیا جاتا ہے" درج کر دیا تاکہ یہ سمجھا جائے کہ زمانہ حالیہ کی تحقیق طبّی یہی ہے۔ حالانکہ اسی حوالہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے

کہ تحقیق جدید یہ ہے۔ کہ یہ مرض عصبی ہے جو ضعف دماغ سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب کو دوران سر کے دورے پڑتے تھے تو وہ ضعف دماغ ہی کے دورے ہوتے تھے۔ جس کا باعث محنت دماغی تھی یعنی محنت دماغی اس دورے کا ایک سبب سمجھی جاتی ہے۔
(مخزن حکمت ص۶۶۵ بیان اسباب مرض)

ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ کہاں دوران سر اور کثرت محنت کی وجہ سے دوران سر کے دورے اور کہاں مراق۔ اور مراق بھی وہ جس کو برنی صاحب نے سلسلہ بڑھاتے بڑھاتے مالیخولیا سے ملا دیا ہے۔ یہاں تک کہ عنوان نمبر ۵-۳ "مالیخولیا کے کرشمے" کے نام سے قائم ہی کر دیا اور اس کے ذیل میں طبّی کتابوں کے حوالے بھی دیئے گئے۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مالیخولیا کے مریض یا مجنون اپنے ہذیان میں بعض اوقات پیغمبر اور خدا سب ہی کچھ بن جاتے ہیں اس طرح گویا برنی صاحب پبلک کے دل میں یہ خیال قائم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ چونکہ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس لئے یہ دعویٰ فی نفسہٖ مالیخولیا کا نتیجہ ہے جس میں مرزا صاحب مبتلا تھے لیکن ان حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش خود ایک جنون یا مالیخولیا ہے کہ جو کوئی بھی نبوت یا ماموریت کا دعویٰ کرے وہ مجنون ہی ہے۔ پہلے بھی لوگوں نے اس قسم کے ہذیان سے خدا کی نعمت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُن کے پاس کوئی معیار حق و باطل یا جنون و نعمت الٰہی میں امتیاز کرنے کا موجود نہ تھا۔ لیکن قرآن پاک نے اس معیار کو بڑی وضاحت اور تحدّی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۚ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۙ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۚ (پارہ ۲۹)

یہی اعتراض حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کفار و مشرکین کی جانب سے کیا گیا تھا۔ اور ہمارے زمانہ تک مستشرقین یورپ اس اعتراض کو بار بار دہراتے رہے ہیں۔

---

لہ ن قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں۔ تو اپنے رب کی نعمت کے ساتھ مجنون نہیں ہے۔ اور تیرے لئے ضرور اجر غیر منقطع ہے۔ اور یقیناً تو خلق عظیم پر ہے۔ سو عنقریب تو بھی دیکھے گا اور وہ بھی دیکھیں گے۔ کہ کس کو جنون ہے اور کون خبط میں مبتلا ہے۔ (پارہ ۲۹)

جرمنی ڈاکٹر فان کریمر نے اپنی تصنیف a Contribution to Islam
اور انگریز مستشرق سر ولیم میور نے لائف آف محمدؐ میں بڑے زور شور سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو صرع و مرگی کا مریض بیان کر کے ان احادیث سے جو بخاری شریف میں آثار و علامات نزول وحی کے متعلق آئی ہیں مقابلہ کیا ہے۔ اور آریہ اور بعض دوسرے معاندین اسلام اُن کی تقلید میں اس کا اعادہ کرتے رہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرگی و صرع کا عارضہ تھا۔ اور اسی حالت کو وہ نزول وحی کی کیفیت سے مشابہ اور متشابہ کر دیتے ہیں جس کا ذکر صحیح حدیث میں آتا ہے۔ قرآن پاک کا وہ پُر حکمت اور پُر عظمت جواب جو تیرہ سو برس پہلے کفار و مشرکین کو دیا گیا۔ اب بھی علمائے یورپ اور اُن کے ہم قدم و مقلد و خانہ برانداز ان مذہب و دعویداران علمی طریق تالیف کے لئے کافی ہے۔ مشہور فرنچ مستشرق گستا دلی بان اپنی مشہور کتاب تمدن عرب میں یوربین مورخین کے اس خیال پر کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض صرع کا اثر تھا جس کے دورے پڑا کرتے تھے۔ ایک نہایت ہی حکیمانہ رائے کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے :۔

"بعض مورخین کا قول ہے کہ حضرت مرض صرع میں داخل (مبتلا) تھے لیکن میں نے مورخین عرب کے بیان میں کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جس سے اس امر کی نسبت یقینی رائے قائم کی جا سکے۔ رواۃ معاصرین کے قول سے جن میں خود حضرت کی زوجہ عائشہ صدیقہ (رضہ) شامل ہیں۔ اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ نزول وحی کے وقت حضرت پر ایک خاص حالت طاری ہوتی تھی جس میں چہرہ سمٹ جاتا تھا اور جسم میں رعشہ پڑ جاتا تھا اور بالآخر آپ غش کھا کر گر پڑتے تھے۔

باوجود اس جذبہ کے حضرت بے انتہا صائب الرائے تھے جیسا کہ اکثر مجذوب ہُوا کرتے ہیں۔ فی الواقع اگر علمی نظر سے دیکھا جائے تو حضرت کا شمار بھی مثل اور موجدین مذاہب جدیدہ کے مجذوبین اور وارفتہ حال لوگوں میں ہونا چاہئے لیکن درحقیقت اس نام میں کوئی عیب نہیں ہے۔ کیونکہ مذاہب اور ادیان کے موجد اور خلائق کے پیشوا اور رہنما فلسفی اور حکیم نہیں ہُوا کرتے بلکہ وہی ہوا کرتے ہیں۔ جن میں جذبۂ قلبی اور

ولولہ جبلی ہوتا ہے۔ جب ہم دنیا کی تاریخ میں ایسے اشخاص کے افعال پر نظر ڈالیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بہت بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ انہوں نے مذہب ایجاد کئے ہیں۔ سلطنتوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ ہزارہا خلائق کو اپنا تابع فرمان بنایا ہے۔ انہیں کے ہاتھوں نوع انسان کی ترقی اس درجہ تک ہوئی ہے۔ اگر دنیا میں فقط عقل و فہم ہی کارگر رہتی اور جذبہ و ولولہ سے کام نہ لیا جاتا۔ تو اس وقت دنیا کی صورت ہی کچھ اور ہوتی۔ یہ کہنا کہ حضرت ایک دھوکہ باز شخص تھے۔ میرے نزدیک ایسا قول ہے جو ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ وہی اوقات جذبہ و ولولہ تھے۔ جس میں آپ کو وہ تسکین اور تقویت آجاتی تھی جس وجہ سے آپ اپنی ابتدائی مشکلات کا سامنا کر سکے۔ اصل یہ ہے کہ بلا اس کے کہ آپ کو خود اپنے اوپر بھروسہ ہو آپ کیونکر دوسروں کی تشفی کر سکتے تھے۔ حضرتؐ کو ہمیشہ اس کا یقین تھا کہ آپ کو جناب باری کی پوری مدد ہے اور اس اعتقاد کے سامنے کل مشکلات جو آپکو پیش آتی تھیں بالکل ناچیز تھیں۔"

(تمدن عرب مصنفہ گستاؤلی بان مترجمہ مولوی سید علی بلگرامی مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷)

جن لوگوں میں مالیخولیا و جنون کے ہذیان اور علمی قوت و شوکت رکھنے والے بیانات میں تمیز کرنے کا مادہ ہی باقی نہیں رہا۔ اُن سے مخاطبت ہی بیکار ہے۔ لیکن جو لوگ علمی بیان اور واہیانہ زٹل اور بکواس میں فرق کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ایک مجنون و مالیخولیا کے مریض کا دعویٰ نبوت کیا رنگ و ڈھنگ رکھتا ہے۔ اور ایک پاک باز پاک دل مامور من اللہ کا دعویٰ کن انوار و برکات کے ساتھ ہوتا ہے۔ مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ دو ہی شکلیں رکھتا ہے۔ یا تو وہ قطعاً سچ ہوگا اور سوائے سچ و حق و صداقت کے کچھ نہ ہوگا۔ یا قطعاً افترا و جھوٹ ہوگا۔ تیسری کوئی اور صورت ان دونوں صورتوں کے درمیان ایسی نہیں ہے۔ کہ دعویٰ کو نہ جھوٹا کہا جاسکے نہ سچا قرار دیا جاسکے۔ سوائے جنون کی کیفیت کے۔ جس کے ہذیان کو نہ جھوٹا کہا جاسکتا ہے نہ سچا۔ وہ تو لایعنی اور بیہودہ خیالات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس کے پرکھ لینے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ جھوٹے کے جھوٹ اور کھوٹ

کو ظاہر کرنے اور سزا دینے کے لئے اللہ تعالےٰ نے بڑے بڑے خاص اہتمامات کر دئے ہیں۔جس کا ذکر آئندہ باب پنجم میں انشاء اللہ اپنے موقع اور محل پر آئے گا۔جنون کے ہذیان کے لئے سورۂ نٓ کی آیات محولہ بالا میں ایک معیار قطعی بیان فرمایا گیا ہے۔ وہ معیار یہ ہے۔ وَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ[1] ۔یعنی نعماءِ الٰہی مجنون کے ساتھ نہیں ہوا کرتیں۔اور نعماءِ الٰہی کی شہادت کے لئے نٓ[2] وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ کو پیش فرمایا ہے اور عواقب و نتائج کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ[3] اور اس کی علامت و نشان اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ[4] میں بیان کر کے تحدّی فرمائی ہے۔کہ اس کے قریب تر زمانہ میں آپؐ اور آپؐ کے وہ مخالفین جو آپ کو مجنون کہتے ہیں دیکھ لیں گے۔کہ کون مجنون اور فتنہ میں پڑا ہوا ہے۔" پس یہ دلیل اپنے ساتھ اقانیم ثلاثہ رکھتی ہے۔اور ہر ایک اقنوم اس کا ایک مستقل دلیل ہے اور اس دلیل کو شہادت سے اور ایسی شہادت سے جو برای العین نظر آسکتی ہے مستحکم فرمایا ہے۔ اور اسی شہادت کے ذکر میں نعماء کی اجمالی جھلک بھی پیدا کر دی۔اور اس کو بے انتہاء اور غیر منقطع ظاہر کر کے اُس کی علامت و نشانی بھی بتا دی اور حکم لگا دیا کہ مستقبل قریب اس دعویٰ اور اس کے نتیجہ کو ظاہر کر دے گا۔دنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے متبعین کو جن کو معاندین نے مجنون کہا تھا کیا اجر غیر ممنون ملا۔اور اُن سے علوم و فنون کے کیسے دریا اور چشمے بہے۔اور مجنون کہنے والوں کا کیا حشر ہوا۔اب بھی دُنیا پھر اُسی جادہ پر آگئی ہے اور ظلّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے سجادۂ خلافت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس پر زمانہ کی گردش کی وجہ سے گرد و غبار جمع ہو گیا تھا از سرِ نو آراستہ و پیراستہ کیا ہے جنون و مالیخولیا کے آوازے کسنے لگی ہے۔اس لئے ایک مرتبہ پھر انشاء اللہ نٓ ۔ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ کی شہادت الٰہی ان زبانوں کو بند کر دیگی۔جو خلیفۂ وقت کے خلاف کھل رہی ہیں۔جو نعماءِ الٰہی اس خلافت نبوی و تجدید دین کے ذریعے

---

[1] اور تو نہیں اپنے رب کی نعمت کے ساتھ دیوانہ [2] نٓ قسم قلم کی اور جو وہ لکھتے ہیں۔یعنی قلم اور اُن کے لکھنے کے عجز کو بمقابلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم بطور شہادت پیش کرتے ہیں [3] تو نہ منقطع ہونے والا اجر پائے گا۔ [4] بے شک تو خلق عظیم پر ہے۔

دنیا کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ان کا حصر و شمار انسانی قوت سے بالاتر ہے اور نہ صرف حصر و شمار بلکہ فی نفسہٖ اُن کا سمجھ لینا بھی معمولی اور زنگ آلود فہم و ادراک سے بالاتر ہے جب تک انسان پر اتباعِ نبوی کا صیقل و جلا نہ ہو اس وقت تک نہ بصر میں حدّت پیدا ہوتی ہے نہ ظرف میں ان معارف کی سمائی کی وسعت پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن بمصداق "مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ" چند مشہور و معروف دنیا کے سامنے آئے ہوئے نعماءِ الٰہی۔ جانے بوجھے معارف بلکہ ایسے معارف جن سے دنیا نے باوجود انکار و اصرار کے فائدہ بھی اٹھایا ہے پیش کر دینا کافی ہوگا۔ ان میں سے پہلی نعمت براھین احمدیہ کا وجود ہے جس کی نسبت سب سے بڑے معاند و مخالف نے بروقت اشاعت ابتدائی جو ریویو کیا تھا اس کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

> " ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس کا مؤلف (حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام) بھی اسلام کی مالی جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے ۔" (اشاعۃ السنۃ جلد نمبر )

ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ آیت مبارک نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ نے کس طرح شہادت ادا فرمائی کیا اس نعمت کا انکار کیا جا سکے گا؟ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ[۲]

دوسری نعمت وہ کتاب ہے جس کا نام "اسلامی اصول کی فلاسفی" رکھا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ انگریزی The Teachings of Islam. کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب در اصل ایک مضمون ہے جو جلسۂ مذاہب اعظم لاہور منعقدہ دسمبر ۱۸۹۶ء میں پڑھا گیا تھا۔ جس کا انعقاد مختلف مذاہب کے اشخاص کی متفقہ کمیٹی کی جانب سے بڑے اہتمام کے ساتھ کیا گیا تھا۔ ہر ایک مذہب کے علماء سے (۵) سوالات مندرجہ ذیل کئے گئے تھے اور یہ خواہش کی گئی تھی کہ ہر ایک مذہب کے مستند علماء و متکلمین اپنے اپنے مذاہب کے مطابق ان کا

---

[۱] جو پورا نہ لیا جا سکے وہ پورا چھوڑا بھی نہیں جا سکتا۔

[۲] پس تم خدا تعالےٰ کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔ (سورۂ رحمٰن)

جواب دیں۔ وہ سوالات یہ تھے :۔

(۱) انسان کی جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی حالتیں (۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ (۳) دنیا میں انسان کی ہستی کی غرض کیا ہے۔ اور وہ غرض کس طرح پوری ہو سکتی ہے (۴) کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے۔ (۵) علم یعنی گیان اور معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں ؟

اسلام اور عیسائیت اور ہندوؤں کے جملہ فرقے برہمو سماج نیز سکھ ازم تھیوسوفیکل سوسائٹی۔ فری تھنکرس وغیرہ سب مذاہب کے بڑے بڑے علماء نے اپنے اپنے مضامین پڑھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان پانچوں سوالوں کا جواب مفصل دیا اور صرف قرآن پاک سے دیا ہے۔ اور مضمون کے سنائے جانے سے قبل بر بنائے الہام الٰہی یہ بھی اعلان کر دیا کہ :۔

" مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے۔ کہ جو سب پر غالب آئے گا " (اشتہار مورخہ ۲۱۔ دسمبر ۱۸۹۶ء)

مضمون کے پڑھے جانے کے بعد مقامی دیسی و انگریزی اخبارات نے اس کی تعریف میں اپنے اپنے اخبارات میں نوٹ لکھے۔ لاہور کا مقتدر اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ اپنی اشاعت مورخہ ۲۹۔ دسمبر ۱۸۹۶ء میں لکھتا ہے کہ :۔

" جلسہ مذاہب اعظم لاہور جو ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ دسمبر ۱۸۹۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے مندرجہ ذیل پانچ سوالوں کا جواب دیا"

(یہ سوالات اوپر درج کر دیے گئے ہیں)

" اس جلسہ میں سامعین کی دلچسپی اور خاص دلچسپی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے لیکچر کے ساتھ تھی جو اسلام کی حمایت اور حفاظت کے کامل ماسٹر ہیں۔ اس لیکچر کے سننے کے واسطے دور و نزدیک سے لوگوں کا ایک جم غفیر ہو رہا تھا۔ اور چونکہ مرزا صاحب خود تشریف نہیں لا سکتے تھے۔ اس لئے یہ لیکچر انکے ایک لائق شاگرد منشی عبدالکریم فصیح سیالکوٹی نے پڑھکر سنایا۔ ۲۷۔ تاریخ کو یہ لیکچر ساڑھے تین گھنٹہ تک ہوتا رہا۔ اور عوام الناس نے نہایت ہی خوشی اور توجہ سے اس کو سنا۔ لیکن ابھی صرف ایک سوال

ختم ہوا مولوی عبدالکریم نے وعدہ کیا کہ اگر وقت ملا تو باقی کا بھی سُنا دوں گا۔ اس لئے اگزکٹو کمیٹی اور پریذیڈنٹ نے یہ تجویز کر لی ہے۔ کہ ۲۹۔ تاریخ کا دن بڑھا دیا جائے۔"

کمیٹی جلسہ مذکور نے اس جلسہ کی جو روئیداد مرتب کی ہے۔ اس میں اس مضمون کے متعلق حسب ذیل ریمارکس کئے ہیں :۔

"پنڈت گوردھن داس صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا۔ لیکن چونکہ بعد از وقفہ ایک نامی وکیل اسلام کی طرف سے تقریر کا پیش ہونا تھا اس لئے اکثر شائقین نے اپنی اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ ڈیڑھ بجنے میں ابھی بہت سا وقت رہتا تھا۔ کہ اسلامیہ کالج کا وسیع مکان جلد جلد بھرنے لگا۔ اور چند ہی منٹوں میں تمام مکان پُر ہو گیا۔ اس وقت کوئی سات اور آٹھ ہزار کے درمیان مجمع تھا۔ مختلف مذہب و ملل اور مختلف سوسائٹیوں کے معتدبہ اور ذی علم آدمی موجود تھے۔ اگرچہ کرسیاں اور میزیں اور فرش نہایت ہی وسعت کے ساتھ مہیا کیا گیا۔ لیکن صدہا آدمیوں کو کھڑا ہونے کے سوا اور کچھ نہ بن پڑا۔ اور ان کھڑے ہوئے شائقینوں میں بڑے بڑے رؤسار و عمائد پنجاب علماء فضلاء بیرسٹر وکیل پروفیسر اکسٹرا اسسٹنٹ، ڈاکٹر غرضکہ اعلیٰ طبقے کے مختلف برانچوں کے ہر قسم کے آدمی موجود تھے۔ ان لوگوں کے اس طرح جمع ہو جانے اور نہایت صبر و تحمل کے ساتھ جوش سے برابر چار پانچ گھنٹے اس وقت ایک ٹانگ پر کھڑا رہنے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان ذی جاہ لوگوں کو کہاں تک اس مقدس تحریک سے ہمدردی تھی ...... اس مضمون کیلئے اگرچہ کمیٹی کی طرف سے صرف دو گھنٹے ہی تھے۔ لیکن حاضرین جلسہ کو عام طور پر اس سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ موڈریٹر صاحبان نے نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ اجازت دی۔ کہ جب تک یہ مضمون ختم نہ ہو تب تک کارروائی جلسہ کو ختم نہ کیا جائے۔ ان کا ایسا فرمانا عین اہل جلسہ اور حاضرین جلسہ کے منشاء کے مطابق تھا۔ کیونکہ جب وقت مقررہ کے گذرنے پر مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب نے اپنا وقت بھی اس مضمون کے ختم ہونے کے لئے دے دیا۔ تو حاضرین اور موڈریٹر صاحبان نے ایک نعرۂ خوشی

سے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا ........ یہ مضمون قریباً چار گھنٹے میں ختم ہوا۔ اور شروع سے اخیر تک یکساں دلچسپی و مقبولیت اپنے ساتھ رکھتا تھا" (رپورٹ ص۷۹ و ۸۰)

" عالیجناب حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب جن کی کل کی عالمانہ تحریر سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو خوش نہ ہوا ہو اور اُس نے پسند نہ کی ہو" (رپورٹ ص۱۵۲)

" اگرچہ اس مضمون کے ختم ہوتے ہوتے شام کا وقت آگیا۔ لیکن یہ ابھی پہلے سوال کا جواب تھا۔ اس مضمون سے حاضرین جلسہ کو بلا استثناء احدٍ ایسی دلچسپی ہوگئی۔ کہ عام طور سے اگزکٹو کمیٹی سے استدعا کی گئی کہ کمیٹی اس جلسہ کے چوتھے اجلاس کے لئے انتظام کرے" (" ص۱۳۹)

یہ مضمون اسلامی اصول کی فلاسفی کے نام سے اردو میں اور Teachings of Islam کے نام سے انگریزی میں شائع ہوا ہے۔ اور احمدیہ انجمنوں سے مل سکتا ہے۔ ہر شخص اس مضمون کو پڑھ کر اپنے ایمان اور روح کو کم از کم تازہ کر سکتا ہے۔ کیا اس نعمت الٰہی سے انکار کیا جائے گا۔ فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔

حضرت مرزا صاحب کے اس قسم کے اور بھی کارنامے ہیں۔ جن کی نسبت اُنکی وفات پر اسلامی اخبارات نے اعتراف کیا ہے۔ جن کے حوالے ہم باب اوّل میں دے چکے ہیں۔ اور تیسری سب سے بڑی نعمت جو برای العین ہر موافق و مخالف کو نظر آتی ہے ایسی جماعت کا پیدا ہو جانا ہے۔ جس نے اپنا تن من دھن اسلام کی تبلیغ پر لگا دیا ہے۔ جماعت بغیر امام کے نہیں ہو سکتی ہے۔ خدا کے فضل سے جماعت کو ایسا امام ملا جس کے احکام کی تعمیل میں جماعت بھی سرگرم ہے اور غیر بھی جماعت کے اس اخلاص پر حیران ہیں۔ دنیا کا کوئی ملک باقی نہیں۔ جہاں یہ جماعت تبلیغ کے لئے پہنچ نہ گئی*۔ چھوٹی سی جماعت کا یہ کارنامہ جو ضعفاء اور غرباء کا مجموعہ ہے اور جس میں زیادہ تر غرباء ہی ہیں کیا نعمت الٰہی نہیں۔ فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ[1]۔

ان تینوں نمونوں کی تفصیل بے پایاں ہے۔ ہر شخص کا ذوق سلیم ان کی تفصیل کو ذہن میں پیدا کر سکتا ہے۔ اس مختصر رسالہ میں ہم صرف اسی قدر اشارہ کافی خیال کرتے ہیں۔

---

* خاتمۃ الکتاب میں اُن ممالک کی تفصیل کی گئی ہے جہاں جہاں یہ جماعت مصروف تبلیغ ہے۔
[1] پس اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں سے انکار کرو گے۔ (سورۃ رحمٰن)

کیا جناب برنی صاحب اور اُن کے حمایتی ہم کو کوئی ایسا مجنون تلاش کر دیں گے۔ جس کو ان نعماءِ الٰہی سے حصہ ملا ہو؟

ایں خیال است و محال است و جنوں

اچھا اس کو جانے دیجئے کیا آپ خود یا آپ کے کوئی بڑے حامی و مخدوم باوجود سارے ادعاءِ علم و دانش کے اس نعمت سے بہرہ ور ہیں؟ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ نے "جنون کا نام خرد رکھ دیا اور خرد کا جنون"

اس کے بعد مراق و جنون و مالیخولیا کے عنوانات کے سلسلہ میں اعصابی امراض یا عصبی کمزوری اور اس کے متعلقہ عوارض کے متعلق بھی عنوانات رسالہ زیر جواب میں قائم کئے گئے ہیں۔ ان کا کوئی خاص جواب ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ انسانیت امراض و عوارض کا محل ہوا ہی کرتی ہے۔ انبیاء اور رسول اس سے مستثنٰی نہیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مرض کا ذکر قرآن مجید میں حضرت موصوف کی زبانی اس طرح ہے۔ اِنِّیْ سَقِیْمٌ[۵۱]۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ[۵۲]۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی عمر کے بڑے حصہ میں امراض سے پریشان رہے۔ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ[۵۳]۔ حدیثوں میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر عوارضات کا بھی ذکر آتا ہے۔ غرضکہ امراض و عوارض کے ذکر سے صرف برنی کے اس جذبۂ عناد کا اظہار ہوتا ہے۔ جو قرآن پاک کے الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا[۵۴] اس کے سوا اور کوئی غرض امراض و عوارض کے ذکر سے ظاہر نہیں ہوتی۔

اس کے بعد فصل اول کے اُن عنوانات میں جن کی صراحت ہم اوپر کر چکے ہیں حضرت مرزا صاحب کی دواؤں اور مرغوبات کے متعلق عنوانات باقی رہتے ہیں جن کا جواب ضروری ہے وہ عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

(۲۶) مجرب دوائیں (۵۷) مرغوبات (۶۰) روغن بادام (۶۱) مشک (۶۲) عنبر (۶۳) مفرح عنبری (۶۴) افیون (۶۵) سنکھیا (۶۷) ٹانک وائن۔

---

[۵۱] بے شک میں بیمار ہوں پ۲۳ ع ۷ [۵۲] اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے پ۱۹ ع ۹
[۵۳] بیشک مجھے تکلیف ہے اور تو بھی تو سب رحم کرنیوالوں میں سے بڑا رحم کرنیوالا ہے [۵۴] اگر تمکو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں پ۴ ع ۳

دوائیوں کے متعلق جو جواب ہم دینا چاہتے ہیں اس کے تعلق سے دو باتیں زیادہ تر قابلِ توجہ ہیں :-

(۱) جیساکہ اوپر کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے حضرت مرزا صاحب دماغی محنت اور تقاضائے عمر کی وجہ سے کمزور اور بدل ما یتحلل کے محتاج رہتے تھے - اور عوارض جو اُن کی محنت اور خدمت اسلام میں مانع ہوتے تھے یقیناً قابل دفعیہ تھے۔

(۲) آپ خاندان طبابت سے تعلق رکھتے تھے اور خود فارغ التحصیل طبیب تھے جن کی جانب مخلوق استعلاج کے لئے رجوع کرتی رہتی تھی - چونکہ دوسروں کے درد والم سے جلد متاثر ہو کر اعانت کے لئے تیار ہو جاتے تھے - اس لئے ایسی مختلف دواؤں کو مہیا و فراہم رکھتے تھے جو قادیان جیسے گاؤں میں نایاب تھیں۔

کیا ان حالات میں کوئی شخص حضرت مرزا صاحب کے اس اہتمام کی نسبت جو وہ دواؤں کی فراہمی میں کرتے تھے یا اُن کے استعمال کی نسبت معقولیت کے ساتھ کوئی اعتراض کرسکتا ہے ؟ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ الۡعَفۡوَ وَالۡعَافِیَةَ[۵۱] ہے - قرآن پاک میں بھی ایک پاک گروہ کی دعاؤں کا ذکر آتا ہے - وَمِنۡھُمۡ مَنۡ یَّقُوۡلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّفِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ - احادیث میں عافیت وصحت کو خدا کی نعمت قرار دیا گیا ہے - ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو مخاطب کر کے فرمایا - یَاعَبَّاسَ اسۡئَلِ اللّٰہَ تَعَالٰی الۡعَافِیَةَ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ[۵۲]۔ تداوی کے لئے حکم ہوتا ہے - یَاعِبَادَ اللّٰہِ تَدَاوُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ لَمۡ یَضَعۡ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَاءً[۵۳] - پس اگر حضرت مرزا صاحب نے حصول عافیت کے لئے مشک وعنبر اور مفرح عنبری یا اسی قسم کی اور ادویہ مفردہ یا مرکبہ کا استعمال کیا - تو کیا اس سے اُن کے تقدس میں کوئی فرق یا دعاوی پر کوئی حرف آتا ہے ؟

---

۵۱ اے میرے اللہ میں تجھ سے عفو اور عافیت مانگتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (حدیث)
۵۲ اے عباس اللہ تعالٰے سے دنیا اور آخرۃ میں عافیت مانگو۔ (حدیث)
۵۳ اے خدا کے بندو علاج کرو کہ اللہ تعالٰے نے کوئی ایسا مرض پیدا نہیں کیا جس کی شفا نہ بنائی ہو (حدیث)

اصل یہ ہے کہ زمانۂ نبوی کے بعد اور قرآن و سنت سے مہجور ہو کر صلحاء و متقین کی صحبت سے محروم ہو جانے کی وجہ سے "اے بسا ابلیس آدم روئے ہست" سے مسلمانوں کا سابقہ باقی رہ گیا ہے۔ اس لئے نیکی۔ نیکی کی اصل۔ نیکی کا تصور اور نیکی کا معیار سب کچھ بدل گیا حسنات و سیئات میں تمیز کا مادہ ہی باقی نہیں رہا۔ ولی یا بزرگ کی علامت و شناخت کا ذریعہ صرف اس کی ظاہری بے قاعدگی اور لا اُبالی پن قرار پا گیا ہے۔ جو شخص دیوانگی یا پاگل پن میں دوسروں سے بڑھ گیا وہی ان کے نزدیک سب سے زیادہ مقربان الٰہی میں شمار ہونے لگا۔ جو کوئی بیوی بچے چھوڑ کر بُری حالت بُرے لباس میں بازاروں میں پھرنے لگا اور کچھ بڑبڑانے لگا ولی ہو گیا۔ اچھے کھانے کو پانی یا راکھ کے ذریعہ خراب کر کے کھا گئے قطب ہو گئے۔ بے معنی الفاظ اور بے ہودہ اشارات کرنے لگے۔ حاکم شہر و غوث ہو گئے۔ غرض کہ اولیاء الرحمٰن کی شناخت کا دار و مدار بجائے کلام الٰہی یا فرمودہ رسول کے محض قصہ کہانیوں اور خود ہر شخص کے اپنے اپنے ذاتی مذاق پر آ گیا ہے۔ اس طرح اولیاء اللہ کے اصطلاحی نام اُن کا کام اور ان کے باہمی تقسیم کار کا ایک پروگرام مرتب ہو گیا ہے۔ اور اس طرح مرتب ہوا کہ اس سے سر مُو تجاوز موجب کفر تصور ہونے لگا۔ نہ قرآن پاک کے معیار سے غرض نہ حدیث و سنت کے معیار سے تعلق چلئے معاملہ ختم ہو گیا۔ اَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ[1] ؟ اب جو کوئی اُن کے اس معیار کے مطابق نظر نہ آیا وہ قابل التفات ہی نہ رہا۔ اس قسم کے عام مذاق کی بدولت مولوی صاحبان اور واعظین مذہب کو یہی ایک نسخہ ہاتھ لگ گیا کہ جس کسی کو نظروں سے گرانا ہوا۔ کہدیا۔ "ارے بھائی دیکھتے نہیں وہ تو جورو بچوں میں مبتلا ہے گھر گرہستی کرتا ہے"۔ اور اگر کسی نے اچھا کھایا یا اچھا پہنا تو بس وہ شیطان سے بھی نیچے درجے میں پہنچا دیا گیا۔ یہی گُر برنی صاحب کو بھی پسند آیا ہے اور پسند ہی نہیں آیا بلکہ حضرت کا مذاق بھی یہی ہے۔ اور اپنے انہیں مزعومات کو پیش نظر رکھ کر اپنی کتاب زیر جواب "قادیانی مذہب" میں مرزا صاحب کے لباس و خوراک و عورتوں کی پوشاک اور مشک و عنبر اور ادویہ کے استعمال کو بڑے بڑے نمایاں عنوانات کے ذیل میں لکھکر اپنے مذاق کو تسکین دی ہے۔ لوگوں نے جب یہ عنوانات پڑھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ مرزا صاحب مقویات

---

[1] کیا وہ تیرے رب کی نعمت کی تقسیم کرتے ہیں۔ (پ ۲۵ ع ۹)

معجونات کا استعمال کرتے تھے یا مشک و عنبر کا دوائے استعمال یا دواؤں میں استعمال کرتے تھے تو بس غضب ہو گیا کہنے لگے۔ ارے یہ شخص یہ جو ہم دنیا داروں کی طرح معجون و مقویات استعمال کرتا ہے اور مشک و عنبر کھاتا ہے۔ نبی ہو گیا نبی؟ نبوت کا دعویٰ کر دیا نبوت کا۔ غضب خدا کا اتنا سفید جھوٹ اور اس زمانہ میں (دبجا ہے مولانا! بجا ہے۔ بھلا اس زمانہ میں جو مشک و عنبر کھائے اُس پر خدا کیونکر رحم کر سکتا ہے اور کہیں خدا رحم کر بھی دے تو آپ کب ماننے والے ہیں۔ للمؤلف) لیکن مولانا! آپ نے کچھ سنا بھی یہ قادیانی لوگ کہتے ہیں۔ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بدبخت مخالفین کے اسی قسم کے خیالات تھے۔ وہ زمانہ اس زمانہ کی طرح عیش و عشرت کا زمانہ تو تھا نہیں۔ اُس زمانہ میں فراغت سے کھانا ملنا بھی دشوار تھا۔ بھلا مشک و عنبر کہاں۔ مگر پھر بھی اس زمانہ کے لوگوں نے بھی کوئی نہ کوئی راستہ اپنے بچ نکلنے کا نکال ہی لیا تھا۔ اُس فخر بنی نوع انسانؐ۔ اُس محسنؐ بنی آدمؑ۔ اُس سردار رسلؐ کو بھی جس کے گھر میں کئی کئی دن چولہا نہیں سلگتا تھا۔ اُس زمانہ کے آپ جیسے مولویوں (یعنی عربی دان لوگوں نے) یہ کہے بغیر نہ چھوڑا کہ "یَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ"[1] اور یہ سمجھ لیا کہ بازار میں چلنے پھرنے کھانا کھانے کے بعد بھلا کوئی نبی کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور بقول ہمارے بعض اخبار نویسوں کے جنھوں نے کفار قریش کے تیرہ سو برس بعد جدید جنم لے کر سنجیدگی و متانت کا جامہ پہن کر برنی صاحب کی کتاب پر ریویو لکھے ہیں۔ " ایسے آدمی کو نبی تو کیا شریف آدمی بھی نہیں کہا جا سکتا ہے۔"
یہ تو کھانے پینے کا پہلو تھا۔ اسی ایک پہلو کا کیا ذکر۔ اُن بدبختوں نے اپنی شوخیٔ طبع سے اُس ذات مستجمع الصفات کو کسی پہلو سے بھی اعتراض کئے بغیر نہیں چھوڑا۔ وہ زمانہ عورتوں کے حق میں اچھا ہو یا بُرا لیکن بہر حال تعدّد ازدواج کا عام رواج تھا۔ اس لئے اس زمانہ کے عیسائی یا دوسرے کفار عام رواج زمانہ کی بدولت اُس وقت تو اس پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ لیکن اپنے ذہنی معیار خیر و شر کے مطابق زمانہ کے رواج کے مدنظر یہ اعتراض تو کر ہی دیا۔ کہ آپ نے اپنے منہ بولے لڑکے زیدؓ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا۔ ان کے نزدیک

---

[1] وہ تو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ (پ۱۸ ع ۱۶)

یہ معاشرتی پہلوان کے اپنے خود ساختہ معیار شرافت سے گرا ہوا تھا۔ اور کسی دوسرے علمی و عقلی معیار صداقت و شرافت سے وہ نہ صرف بیگانہ بلکہ آج کل کے مولوی صاحبان کی طرح بے پرواہ تھے۔ اس لئے جب اللہ تعالے نے فرمایا کہ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِیْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِی السَّبِيْلَ[1] (الاحزاب پارہ ۲۱) تو وہ اس کو سمجھ ہی نہ سکے۔ دلیل الٰہی یہ تھی کہ ایک سینہ میں دو دل تو نہیں ہوتے کہ ایک دل سے انسان یہ سمجھے کہ فلاں شخص غیر کا لڑکا ہے اور دوسرے دل سے اسی غیر شخص کے لڑکے کو اپنا لڑکا سمجھ لے۔ اس لئے منہ بولا لڑکا فی نفسہ اپنا لڑکا نہیں ہو سکتا جس کے خون کی شرکت کی وجہ سے اس کی مطلقہ حرام ہو جائے۔ یہ تو تمہارے اپنے بے دلیل خیالات اور منہ کی باتیں ہیں۔ یہ دلیل کتنی قوی اور دل میں اُتر جانیوالی ہے مگر جو دل توہمات و رسم و رواجات کے حق میں ہو اُس پر اِس دلیل کا کیا اثر ہو سکتا ہے اس لئے دلیل سمجھ ہی میں نہ آسکی۔ یہ تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفار کا اعتراض تھا۔ زمانہ حال کے عیسائی معاندین نے تو آپؐ کے متعدّد ضروری نکاحوں کے معاملہ کو ہی آپؐ کی نبوت کا مبطل سمجھ رکھا ہے۔ بہر حال یہ زمانہ کے ذوق کی بات ہے۔ اور اگر ہر زمانہ کے ذوق کو وجہ دلیل یا معیار حق و باطل تسلیم کر لیا جائے تو حق و باطل محض ایک خیالی چیز رہ جائے گی۔ جس کو حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غربت و افلاس کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ نہ رہنے کو مکان نہ پناہ لینے کو کوئی سایہ۔ صرف ایک کنگھی بالوں کی درستی کے لئے اور کھانے پینے کے لئے ایک پیالہ لکڑی کا یہی ساری کائنات تھی۔ عجز و مسکنت ایسی کہ اگر کسی نے ایک گال پر طمانچہ مارا تو دوسرا گال خود پیش کر دیا۔ عمر بھر نکاح کی مقدرت نہ ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ حالت ہی عیسائیوں کے لئے معیار حق بن گئی۔ اور وہ اسی معیار پر ہی نبوت کی صداقت کو جانچنا چاہتے ہیں۔

---

[1] اللہ نے کسی آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں رکھے اور نہ تم لوگوں کی بیویوں کو جن سے تم اظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں بنایا۔ اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے بنایا یہ تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (پ۲۱ ع ۱۷)

اسلام قبول کرنے میں ان کے پہلے بھی یہی باتیں سدّراہ ہوئیں اور اب بھی یہی طعنے وہ اسلام اور مسلمانوں کو دیتے ہیں۔ کہ تمہارے پیغمبر نے نو بیویاں اور لونڈیاں کیں۔ جنگ و جدل کیا، لوگوں کو قتل کیا اور کرایا۔ ملک اور جائدادیں پیدا کیں۔ حکومت اور شاہی کی۔ اُن کے نزدیک یہ ساری باتیں خواہ کتنی جائز اور مبنی برحق ہوں ایک نبی کے درجہ سے گری ہوتی ہیں جس کو وہ غریب اور مسکین اور ذلیل ہی دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُن کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہی نمونہ تھا۔ لیکن اگر ایک طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ مسکنت تھی کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال بھی پیش کر دیا کرتے تھے۔ تو دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جلال تھا کہ ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام بھی حضرت موسے علیہ السلام کی سختی سے محفوظ نہ رہے۔ ''وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ''[۵۱]۔ اس پر حضرت ہارونؑ نے فرمایا۔ ''یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ''[۵۲] یہ تو عین زمانہ نبوت کا حال ہے۔ نبوت کے قبل بھی حضرت ایسے سرہنگ تھے کہ ''فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَیْهِ''[۵۳] کا قصہ قرآن میں موجود ہے۔ ایک طرف عیسیٰ علیہ السلام کی غربت کا یہ عالم کہ فرماتے ہیں۔ کہ پرندوں کے لئے گھونسلے اور لومڑیوں کے لئے بھٹ ہیں مگر ابن آدم کیلئے سر چھپانے کی جگہ نہیں۔ کیا دردناک افلاس ہے؟ دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ شان و امارت دیکھو کہ ''فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ''[۵۴] کے دادِ الٰہی سے راحت حاصل کر کے ایسے اعلیٰ مقام شکر پر فائز ہوتے ہیں کہ بیت المقدس میں کھانا کھاتے ہیں۔ اور ہندوکش و قراقرم میں دوپہر کا قیلولہ فرماتے ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو خود قرآن شریف نے ''سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا''[۵۵] مقام مدح میں فرمایا ہے۔ جو عورتوں سے بے تعلق و بے غرض تھے! ادھر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ حالت اُدھر حضرت داؤد علیہ السلام ننانوے ۹۹ عورتیں رکھتے تھے۔

---

۵۱ اور اپنے بھائی (ہارون) کے سر کو اور ڈاڑھی کو پکڑ کر اُن کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ (پ ۹ ع ۸)
۵۲ اے میری ماں جائے میری ڈاڑھی اور سر پکڑ کر نہ کھینچ۔ (پ ۱۶ ع ۱۴)
۵۳ پس موسیٰ علیہ السلام نے گھونسا مارا اور وہ شخص مر گیا۔ (پ ۲۰ ع ۵)
۵۴ پس ہم نے ہوا کو اس کی خدمت میں لگا دیا جو اس کے حکم سے چلتی تھی۔ (پ ۲۳ ع ۱۲)
۵۵ سردار ہیں اور عورتوں سے بچے ہوئے ہیں (پ ۳ ع ۱۲)

تو کیا اس طرح انبیاء کے ذاتی حالات جو وقت و موقع اور محل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے کے لئے معیار صداقت قرار پا سکتے ہیں؟ حضرت ایوب علیہ السلام تمام عمر مرض میں گرفتار رہکر "اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ"[۵۱] ہی کہتے رہے۔ اور صبر کا اعلیٰ مقام پایا۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے سختیاں اُٹھا کر بھی فرماتے ہیں "رَبِّ اھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ"[۵۲] لیکن حضرت نوح علیہ السلام قوم کا غرور دیکھکر پکار اُٹھے۔ "رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا"[۵۳]۔ یہی نہیں بلکہ اُن کی آئندہ نسلوں کی اصلاح سے نا اُمید ہو کر کہنے لگے " اِنَّکَ اِنْ تَذَرْھُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْآ اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا"[۵۴] یہ پکار سُنی گئی اور دنیا غرق کر دی گئی۔ کیا انبیاء علیہم السلام کے یہ خاص حالات یا عادات کوئی مستقل معیار صداقت کے طور پر کام آ سکتے ہیں؟ یہ حالات اپنے موقعہ و محل کے لحاظ سے یقیناً اچھے اور بہت اچھے ہیں۔ لیکن پھر بھی دوسروں کے لئے یہ کوئی معیار صدق و کذب قرار نہیں دئے جا سکتے ہیں۔ اگر ہر ایک نبی کی حالت یا ذاتیات کو معیار صداقت قرار دیا جائے۔ تو ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت ہی نہیں رہتی۔ پس یہ امر کہ انبیاء سابقین یا بزرگانِ دین میں سے بعض دنیا کی جائز آسائش سے مستفید نہ ہوئے کوئی معیار صداقت قرار نہیں دیا سکتا۔ عام تمدن۔ مُلکی معاشرت۔ ذاتی حالات و مزاج کے اختلاف کی وجہ سے ان چیزوں میں اختلاف باقی رہے گا۔ یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ ان کو کسی دوسرے کی صداقت کے جانچنے کے لئے معیار قرار دیا جائے لیکن چونکہ اس زمانہ میں لوگ دین اور عرفان الٰہی سے بیگانہ ہو گئے ہیں۔ اگر قرآن کریم کے بتلائے ہوئے معیار صداقت کو یہ لوگ گم نہ کر دیتے۔ تو اپنے اوہام کی پیروی سے باز آجاتے کھانے پینے کی چیزوں کے لئے اللہ تعالےٰ نے ہم کو حکم دیا ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا

---

[۵۱] اے میرے رب مجھے دُکھ لگ گیا ہے تو سب رحم کرنیوالوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (پ ۱۷ ع ۶)
[۵۲] اے میرے رب میری قوم کو ہدایت دے حقیقت یہ ہے کہ وہ میرے منصب کو پہچانتے نہیں۔ (حدیث)
[۵۳] اے اللہ زمین پر کافروں کا کوئی گھر نہ چھوڑ (پ ۲۹ ع ۱۰)
[۵۴] اگر تو انہیں چھوڑ دیگا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نہیں جنیں گے مگر فاجر کافر (پ ۲۹ ع ۱۰)

مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ[۵۱]" یعنی حلال چیزیں کھاؤ۔ صرف حلال نہیں فرمایا بلکہ حلال کے ساتھ طیّب کی بھی شرط لگادی۔ ایک چیز بلحاظ اپنی نوعیت وجنس کے طیّب وغیر طیّب ہوتی ہے اور بلحاظ طریقہ حصول کے بھی طیّب وغیر طیّب ہوتی ہے۔ اس لئے وہ لوگ جن میں تقویٰ ہے اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں کسی چیز کو نہ صرف اُس کی نوعیت وجنس کی وجہ سے حلال وطیّب سمجھتے ہیں۔ بلکہ طریقہ حصول شئے کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں اور نوعیت وجنس کو بھی دیکھتے ہیں۔ ایک چیز خواہ کیسی ہی حلال ہو لیکن اگر طیّب نہو۔ تو وہ اس سے اعراض کرکے طیّب چیز کے حصول کی فکر کریں گے۔ پس طیّب چیزوں کا استعمال کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ بلکہ مستحسن امر ہے۔ اور اتنا مستحسن کہ انبیاء کو خاص طور پر طیّبات ہی کے استعمال کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ جیساکہ سورۃ مومنون پارہ ۱۸ رکوع ۴ میں ارشاد ہوتا ہے کہ "یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا[۵۲] الخ"۔ اور صرف اس حکم پر بس نہیں فرمایا بلکہ جب حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حلال وطیّب چیز کو اپنی بیویوں کی خاطر سے ترک کرنا چاہا۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ "یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ[۵۳]" دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ[۵۴]"

پس اگر احکام الہٰی سے واقفیت اور خدا کا ڈر دل میں موجود ہوتا۔ تو جو اعتراضات حضرت مرزا صاحب کے استعمال مقویات ومعجونات ومشک وعنبر پر کئے جاتے ہیں۔ اُن سے احتراز کیا جاتا۔ حضرت مرزا صاحب کی علالت وضعف ومحنت کو ملحوظ رکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ مشک وعنبر یا معجونات کا استعمال اُن پر حرام تھا یا اُن کا استعمال اُن کے دعویٰ کی صحت یا صداقت وتعلق باللہ کے منافی تھا؟ لیکن جب تحقیق حق مدنظر نہ ہو تو ان امور پر توجہ کون کرے۔

---

۵۱ اے لوگو زمین کی حلال اور طیّب چیزیں کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ (پ۲ ع ۵)

۵۲ اے رسولو پاک، طیّب چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

۵۳ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اپنی بیویوں کی خاطر، چیز اپنے اوپر کیوں حرام کرو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے (۲۸/۱۹)

۵۴ اے رسول کہدو کہ کس نے اس زیب وزینت کو حرام کردیا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہیں۔ اور نیز طیّب رزق کو۔ (پ۸ ع ۱۱)

اس قسم کے اعتراضات سے سوائے اپنے اور اپنے حامیوں کے علمی ذوق کی کمزوری کے اظہار کے اور کیا نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہی نہیں کہ رسالہ زیر جواب میں مقویات و معجونات تک معاملہ ختم کر دیا گیا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک "ٹانک وائن" کا بھی نام لے لیا گیا ہے اور اس کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ٹانک وائن فی الحقیقت شراب ہے یا نہیں ایک الگ بات ہے۔ لیکن ٹانک وائن کا نام آجانے سے ہی ہر شخص آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگتا ہے کہ یہ کیا بات ہے۔ اس لئے ایک مخالف کی شہادت بھی درج کر دی گئی کہ یہ ایک قسم کی طاقتور اور نشہ دینے والی شراب ہے۔ غنیمت ہے کہ یہ نہ لکھ دیا کہ مرزا صاحب یہ شراب خود استعمال کرتے تھے۔ یہ ڈھنگ اور طریقے ہیں۔ جن کو مخالفین علمی تحقیقات کہتے ہیں۔ اور اس سے ایک دعویدار مسیحیت و مہدویت کے دعویٰ کی جانچ اور تحقیق کرنے کی بجائے لوگوں کو متنفر کرنا چاہتے ہیں تا کہ کوئی اصل دعاوی و دلائل کی طرف نہ جھک جائے۔

چونکہ سلسلہ بیان میں ٹانک وائن کا ذکر آ گیا ہے۔ اس لئے ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس کی بھی صراحت کر دی جائے۔ برنی صاحب نے ٹانک وائن کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ بحوالہ حضرت مرزا صاحب کے ایک خط کے ہے۔ جو حکیم مولوی محمد حسین صاحب قریشی کے نام تھا۔ جو حضرت صاحب کے مُرید اور معتقد اور مخلص تھے حکیم صاحب موصوف کے نام حضرت اقدس جناب مرزا صاحب نے اور خطوط بھی لکھے جو حکیم صاحب نے "خطوط امام بنام غلام" کے نام سے رسالہ کی شکل میں شائع کر دئے ہیں۔ جس کے صفحہ ۵ پر یہ خط شائع ہوا ہے۔ کیا ناظرین یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ٹانک وائن جو بقول برنی صاحب ایک طاقتور اور نشہ دینے والی شراب تھی (قادیانی مذہب طبع پنجم ص۱۹۱) اور جس کو حضرت مرزا صاحب نے اپنے ایک مخلص مُرید کے ذریعہ منگایا تھا اگر فی الحقیقت وہ ایسی شراب تھی اور مرزا صاحب نے خفیہ طور پر اپنے پینے کے لئے منگائی تھی اور وہ ہی اس کا استعمال کرتے تھے۔ تو کیا ایک مُرید و مخلص واقف کار راز دا حکیم اس خط کو جو رازداری سے لکھا گیا تھا اس طرح شائع کر دیتا؟ اور پھر وہ کتاب اشاعت کے بعد ہر شخص کو بلا تکلف دے دیجاتی؟ یہ صورت حال اس بات کی شاہد ہے کہ ٹانک وائن کوئی شراب نہ تھی بلکہ وہ دوا تھی جو حضرت مرزا صاحب بعض مریضوں کے لئے اپنے پاس رکھتے

تھے۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لاہوری نے اخبار پیغام صلح مورخہ ۴۔ مارچ ۱۹۳۵ء میں اس کی صراحت کی ہے اور بتا دیا ہے کہ یہ ایک مقوی دوا ہے جو انفلوئنزا وغیرہ کے بعد کمزور مریض کو دی جاتی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے اس کا فارمولا (نسخہ) بھی شائع کرایا ہے۔ جو مولوی علی محمد صاحب اجمیری کی کتاب "ہمارا مذہب" کے صفحہ ۲۱۴ پر شائع ہوا ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہے :۔

"ٹانک وائن" عموماً سٹرنز وائن آف کاڈ لور آئل کو کہتے ہیں۔ جو دوائی کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اس کے اجزاء یہ ہیں۔ آئرن پیٹپون۔ آئرن اینڈ امیونیا۔ سائٹریٹ بیف اینڈ کاڈ لور پیپٹونز۔ لائم اینڈ سوڈیم گلسرو فاسفیٹس۔ کسکارا۔ اور الکحل ۱۶ فی صد۔ یہ ٹانک وائن اعصابی کمزوری نیز خون اور دوران خون کی کمزوری میں استعمال ہوتی ہے۔ نمونیا اور انفلوئنزا کے حملہ کے بعد جو کمزوری لاحق ہوتی ہے۔ اس کے دور کرنے کے لئے بھی اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی خوراک ایک ایک چمچہ بھر ہے۔ اس سے قطعاً نشہ نہیں ہوتا۔ اور نہ اسے کوئی نشہ کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ بلکہ یہ ایک دوائی ہے۔ اور دوائی کے طور پر مذکورہ بالا امراض میں استعمال کی جاتی ہے۔"

ہم نے خود بھی اس معاملہ میں تحقیقات کی ہے۔

Bangal Immuity Co, Limited

بنگال کی ایک مشہور دواساز اور دوا فروش کمپنی ہے۔ جس نے اپنی دواؤں کی کتاب میں (Vine malt) کا اشتہار دیا تھا جو ٹانک وائن ہے ہم نے اُس سے اس نسخے کے اجزاء اور کیفیت دریافت کی۔ اس کا جواب یہ ہے :۔

" وائن مالٹ بہترین ٹانک وائن ہے۔ جس میں فولاد۔ گلیسرو فاسفیٹ آف لائم، سوڈا پیٹوں اور دس فی صدی الکحل شریک ہے۔ یہ ٹانک وائن خاص طور پر دودھ پلانے والی ماؤں کی صحت کو زچگی کے بعد بحال رکھتا ہے اور طویل بیماریوں مثلاً میعادی بخار۔ انفلوئنزا یا نمونیا کے بعد اور نیورا ستھنیا کمی خون۔ ایام حمل کی بیماریوں قلبی عوارض معدہ کی خرابیوں اور بھوک کی کمی میں استعمال کرایا جاتا ہے۔"

اس تحقیق سے بلاکسی شک وشبہ کے واضح ہو جاتا ہے کہ ٹانک وائن فی نفسہ شراب نہیں بلکہ ایک مقوی دوا ہے۔ جو کمزور اشخاص کو استعمال کرائی جاتی ہے۔ البتہ اس میں الکحل کی شرکت ہے۔ مگر اس مقدار میں کہ فی نفسہ اس میں کوئی سُکر یا نشہ پیدا نہیں ہوتا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ انگریزی دواؤں میں عموماً الکحل اس لئے شریک کیا جاتا ہے کہ دوائیں سڑنے سے بچیں اور محفوظ رہیں۔ اس لئے کوئی انگریزی دوا جو عرق کی قسم سے ہو الکحل سے خالی نہیں ہوتی۔ الکحل فی نفسہ اس مقدار میں جو دواء میں شریک کیا جاتا ہے نشہ پیدا نہیں کرتا۔ پس ایک دوا کو جو نام کی مشابہت کی وجہ سے لوگوں کے لئے باعث وہم وشک ہو سکتی ہے۔ اس طرح نمایاں عنوان دیکر شائع کرنے سے اس نیت کا صاف اظہار ہوتا ہے۔ جو جناب برنی صاحب کی اس کتاب کے شائع کرنے سے تھی۔ مگر باوجود اس کے وہ یہ نہیں کہہ سکے کہ حضرت صاحب اس کو خود بھی استعمال کرتے تھے۔

یہ جواب رسالہ "قادیانی مذہب" کی فصل اول کے ان شر انگیز عنوانات کا ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کی ذات و صفات کے متعلق ان کے لباس وخوراک و دواء و مرغوبات کے نام سے قائم کئے گئے ہیں۔

فصل دوم تا ہفتم کا جواب "تصدیق احمدیت" میں دیا جا چکا ہے۔ اور جدید اضافہ جات میں بعض ضروری اضافوں کا جواب اور بھی دیا جائے گا فصل ہشتم صرف محمدی بیگم کے نکاح کے معاملہ اور پیشگوئی کے متعلق ہے جس کا تفصیلی جواب علیحدہ باب ششم میں دیا جائے گا جو حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے متعلق ہے۔ فصل نہم مرزا صاحب کے بعض الہامات اور خصوصاً آمدنی و ذرائع آمدنی کے متعلق ہے۔ الہامات کے متعلق تو اصولی و اجمالی جواب "تصدیق احمدیت" میں بھی دیا جا چکا ہے اور اب بھی ہر ایک الہام کے متعلق علیحدہ جواب ضروری نہیں۔ کیونکہ الہام ایک محض اعتباری چیز ہے۔ اگر ملہم پر اعتبار کر لیا جائے تو الہام کو صحیح ماننا پڑے گا۔ اور اگر ملہم کا اعتبار نہ کیا جائے تو بجز ایسے الہامات کے جو پیشگوئیوں پر مشتمل ہیں۔ باقی الہامات پر بحث ناممکن ہے۔ کہ ان کے پرکھنے کا کوئی معیار بجز ملہم کے اعتبار کے فی الحال موجود نہیں ہے۔ یہ معیار کہ ملہم جھوٹے الہامات پر منجانب اللہ گرفت میں آتا ہے ایسا معیار ہے جس کے

مطابق الہام کی صحت ملہم کی پوری زندگی کے بعد ہی جانچی جا سکتی ہے۔ اس لئے اس معیار پر الہام کی صحت وقت کے وقت پر نہیں جانچی جا سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سلسلہ آمد و اخراجات کے متعلق یہ جواب کافی ہے۔ کہ جو جماعت اس آمدنی کا ذریعہ ہے جب اس کو اس پر کوئی اعتراض نہیں اور وہ مطمئن ہے اور جان بوجھ کر وہ اپنے اموال سلسلہ کی خدمت کیلئے حضرت مسیح موعودؑ کو اور آپ کے بعد آپ کے جانشین خلفاء کے حوالہ کرتی رہتی ہے تو دوسرے غیر متعلقہ اشخاص جو اس آمدنی کے ذرائع سے کوئی تعلق نہیں رکھتے کیوں مضطرب و بیقرار ہو رہے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ایک گروہ تو اپنا دین و ایمان سمجھ کر اسلام کی خدمت کے لئے اپنا تن من دھن ایک شخص کو ایک شخص کو امام مان کر حوالہ کر رہا ہے اور دوسرے لوگ جن پر اس کا کوئی بار نہیں ہے شحّ نفس کے مرض میں گرفتار اس پر ناک بھوں چڑھا رہے ہیں۔ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ[۱]

اس کے بعد تین فصول نمبر ۱۰-۱۱-۱۲ کو جناب برنی صاحب نے سیاسیات کیلئے وقف کر دیا ہے۔ فصل ۱۴ بھی اسی مضمون سے متعلق ہے۔ ہم ان فصول کا تفصیلی جواب ضروری نہیں سمجھتے۔ برنی صاحب کی غرض ان فصول کے قائم کرنے سے غالباً یہ ہو گی کہ حضرت مسیح موعودؑ نے گورنمنٹ و حکام گورنمنٹ کے مقابلہ میں جو طریق نرمی و لینت اور انکسار کا اختیار کیا یا اپنی خدمات کا گورنمنٹ پر اظہار کیا ہے وہ علامہ کے خیال میں شاید شان مسیحیت یا مہدویت یا ادعائے نبوت امتی کے منافی ہے۔ جو لوگ دل میں باغیانہ خیالات رکھتے ہیں اور جن کے سینے گورنمنٹ کی مخالفت کے خیال سے لبریز ہیں اور ہمت نہیں رکھتے کہ اپنے دلی عناد و بغی کو ظاہر کر سکیں ان کو اپنے بطون کے اظہار کا اس سے اچھا کیا موقع مل سکتا ہے۔ کہ جب کوئی فرد یا جماعت گورنمنٹ پر اپنے خیر خواہانہ خیالات یا جذبات کا اظہار کرے۔ تو اس سے خواہ مخواہ مخالفت کر کے اس فرد یا گروہ سے نفرت پھیلانے کے لئے پروپیگنڈا کیا جائے۔ اور اس کے خیالات کو ذلیل نظروں سے دیکھا جائے۔ اللہ تعالےٰ یَنْھٰی[۲] عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن اسلام کے دعویٰ کے ساتھ علامہ برنی جیسے لوگ بغی کو مسلمان کی صفت قرار دینا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود اظہار بغی کی قوت و ہمت نہ رکھ کر دوسروں کو اس پر ابھارنا

---

[۱] تو کہہ دے کہ اپنے غصے سے خود ہی مرو (پ ۴ ع ۳) [۲] منع کرتا ہے بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں اور بغاوت سے۔

چاہتے ہیں۔ اور جو اس منافقانہ اعتقاد سے بیزار ہونے کا اظہار کرے تو اُن کے نزدیک وہ قابل ملامت اور گردن زدنی قرار پاتا ہے۔ قرآن پاک کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اپنے خاص بندوں اور خصوصًا انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح ادب سکھاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہی بنی اسرائیل کی نجات کے لئے ہوئی تھی جو فرعون جیسے جبّار بادشاہ کی حکومت میں ذلیل سے ذلیل تر ہو گئے تھے۔ حضرت موسیٰؑ معہ اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کے نبی بنائے جاتے ہیں خلعت نبوت دونوں کو عطا ہوتی ہے اور حکم ہوتا ہے اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ؕ جاؤ تم اور تمہارا بھائی دونو لیکن دیکھو ہماری یاد میں سستی نہ کرنا۔ اس سازو سامان اور اپنے خاص نشانات کے ساتھ آراستہ کرکے دونوں کو بھیجا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے۔ "اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى" کہ تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ جس نے سر اٹھایا ہوا ہے (یعنی خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے) اس حکم کے بعد ادب سکھایا جاتا ہے " فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى " تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ بھول سے باز آکر (ہمکو) یاد کرے اور (ہم سے) ڈرے یعنی ادب سکھایا اور اس کے برکات سے بھی مطلع کر دیا۔ باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے اس طرح دوبدو کلام کیا اور اپنے معجزات کے ساتھ خاص فرعون کے پاس اپنے بھائی کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ لیکن پھر بھی حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس جاتے ہوئے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں "رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى" کہ اے ہمارے رب ہم ڈرتے ہیں کہیں وہ ہمارے پر زیادتی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اپنی ذلت و رسوائی اور ہلاکت کا خوف ہوتا ہے لیکن ایسے موقعہ پر حسب معاملات بشری ادب و لینت اور موقع و محل کے مطابق کام و کلام کرنے کی ہدایت ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد وہ اپنی ذمگی خاص مہم و مشن کی انجام دہی کے لئے تیار و آمادہ ہوتے ہیں۔ یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی تھا۔ گورنمنٹ سے بحیثیت گورنمنٹ کے اور بحیثیت ملکہ کے حضرت ملکہ وکٹوریا آنجہانی یا افسران متعلقہ سے حسب مراتب ادب و لینت کے ساتھ

مخاطبت کرتے تھے۔ مگر باوجود اس کے حق تبلیغ سب کے ساتھ ادا کیا۔ اور ہر ایک کو کلمۂ حق پہنچا دیا۔ اور آپ کی اتباع میں آپ کے متبعین نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا تحفۂ قیصریہ وستارۂ قیصریہ وصحیفۂ آصفیہ وتحفۃ الملوک ودعوۃ الامیر وتحفہ پرنس آف ویلز مستقل طور پر وہ مکتوبات وتحریرات ہیں۔ جن میں ملکہ معظمہ اور پرنس آف ویلز (سابق ملک معظم) امیر کابل۔ حضرت غفران مکاں واعلیحضرت قدر قدرت بندگان عالی متعالی کو کھلے طور پر لیکن ادب اور مراتب کو ملحوظ رکھ کر تبلیغ کی گئی ہے۔ اور اس طرح جو حق تبلیغ کا تھا وہ ادا کر دیا گیا ہے۔ اس لئے محض ادب ولینت اور حفظ مراتب کا خیال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے اصلی مشن کے مانع اور مزاحم نہ تھا۔ خدا کے یہ پاک بندے انسانی خلق واخلاق میں بھی بلند پایہ اور قابل تقلید نمونہ رکھتے ہیں۔ اس لئے "وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ"[۱] کے حکم کے مطابق مراتب کا لحاظ رکھکر تبلیغ کرتے ہیں۔ مولانا لوگوں کی طرح نہیں ہوتے کہ یوں ہر وقت "عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا"[۲] بنے رہتے ہیں لیکن جب دینی غیرت وحمیت کا وقت آجاتا ہے تو سگ پروردہ کی طرح قدموں پر لوٹتے ہیں اور حق کہنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ اور اسی طرح دین وایمان کے ساتھ خودداری اور عزت نفس کو بھی اپنی بے حیائی پر قربان کر دیتے ہیں۔ لیکن وہ عمل جو انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوتا ہے جس کا نمونہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دکھایا۔ وہ منظور ومقبول بارگاہ الٰہی ہوتا ہے۔ جس کی بالآخر ضدی مولانا بھی نقلیں کرتے ہیں۔ مگر بمصداق :- ؎

آنچہ دانا کند کند ناداں      لیک بعد از خرابیٔ بسیار

چنانچہ برنی صاحب ان نظاروں سے خود بخوبی واقف ہیں۔ اور اپنی حق گوئی وحق طلبی کی ہمت کو بھی خوب جانتے ہیں ؎

(مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتند راز)

پس یہ اجمالی اور اصولی جواب ہے۔ جناب برنی صاحب کے فصول اربعہ ۱۰-۱۱-۱۲- ۱۴ کا۔ جو سیاسیات دور اول۔ دور ثانی و دور ثالث کے نام سے قائم کی گئی ہیں تیرھویں فصل اُن بیانات سے متعلق ہے جن میں حضرت مسیح موعودؑ

---

[۱] آپس کی فضیلت کو نہ بھولو (پ۲ ع ۱۵) [۲] مُنہ بنانیوالے تیوری چڑھانیوالے (پ۲۹ ع ۱۹)

اور آپ کے خلفاء نے مسیح موعودؑ کے نہ ماننے والوں کے مذہبی اور دینی مقامات کی تفصیل و تشریح کی ہے۔

بلاشبہ یہ امر ہر اک صاحب زعم و خیال کے لئے تکلیف دہ ہے کہ اس کے علی الرغم کوئی مختلف رائے یا خیال ظاہر کیا جائے لیکن ایک مرسل، ایک مامور من اللہ اور ایک موعود نبی کے لئے یہ امر ناگزیر ہے کہ وہ اپنے ماننے اور نہ ماننے والوں میں کوئی فرق و امتیاز قائم کرے۔ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ"[1] باوجود اس اخلاق و ادب کے جو جناب الٰہی سے اس مقدس گروہ کو عطا فرمایا جاتا ہے وہ مامور ہوتے ہیں کہ اپنے آنے اور بعثت کی غرض اور اس کے نتائج کا اعلان کریں اور صاف صاف واضح طور پر کھول کھول کر ہر اک چیز کو بیان کر دیں۔ تاکہ لوگوں کو غور کرنے کا موقع مل سکے۔ اگر وہ ان امور کو صاف طور پر بیان نہ کریں تو وہ تمام غرض ہی مفقود ہو جائیگی جو اس پاک گروہ کے مبعوث کرنے سے ہے۔

ایسے اشخاص کے آنے کے بعد دنیا تین حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ ایک گروہ اس کے متبعین و مصدقین کا ہوتا ہے جو اس پر اور اس کے دعاوی پر ایمان لاتا ہے اور بلسان شرع مومن کہلاتا ہے۔ دوسرا اس سے اِباء و انکار کرنے والا گروہ ہے۔ جو اس کے دعاوی اور دلائل کی تکذیب کرتا اور اُس کی جانب بڑے بڑے عیوب منسوب کر دیتا ہے۔ اس گروہ منکرین کو باصطلاح شرع کافر کہا جاتا ہے۔ تیسرا گروہ "مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ"[2] کا ہے جو نہ حق کے اظہار و تسلیم کی ہمت رکھتا ہے نہ اس سے علانیہ انکار کر سکتا ہے۔ زمانہ سازی کے مد نظر جدھر غلبہ دیکھتا ہے ہاں میں ہاں ملانے لگتا ہے۔ اس کو قرآن نے بلفظ "منافقین" بیان فرمایا ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جنھوں نے بالہام الٰہی موعود نبی ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ جن کو بر بنائے احادیث نبویؐ مسیح موعود اور مہدی معہودؑ کہا جاتا ہے۔ اُن کیساتھ

---

[1] اللہ تعالیٰ مومنوں کو اسی حالت میں نہ چھوڑیگا یہاں تک خبیث اور طیب میں فرق نہ کر دے۔ (پ ۴ ع ۹)
[2] دونوں گروہوں کے درمیان تذبذب میں ہیں (پ ۵ ع ۱۸)

بھی یہی سلوک ہوگا۔ کہ اُن کے ماننے والے مومن۔ نہ ماننے والے کافر اور ان دونوں کے درمیان منافقین ہوں گے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے اور یہی حق ہے۔ اور ان اصطلاحوں کے اس طرح استعمال پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

صرف اس لئے کہ ایک بہت بڑا گروہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دعاوی مسیح موعود کو نہیں مانتا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس انبوہ کثیر کو باوجود انکار کے بھی مومن کہا جائے۔ کسی گروہ کی کثرت یا قلت پر اصطلاح شرعی کے صادق آنے کا انحصار نہیں۔ اصطلاح کے انطباق کا دارومدار واقعات و کیفیت پر ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ ایک شخص نے مسیح موعود و مہدی یا نبی ہونے کا دعویٰ اس دنیا میں کیا ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ اُس کے ماننے والے اُس کے مومن اور نہ ماننے والے کافر ہی کہے جائیں گے۔ نہ ماننے والوں کو مومن کہنا کسی طرح سچ اور مطابق واقعہ نہ ہوگا۔ نہ ماننے والوں کو یہ تو اختیار ہے کہ وہ خود حضرت مسیح موعودؑ یا اُن کی جماعت کو مومن یا مسلم نہ تسلیم کریں اور اُن پر سخت سے سخت کفر کا فتویٰ عائد کریں۔ لیکن یہ حق نہیں ہے کہ مسیح موعودؑ یا اُن کی جماعت کو اُن شرعی اصطلاحوں کے استعمال سے روک دیں جو دعویٰ ماموریت و مہدویت کی وجہ سے ناگزیر طور پر استعمال کی جائیں گی۔ تم خود ہی انصاف کرو کہ اگر مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تمہاری نظر میں مسیح و مہدی نہیں۔ بلکہ اپنے دعویٰ میں کاذب ہیں۔ تو جب کبھی وہ مسیح موعود یا مہدی معہود آئے گا۔ جو تمہاری نظر میں صحیح و صادق اور منجانب اللہ ہوگا۔ تو تب تم اُس کے ماننے والوں یا نہ ماننے والوں میں کوئی امتیاز قائم کروگے یا نہیں؟ اور اگر امتیاز کروگے تو کن اصطلاحوں سے؟ اگر وہ اصطلاحیں یہی ہوں گی تو پھر اعتراض کیا ہے؟ پس جو لوگ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مسیح موعود یا مامور من اللہ و اُمتی نبی مانتے ہیں۔ تو وہ ماننے اور نہ ماننے والوں کے لئے اسلام کی مقررہ اصطلاحیں استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔

بات دراصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ لفظ "کفر" کو بطور ایک گالی کے تصور کیا جانے لگا ہے اور گالی ظاہر ہے کہ بُری ہی معلوم ہوتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ حقیقت کفر سے عوام اتنے زیادہ متاثر نہیں معلوم ہوتے جتنا لفظ "کفر" سے۔ لیکن اگر ان الفاظ کو جذباتی کیفیت و اثر سے علیحدہ ہو کر دیکھا جائے۔ تو یہ صرف ایک اصطلاح ہے جو ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان

امتیاز کے لئے قائم کی گئی ہے۔ اگر درحقیقت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعاوی کا نہ ماننا اور اُن کی تکذیب و تضحیک ابتغاءً لمرضات اللہ ہے۔ اور بموجب برکات و ثمرات اُخروی ہے۔ تو ان کے فتویٰ کفر سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اگر وہ کسی کو کافر کہیں بھی۔ تو اس سے کسی کا فی الواقع کوئی نقصان نہیں ہے۔ پس محض اصطلاح کے استعمال سے چڑنے یا آشفتہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

مسیح موعود تو بوجہ مامور من اللہ ہونے کے اپنے نہ ماننے والوں پر کفر کی شرعی اصطلاح منطبق کرتے ہیں۔ لیکن علماء نے تو فقہ میں ایک مستقل باب ہی اس کے لئے قائم کر دیا ہے۔ جس میں ہر اک ایسے کلمہ گو اور مدعی اسلام کو جو ان حرکات کا مرتکب ہوتا ہے جن کا ذکر فقہ میں ہے کافر ہی کہا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دیوبندی علماء نے بریلویوں اور بریلویوں نے دیوبندیوں کی اور شیعوں نے سُنیوں اور سُنیوں نے شیعوں کی علانیہ تکفیر کی۔ اور اب بھی روزانہ اسی تکفیر بازی کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کفر بازی کے مشغلہ سے ہر ایک فرقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ دُور کیوں جائیے ابھی حال ہی میں علماء دیوبند کی تکفیر کی نسبت ہندوستان کے تین سو علماء کا فتوے شائع ہوا ہے۔ جو بڑے خوشنما شجرے کی وضع میں نہایت ہی قیمتی کاغذ پر عمدہ طباعت کیساتھ مولوی محمد ابراہیم صاحب بھاگلپوری نے لکھنؤ سے طبع کرا کے شائع کیا ہے۔ اس میں ہمارے شہر حیدرآباد دکن (صَانَهَا اللّٰهُ عَنِ الشُّرُوْرِ وَالْفِتَنِ)[1] کے علماء عظام محمد بادشاہ حسینی صاحب مولوی وحید قادری صاحب۔ مولوی عبدالقدیر صاحب صدیقی (سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ) کے نام بھی ہیں۔ دعویدار مسیح موعود کو تو ایک منصبی حق حاصل ہے۔ لیکن علماء اور مشائخین کو اس قسم کا حق کس نے عطا کیا ہے؟ پھر یہ فتویٰ کفر علماء دیوبند کے جن عقائد و کلام پر ہے۔ وہ بھی ملاحظہ ہوں۔ فتویٰ میں اُن کی کتابوں سے جو اقتباسات لئے ہیں اور ان اقتباسات پر جو نمک مرچ لگایا گیا ہے۔ وہ جناب یزنی صاحب کی چشم ناتوان کے لئے سرمۂ عبرت ہوسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

---

[1] اللہ تعالیٰ اس شہر کو شر اور فتنوں سے بچائے۔

"(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) (نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم)

## وہابیہ دیوبندیہ عقائد والوں کی نسبت تین سو علماء اہلسنت والجماعت کا متفقہ فتویٰ

برادران! اس زمانے میں اسلام کو جتنا نقصان صرف وہابیہ دیوبندیہ کے اکیلے گروہ نے پہنچایا ہے۔ تمام باطل فرقے مجموعی طور پر بھی اتنا نقصان نہیں پہنچا سکے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ برخلاف اور فرقوں کے وہابیہ دیوبندیہ نے اپنا کوئی علیحدہ نام نہیں رکھا۔ بلکہ اسلام سے علیحدہ ہوجانے کے بعد بھی یہ فرقہ اپنے آپ کو سُنّی حنفی کے نام سے ظاہر کر رہا ہے اور ناواقف سُنّی حنفی بھائی اسی وجہ سے دھوکہ کھاتے اور اپنا ہمخیال سمجھ کر خلا ملاء رکھنے کی وجہ سے ان کے دامِ فریب میں پھنس جاتے ہیں۔ اسلامی انجمنوں نے یہ حال دیکھکر فتووں رسالوں اور اشتہاروں کا ایک ایسا سلسلہ جاری کیا ہے۔ جن کے ذریعہ سے ناواقف سُنّی حنفی بھائیوں کو عام طور پر معلوم ہوجائے کہ وہابیہ دیوبندیہ کا اپنے آپ کو سُنّی حنفی ظاہر کرنا بڑا دھوکا ہے۔ دراصل یہ اشد ترین مرتد کافروں کا ایک گروہ ہے جس کی نظیر دنیا کے پردے پر کہیں نہیں پائی جاتی۔ ہماری یہ تحریر بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس میں وہابیہ دیوبندیہ کے چند عقیدے بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں۔ مسلمان بھائی ان کو پڑھ کر خود سمجھ جائیں گے کہ یہ لوگ مسلمان ہیں یا مرتد دشمن ایمان۔ اور وہ عقیدے یہ ہیں:۔

(۱) خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔ (۲) وعدہ خلافی کرسکتا ہے (۳) ہم نہیں مانتے کہ خدا کا جھوٹ بولنا محال ہے۔ تقویۃ الایمان ص۳ و رسالہ یک روزی مولوی اسمٰعیل دہلوی آنجہانی امام وہابیہ۔ و امداد الفتاویٰ مولوی اشرف علی تھانوی ص۱۰۶ و ص۱۰۱ و ص۱۱۲ تا ص۱۱۵ و براہین قاطعہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی آنجہانی ص۲۷۲۔ یہ تو تھا اللہ جلشانہ کے متعلق وہابیہ دیوبندیہ کا عقیدہ۔ اب ملاحظہ ہو ولیوں اور نبیوں کی بابت انکا ہذیان۔

(۱) اولیاء انبیاء سب عاجز بندے اور ہمارے بھائی ہیں۔

(۲) انسان آپس میں سب بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی ہے۔

(۳) ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے ذلیل ہے۔ تقویۃ الایمان ص۱۴ تا ص۲۲

پہلی عبارت میں تو اولیاء و انبیاء کو عاجز بندے ہونے میں اپنی طرح بتایا۔ اور دوسری میں

جو بڑا بزرگ ہو، اس کو اپنا بڑا بھائی ٹھہرایا ہے۔ اور تیسری میں ان چھوٹوں بڑوں سب کو ملا کر خدا کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل بتایا۔ کیوں اے مسلمان بھائیو جب اولیاء انبیاء کو اپنا بڑا بھائی بتایا تو اُن کو اپنے باپ کے رُتبہ سے کم ٹھہرایا یا نہیں کہ بڑے بھائی کا رُتبہ باپ کے رُتبہ سے یقیناً کم ہوتا ہے۔ اور جب اولیاء انبیاء کو خدا کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ٹھہرایا تو چمار کو اُن سے بدرجہا افضل بتایا یا نہیں کہ جو چمار سے بھی ذلیل ہو تو چمار یقیناً اس سے افضل ہوگا۔ پس جب یہ لکھا کہ اولیاء انبیاء اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی افضل نہیں تو اس کا مطلب یہی ہوا یا نہیں۔ کہ اللہ کی شان کے آگے چمار اولیاء انبیاء سے بھی افضل ہیں۔ یہ ہے خدا و انبیاء کے متعلق وہابیہ دیوبندیہ کے عقائد کا نمونہ۔ یہ تو عموماً سب انبیاء کے لئے تھا۔ اب خاص طور پر حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دیکھئے :۔

(۱) ابلیس اور ملک الموت کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ اس خبیث عقیدے کے متعلق وہابیہ دیوبندیہ کے مقتداء کی خاص عبارت یہ ہے :۔

"شیطان اور ملک الموت کو تو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نصِ قطعی ہے۔ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ یہ شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ (دیکھو براہین قاطعہ صفحہ ۴۷)

(۲) جیسا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا ایسا علم تو ہر بچے اور ہر سڑی۔ سودائی خبطی بلکہ تمام حیوانوں اور چوپاؤں کو (جس میں بیل۔ بھینسے۔ گدھے۔ بندر اور ہاتھی۔ گھوڑے کتے سوّر سب داخل ہیں) حاصل ہے۔ یہ وہابیہ دیوبندیہ کے حکیم الامۃ مولوی اشرف علی تھانوی کی "حفظ الایمان" میں ہے۔ اُن کے اصل الفاظ یہ ہیں :۔

"آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا اطلاق کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض علم غیب ہے یا کل۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو ہر صبی (مجنون) بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے"۔ (صفحہ ۷ حفظ الایمان)

مولوی محمود الحسن دیوبندی نے جو دیوبندیوں میں شیخ الہند کہلاتے ہیں۔ اور مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کے خلیفہ ہیں اپنے مرشد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی لکھا ہے (اصل الفاظ یہ ہیں) :-

"زباں پر اہل اہوا کی ہے کیوں اُعلُ ہبل شاید + اُٹھا عالم سے کوئی بانیٔ اسلام کا ثانی"

پھر انہی صاحب نے اپنے انہی مرشد گنگوہی صاحب کے کلوٹے غلام کو حضرت یوسف کا ثانی قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے ؎

"قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں + عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی"

پھر انہی صاحب نے اپنے پیر کی لاش کو خدا اور اُن کی قبر کو کوہ طور اور اپنے آپ کو موسیٰ ٹھہرایا ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔ ؎

"تمہاری تربت انور کو دے کر طور سے تشبیہ + کہوں ہوں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی"

یعنی جس طرح حضرت موسیٰؑ نے طور پر اللہ تعالیٰ سے عرض کی تھی۔ اسی طرح میں مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کی تربت کو طور قرار دے کر انکی لاش سے ارنی کہتا ہوں۔ "معاذ اللہ"

پھر انہی صاحب نے لکھا ہے۔ ؎

"پھریں تھے کعبہ میں بھی ڈھونڈتے گنگوہ کا رستہ + جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق وشوقِ عرفانی"

اس ناپاک شعر میں کھلے طور پر گنگوہ کو کعبہ سے افضل کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ذوق وشوقِ عرفانی رکھنے والوں کو جب کعبہ میں عرفان میسر نہ آیا اور وہ عرفان حاصل کرنے کے شوق وجوش میں گنگوہ کا راستہ دریافت کرتے پھرتے تھے۔ تا جلد کعبہ کو چھوڑ جہاں انہیں عرفان حاصل نہیں ہوا گنگوہ کا رستہ لیں۔ اور گنگوہی کی قبر کو طور اور اُن کی خیالی لاش کو خدا تصوّر کر کے ارنی کہنے اور عرفان حاصل کرنے کا موقعہ پائیں۔ (نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات)

پھر یہی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے تو صرف مُردوں ہی کو زندہ کیا تھا۔ مگر گنگوہی صاحب نے دو کام کئے۔ یعنی جو مر چکے تھے اُن کو تو زندہ کر دیا۔ اور جو زندہ تھے ان کی موت کا رستہ بند کر دیا اور انہیں مرنے سے مستثنٰی کر دیا۔ پس حضرت مسیح کی مسیحائی

گنگوہی صاحب کی مسیحائی کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتی ہے۔ حضرت مسیح کو چاہیئے کہ
اس گنگوہی صاحب کی مسیحائی کو دیکھیں۔ یعنی اس کے قائل ہوں اور اس پر ایمان لائیں
اصل الفاظ دیوبندی صاحب کے یہ ہیں ؎

"مُردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا + اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم"

بھائی مسلمانوں فرقہ دیوبندیہ شیطانیہ ناواقف سُنّی حنفی بھائیوں کو یہ مغالطہ دیا کرتا
ہے کہ ہمارے بزرگوں کی عبارتیں تبدیل وتغیر اور قطع وبُرید کرکے پیش کی جاتی ہیں۔ اور ان کا
مطلب سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے بھی غلط بیان کیا جاتا ہے۔ ہم نے ان دونوں مغالطوں
کا قلع قمع کر دینے کی غرض سے ۲ دو کام کئے ہیں۔ ایک یہ کہ جو عبارتیں ان کے بڑوں کی نقل
کی ہیں وہ بقید صفحہ و نام کتاب نقل کی ہیں تا جو چاہے مقابلہ کرکے اطمینان کرلے۔ اور
اس پر بھی بس نہ کرکے ہر عبارت کے متعلق سوا سو ۱۲۵ روپیہ انعام بھی مقرر کر دیا ہے۔ یعنی جو
عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔ اگر اُن میں سے کوئی عبارت دیوبندی ملاؤں کی کتابوں میں نہ نکلے
تو فی عبارت سوا سو روپیہ دیا جائیگا۔ دوسرے ہم نے دیوبندی صاحبان کی کتابوں سے ایسی عبارتیں نقل کی ہیں
کہ معمولی اُردو خواں بھی اُنکا مطلب آسانی سے سمجھ لیں۔ علاوہ اس کے ان عبارتوں کے متعلق بہت سے علماء کے
فتووں کا خلاصہ بھی نقل کئے دیتے ہیں تا ظاہر ہو جائے کہ ان عبارتوں کا مطلب سمجھنے میں غلطی نہیں ہوئی ہے۔
کون مان سکتا ہے کہ تمام ہندوستان کے علمائے اہل سنت ان دیوبندی اصحاب کی اُردو
عبارتوں کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں اور ان فتووں کا خلاصہ جو علمائے موصوف نے انہیں مندرجہ بالا عبارتوں کی وجہ سے

" وہابیہ دیوبندیہ اپنی عبارتوں میں تمام اولیاء وانبیاء حتّٰی کہ حضرت سید الاولین و
آخرین صلی اللہ علیہ وسلم اور خاص ذات باری تعالےٰ شانہٗ کی اہانت وہتک کرنے کی
وجہ سے قطعاً مرتد و کافر ہیں اور اُن کا ارتداد و کفر سخت سخت اشد درجہ تک پہنچ
چکا ہے ایسا کہ جو ان مرتدوں اور کافروں کے ارتداد و کفر میں ذرا بھی شک کرے وہ بھی انہی جیسا
مرتد و کافر ہے۔ اور جو اس شک کرنے والے کے کفر میں شک کرے وہ بھی مرتد و کافر ہے۔
مسلمانوں کو چاہیئے کہ اُن سے بالکل ہی محترز و مجتنب رہیں۔ اُن کے پیچھے نماز پڑھنے کا ذکر

---

؎ یہ عبارت مولانا برنی صاحب اور اُن کے حامیوں کی توجہ خاص کے قابل ہے۔

ہی کیا اپنے پیچھے بھی ان کو نماز نہ پڑھنے دیں- اور نہ اپنی مسجدوں میں گھسنے دیں نہ اُن کا ذبیحہ کھائیں- نہ اُن کی شادی غمی میں شریک ہوں نہ اپنے ہاں اُن کو آنے دیں- یہ بیمار ہوں- تو عیادت کو نہ جائیں -مریں تو گاڑنے تو پنے میں شرکت نہ کریں مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ نہ دیں-غرض ان سے بالکل احتیاط و اجتناب رکھیں ''

یہ ہے حضرات علمائے اہل سُنت کے فتووں کا خلاصہ اور یہ فتوے دینے والے صرف ہندوستان ہی کے علماء نہیں ہیں- بلکہ جب وہابیہ دیوبندیہ کی عبارتیں ترجمہ کر کے بھیجی گیئں تو افغانستان و خیوا و بخارا وایران ومصر وروم وشام اور مکہ معظمہ و مدینہ منورہ وغیرہ تمام دیار عرب وکوفہ و بغداد شریف غرض تمام جہان کے علمائے اہل سنت نے بالاتفاق یہی فتوٰی دیا ہے کہ ان عبارتوں سے اولیاء انبیاء اور خود خدائے تعالٰی شانہ کی سخت سخت اشد اہانت و توہین ہوئی- پس وہابیہ دیوبندیہ سخت سخت اشد مرتد و کافر ہیں- ایسے کہ جو ان کو کافر نہ کہے خود کافر ہو جائے گا- اس کی عورت اس کے عقد سے باہر ہو جائیگی اور جو اولاد ہوگی وہ حرامی ہوگی- اور از روئے شریعت ترکہ نہ پائیگی- چونکہ وہابیہ دیوبندیہ پر ارتداد وکفر کا فتویٰ دینے والے علماء اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان تمام کے اسماء مبارکہ معہ مختصر حال اور پتہ کے ساتھ درج کئے جائیں تو کئی مجلدات میں بھی نہ سمائیں- اس لئے صرف چند ہی اسمائے گرامی ایک شجرکی صورت میں جو پیش نظر ہے درج کئے جاتے ہیں- جن کو تفصیل دیکھنی ہو وہ دیکھیں :—

(۱) تقدیس الوکیل (۲) السیف المسلول (۳) عقائد وہابیہ و دیوبندیہ (۴) تاریخ دیوبندیہ (۵) حسام الحرمین (۶) فتاوی الحرمین (۷) الصوارم الہندیہ علٰی مکر شیاطین الدیوبندیہ وغیرہ وغیرہ- وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -

المعلن

خاکسار محمد ابراہیم بھاگلپوری

---

نوٹ للمولف :- معلوم نہیں مولانا برنی اور اُن کے ہمنوا علماء عالم کے اس متفقہ فتوی پر عمل پیرا ہیں یا نہیں ؟

ناظرین نے ملاحظہ فرمایا جناب برنی صاحب اور اُن کے حامی و ہم لہجہ بزرگوں کے یہ کرشمے ہیں۔ علماء ہند و شام و عراق اور سارے عالم اسلامی کے نام لے کر شخصیت کو متعین کر کے اُن کے کلام کے اقتباسات دیکر مشہور ترین علماء دیوبند کو جو سربرآوردہ روزگار ہیں بیدھڑک کافر کہدیا۔ اور کافر بھی ایسا جس کے کفر میں شک بھی بدترین کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اور کفر کیسی صاف وصریح عبارتوں سے ثابت کیا گیا اور عبارت کے ساتھ کتاب کا نام و صفحہ بھی لکھدیا۔ اس سے زیادہ متانت اور سنجیدگی اور کیا ہو گی۔ جناب برنی صاحب نے غالباً ان ہی سے سبق لیا ہے۔ مبارک۔

اس کے بعد ملاحظہ فرمائیے یہی علماء دیوبند اور اُن کے فیض یافتہ حضرت مولنٰنا اشرف علی تھانوی و مولنٰنا بشیر احمدؒ صاحب عثمانی ایک دوسرا فتوی کفر ہاتھ میں لیکر اُٹھے ہیں۔ اور مولانا شبلی اور اُن کے بھائی مولوی حمید الدین صاحب فراہی پر جو ہمارے شہر کے مشہور مدرسہ دار العلوم کے پرنسپل رہ چکے ہیں اور جن کی قرآن فہمی مشہور اور مسلّم ہے اور جن کے تقویٰ کا ایک بڑا گروہ گواہ ہے۔ علمائے دیوبند مذکور نے کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ جس کے لئے ہمارے شہر کے مذہبی رسالہ "ترجمان القرآن" کو اپنے جمادی الاول ۱۳۵۵ھ میں ایک مقالہ لکھنا پڑا۔ جس کو ہم نے صفحہ ۶ تا ۸ باب دوم پر درج کیا ہے۔ رسالہ "قادیانی مذہب" طبع چہارم و پنجم کی تیرھویں فصل کا یہ جواب کافی ہے۔ ۱۰-۱۱-۱۲-۱۴ کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے اس کے بعد تین۳ فصول یعنی ۱۵ تا ۱۷ میں زیادہ تر جماعت احمدیہ کے باہمی اختلافات کے متعلق اقتباسات دئے گئے ہیں۔ اِن فصول کو براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی و دلائل اور اُن کی تکذیب یا تردید سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ان کے جوابات ضروری نہیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی جماعتوں میں اس قسم کے اختلافات یا امت مرحومہ کے باہمی اختلافات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ انہی اختلافات کی وجہ سے بہتر۷۲ نہیں بلکہ بہتر سے بہت زیادہ فرقے اس اُمت میں قائم ہو گئے ہیں اور ایک دوسرے کو جو کچھ کہتا ہے اس سے دنیا ناواقف نہیں۔ اس لئے یہ اختلافات کسی مامور من اللہ کے دعویٰ کی صداقت پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتے۔

اٹھارھویں فصل میں حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے داخلی نقشہ کے نام سے ۳۶ عنوانات ہیں۔ ابتدا اس فصل کی "ابتدا و انتہا" کے عنوان سے کی ہے۔ اور اسی سلسلہ میں

براہین احمدیہ کی ابتدائی تالیف اور اس کی طبع و اشاعت کا ذکر کر کے حضرت مسیح موعود ؑ کے ابتدائی دعویٰ اور ما قبل و ما بعد دعویٰ کے چند مزید ادوار از سر نو جناب مؤلف غلام نے مقرر فرمائے اور انہی مضامین کو جو کتاب زیر جواب کی طبع اول میں آگئے ہیں کہیں تکرار بیان کیا ہے اور کہیں اپنے بیانات کو تقویت دینے کے لئے کچھ جدید عنوانات قائم کر کے نئے اقتباس اُنہی پُرانے مضامین کی نسبت دے دئے ہیں۔ منشاء صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو دو طریقوں سے مطعون کیا جائے۔ اول یہ کہ آپ کے مذہبی خیالات منقلب ہوتے رہے۔ دوسرے یہ کہ کتاب براہین احمدیہ صرف ایک ذریعہ جلب منفعت تھی۔ ان دونوں اعتراضات کے متعلق ہماری جماعت کی طرف سے بار بار جوابات دئے جا چکے ہیں اور اب یہ دونوں اعتراضات ناقابل اعتناء ہو گئے ہیں۔

انسانی زندگی میں مختلف حالات و خیالات کا انقلاب ہر ایک انسان پر گذرتا ہے۔ اور انبیاء و اولیاء و مصلحین بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ہم اپنی کتاب "تصدیق احمدیت" میں اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ باقی رہا کتاب براہین احمدیہ کے ذریعہ منفعت حاصل کرنا اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دنیا کو یہ نعمت دیکر اپنی ذات کے لئے کوئی منفعت حاصل کی تھی۔ اس اتہام اور الزام کا اللہ تعالٰے نے خود اپنی زبان سے جو جواب دیا ہے۔ وہ ایک مومن اور متقی کے لئے کافی ہے۔ سُنو اور کان کھول کر سُنو۔ اگر دل میں تقویٰ کا ذرا بھی اثر ہے تو اس جواب کے بعد زبان بند کرو :-

"وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ"[1]

---

[1] اور نبی کیلئے خیانت کرنا ہو ہی نہیں سکتا اور جو خیانت کرتا ہے وہ قیامت کے دن اس فعل کے ساتھ (خدا کے حضور) آئے گا۔ پھر ہر شخص کو اس کے کسب عمل کا پورا اجر دیا جائے گا۔ اور ان سے کوئی کمی نہ کی جائیگی۔ کیا رضوان الٰہی کا طالب و متبع اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو غضب الٰہی کا مورد ہوا۔ اور جس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جو سب سے بُرا ٹھکانا ہے۔ (پ ۴ ع ۸)

براہین احمدیہ کو پڑھو اور دیکھو کہ کیا یہ کام اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھا یا نہیں اور جیسا کہ دوسرے مخالفین نے قبول کیا ہے اگر آپ بھی از راہ انصاف یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ یہ کام تو ضرور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھا۔ تو پھر سوچو کہ جو شخص اس طرح اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہمہ تن مستعد و آمادہ ہو جائے کیا وہ رضوان الٰہی سے محروم ہو جائے گا؟ اگر نہیں تو پھر آیت محولہ بالا کو پڑھو اور کلام الٰہی کے اس زور اور قوت و نور کو محسوس کرو "اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ" کی دلیل کس طرح حضرت مسیح موعودؑ کی صفائی اور برات کر رہی ہے لیکن اگر اس پر بھی آپ کو تسکین نہ ہو اور کلام الٰہی کا صاف و شفاف و صحت بخش پانی آپ کی آتش بغض و حسد کو بجھا نہ سکے۔ تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے حسب ذیل اعلانات ملاحظہ ہوں :-

"ہم نے بعض جاہلوں کے ناحق کے شور و غوغا کا خیال کر کے دو مرتبہ اشتہار دیدیا کہ جو شخص براہین احمدیہ کی قیمت واپس لینا چاہے وہ ہماری کتابیں ہمارے حوالہ کرے اور اپنی قیمت لے لے۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے تھے انہوں نے کتابیں بھیج دیں اور قیمت واپس لے لی۔ اور بعض نے کتابوں کو بہت خراب کر کے بھیجا مگر پھر بھی ہم نے قیمت دیدی . . . . . . . . . . . . . . . . اب مجدداً ہم یہ چند سطور بطور اشتہار لکھتے ہیں)۔ کہ اگر اب بھی کوئی ایسا خریدار چھپا ہوا موجود ہے۔ جو غائبانہ براہین کے توقف کی شکایت رکھتا ہے تو وہ فی الفور ہماری کتابیں بھیج دے۔ ہم اس کی قیمت جو کچھ اس کی تحریر سے ثابت ہو گی اس کی طرف روانہ کر دیں گے۔ اور اگر کوئی باوجود ہمارے ان اشتہارات کے اب بھی اعتراض کرنے سے باز نہ آوے تو اس کا حساب خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔" (ایام الصلح صفحہ ۱۷۳-۱۷۴)

"اور کیوں مجھ پر یہ الزام لگاتے ہو کہ براہین احمدیہ کا روپیہ کھا گیا ہے۔ اگر میرے پر تمہارا کچھ حق ہے جس کا ایماناً تم مواخذہ کر سکتے ہو یا اب تک میں نے تمہارا کوئی قرضہ ادا نہیں کیا۔ یا تم نے اپنا حق مانگا اور میری طرف سے انکار ہوا۔ تو ثبوت پیش کر کے وہ مطالبہ مجھ سے کرو۔ مثلاً اگر میں نے براہین احمدیہ کی قیمت کا روپیہ تم سے وصول کیا ہے۔ تو تمہیں خدا تعالیٰ کی قسم ہے جس کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے کہ براہین احمدیہ کے وہ چاروں حصے

میرے حوالہ کرو اور اپنا روپیہ لے لو۔ دیکھو میں کھول کر یہ اشتہار دیتا ہوں کہ اب اس کے بعد اگر تم براہین احمدیہ کی قیمت کا مطالبہ کرو اور چاروں حصے بطور وی۔ پی۔ ایبل میرے کسی دوست کو دکھا کر میری طرف بھیج دو اور میں اُن کی قیمت بعد لینے اُن چہار حصوں کے ادا نہ کروں تو میرے پر خدا کی لعنت ہو۔ اور اگر تم اعتراض سے باز نہ آؤ اور نہ کتاب کو واپس کر کے اپنی قیمت لو تو پھر تم پر خدا کی لعنت ہو"

(اربعین نمبر ۴ صفحہ ۲۳ اشتہار مورخہ ۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء)

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان واضح اور کھلے اشتہارات کے بعد آپ کے خلیفۂ وقت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کا وہ تازہ اعلان پڑھ لو جو کہ آپ نے خطبہ مندرجہ اخبار الفضل قادیان مورخہ ۱۳۔ نومبر سنہ ۱۹۳۵ء میں فرمایا ہے کہ :۔

"جو کوئی اس کا دعویدار ہو کہ اس نے براہین احمدیہ کے لئے کوئی قیمت یا رقم دی ہے۔ اور اس کو براہین احمدیہ کے ذریعہ اس کا پورا معاوضہ نہیں ملا۔ تو دعویدار کی طرف سے معقول ثبوت ملنے پر وہ رقم ہم بحیثیت وارث حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہونے کے واپس کرنے پر آمادہ ہیں"

پس یہ کافی جواب رسالہ "قادیانی مذہب" کی اٹھارھویں فصل کا ہے۔

اُنیسویں فصل "پیچ رنگ" کے عنوان سے مرتب کی گئی ہے اور یہ عنوان واقعی ہے بھی اس فصل کے لئے موزوں۔ کہ جس میں کسی خاص رنگ پر جناب برنی صاحب کو قرار نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آتش زیر پا ہیں۔ ع

جو جل اُٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

کبھی مرزا صاحب کے مخالفین کو سامنے کھڑا کر کے اُن کے پس پشت جا بیٹھتے ہیں اور کبھی اُن دماغی مریضوں کو سامنے کر دیتے ہیں۔ جن کے نبوت کے دعاوی باطل برنی صاحب کی نظر میں اس قابل ہیں کہ ان پر پبلک غور کرے اور حسب ارشاد علامہ ممدوح یہ تسلیم کرے کہ یہ پانچویں جماعت وہ ہے۔ "جس نے مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کو مان کر خود بھی فائدہ اُٹھایا۔ اور ان کی ماتحتی میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ گویا مرزا صاحب کا مسلک و مذہب حد کو پہنچا دیا"

اگر واقعی ان پاگلوں کا دعویٰ نبوت استدلال کے قابل ہے اور ان کی بے راہ روی سے حضرت مرزا صاحب کے دعاوی پر کافی زد پڑتی ہے۔ تو برنی صاحب اُن مخالفین و معاندین اسلام کو کیا جواب دیں گے۔ جو "حدیث" ثَلَاثُوْنَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِيُّ اللّٰهِ" پر استدلال کر کے اُمت کے ان جملہ کذابوں کو حوالہ میں پیش کر دیں گے جو اس موجودہ زمانہ سے قبل اُمتِ محمدیہ میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اور جن کی طرف نواب صدیق حسن خانصاحب نے اپنی کتاب حجج الکرامہ فصل ۲۰ ص۲۳۳ تا ص۲۳۹ میں اشارہ کیا ہے۔ اور دوسرے علماء نے اس کی صراحت کی ہے۔ کیا اُمت محمدیہ میں اس قسم کے کذابوں کا پیدا ہونا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و فیض تعلیم کا نتیجہ ہے؟ کیا اس قسم کے پاگلوں سے اسلام پر کوئی حرف آسکتا ہے؟

جناب برنی صاحب اور اُن کے حامی اس بات پر غور کریں اور اس کے بعد احمدی جماعت اور اس کے افتراق اور اختلافات و غالیوں اور پاگلوں کی دماغی خرابی سے احمدیت کے خلاف استدلال کریں۔ مسیلمہ کذاب۔ سجاح اور اسود عنسی کے دعاوی تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات ہی سے شروع ہو گئے تھے۔ اور خلفاء کے زمانہ میں بمشکل یہ فتنہ دفع ہوا۔ اس سلسلہ میں جناب مصنف علامہ نے بعض اُن اشخاص کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ جو پہلے حضرت مسیح موعودؑ سے حُسن ظن رکھتے تھے یا آپ کے مُرید تھے اور بعد میں مرتد ہو گئے حالانکہ ارتداد کے لئے خود کلام پاک نے ہم کو اطلاع دی ہے کہ "مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ"[1]

قرآن پاک نے جس ممکن الوقوع واقعہ کو بیان کر کے اس پر احکام مرتب کر دئے اس کا وقوعہ اُمتِ محمدیہ میں ضروری ہے۔ چنانچہ خود کاتب وحی مرتد ہو گیا تو اسلام کا کیا بگڑ گیا؟

---

[1] جو کوئی تم سے مرتد ہو جائے اپنے دین سے اور پھر کفر کی حالت ہی میں مرے تو وہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے۔ یہ جہنمی ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ (پ ۲ ع ۱۱)

اسی طرح ہزاروں آدمی مرتد ہو گئے یا ہوتے رہے ہیں تو اس سے اسلام کی صداقت پر کیا اثر پڑتا ہے ؟ کیا برقی صاحب کسی مسلمان کے ارتداد کو اسلام کے کذب کی دلیل قرار دینا چاہتے ہیں ؟
" نعوذ باللہ منھا"۔ یہ ہے جناب برقی صاحب کا "پیچ رنگ"۔ کیا رنگ لائے ہیں اور کن کن کونوں میں منہ چھپاتے پھرتے ہیں مگر کہیں مفر نہیں ملتا اور نہ انشاء اللہ ملیگا۔ "فَاَیْنَ الْمَفَرُّ"

اس گھبراہٹ اور پریشانی میں جو "پیچ رنگ" کی ترتیب سے ظاہر ہے فاضل برقی نے مولوی ثناء اللہ کے آخری فیصلہ کو بھی اسی رنگ میں چھپا دینے کی کوشش کی ہے۔ پہلے یہ عنوان طبع اول کی فصل چہارم کا آخری اور دسواں عنوان تھا۔ جس کا دندان شکن تفصیلی جواب ایک طرف ہم نے اپنی کتاب "تصدیق احمدیت" کے صفحہ ۱۹۷ تا ۲۰۲ میں دیا ہے اور دوسری طرف مولانا علی محمد صاحب اجمیری نے اپنی لاجواب کتاب "ہمارا مذہب" میں بصفحہ ۳۵۸ تا ۳۶۲ دیگر "تا بخانہ باید رسانید" کا مقولہ پورا کر دیا۔ ان جوابات کی تکذیب یا تردید کی قوت نہ پاکر اس دفعہ جناب برقی صاحب نے اس عنوان کو اپنے اصلی اور پہلے مقام سے ہٹا کر "پیچ رنگ" میں چھپا دینے کی کوشش کے ذریعہ سے اپنے ششدر ہونے کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔ ہمارے جوابات متذکرہ بالا کا ماحصل یہ ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس فیصلہ کن دعا کو جو آخری فیصلہ کے لئے کی گئی تھی قبول نہیں کیا۔ اور حضرت اقدس مرزا صاحب نے اس دعا کو صرف اس لئے ان کے پاس بھیجا تھا کہ وہ خود اس کو شائع کریں۔ اور پھر اپنی طرف سے جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔

مولوی صاحب نے اس کے نیچے لکھا تو یہ لکھا کہ "یہ طریق فیصلہ مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے"۔ اور نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کیا بلکہ یہ دعویٰ کر دیا کہ :-

" خدائے تعالیٰ جھوٹے دغاباز مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کر لیں "

اور اپنے اس دعویٰ کی تائید میں مسیلمہ کذاب کے واقعہ کو بیان کرکے لکھا کہ

" آنحضرت فداہ روحی کا انتقال مسیلمہ کذاب کی زندگی میں ہوا اور وہ زندہ رہا۔ آنحضرتؐ باوجود سچے نبی ہونے کے مسیلمہ کذاب سے پہلے انتقال فرما گئے اور مسیلمہ باوجود

کذاب ہونے کے صادق سے پیچھے مرا۔"

یہ لکھ کر مولوی ثناء اللہ نے صاف کہہ دیا کہ "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں ہے اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے"۔ اس طرح حضرت اقدس مرزا صاحب کی تحریر سے مولوی ثناء اللہ نے گریز کر کے یہ قرار دیا کہ صحیح معیار یہ ہے کہ "صادق کاذب کی زندگی میں فوت ہوتا ہے"۔ خدا کی قدرت دیکھئے مولوی ثناء اللہ نے حق و باطل کے پرکھنے کے لئے جو معیار اپنے لئے قرار دیا ہے۔ اس کے مطابق اُن کا فیصلہ بارگاہِ الٰہی سے ہو گیا۔ "اَلْمَرْءُ یُؤْخَذُ بِاِقْرَارِہٖ" کیا صاف واضح آخری فیصلہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہو گیا۔ لیکن ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ٭ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ہم نے اپنے جواب متذکرہ بالا میں صراحت کی تھی کہ حضرت مرزا صاحب کے آخری فیصلہ کے اعلان کی آخری سطور جناب برنی صاحب نے ترک کر دی ہیں (تصدیق احمدیت صفحہ ۲۰۰ تا ۲۰۲ (ضمیمہ صفحہ ۱۶۸ تا ۱۶۲) جو یہ الفاظ ہیں:۔

" بالآخر مولوی ثناء اللہ صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھدیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

ایک طرف تو برنی صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے اس فقرہ کو حذف کر دیا دوسری طرف مولوی ثناء اللہ نے اس تحریر پر اپنے اخبار اہلحدیث ۲۶۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں جو کچھ لکھا تھا وہ پوشیدہ رکھا اور یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس دعا کے متعلق مسیح موعودؑ کی تحریر کے مطابق کیا لکھا۔ ہم نے اپنی کتاب "تصدیق احمدیت" میں مولوی ثناء اللہ صاحب کی پوری تحریر درج کر دی تھی۔ جس کا خلاصہ اوپر دیدیا گیا ہے۔ لیکن برنی صاحب کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ ہمارے اس جواب کی تغلیط کے لئے زبان ہلا سکتے اور ایک لفظ بھی اپنے بے باک قلم سے لکھ سکتے۔ مگر باوجود اس کے اُن کی ڈھٹائی قابلِ دید ہے۔ کہ وہی عنوان جو طبع اوّل کی فصل چہارم میں نمبر ۱۰ پر آخری فیصلہ کے نام سے قائم کیا تھا وہ اب بھی قائم ہے۔ لیکن اس مرتبہ اُس فصل سے نکال کر اس عنوان کو آخری فصل "پیچر نگ" میں ڈال دیا ہے اور اقتباس میں کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ یہ اضافہ بھی ملاحظہ کے قابل ہے۔ ناظرین کرام طبع اول کی فصل چہارم کا عنوان نمبر ۱۰ اور طبع پنجم کی بیسویں فصل کا عنوان نمبر ۳

ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہوگا۔ کہ برنی صاحب جس طرح چاہتے ہیں عبارتوں میں کمی و زیادتی کر دیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ ہر موقعہ پر اُن کی پردہ دری کے لئے سامان بھی بہم پہنچا دیتا ہے۔

اب کی مرتبہ جناب مؤلف "قادیانی مذہب" نے جو اقتباس دیا ہے۔ وہ اس کی کتاب کے صفحہ ۱۰۳۳ کی آٹھویں سطر پر اس طرح ہے "یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے"۔ یہ فقرہ طبع اول میں نہ تھا بلکہ اس فقرہ کو طبع ہائے مابعد میں بڑھایا گیا۔ اور اس ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے دو طریقہ پر برنی صاحب کی پردہ دری کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

(۱) اول یہ کہ برنی صاحب اقتباس کرنے میں بے باک ہیں۔ اپنے مطلب کے لئے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ متکلم کا منشاء کن جملوں سے صحیح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ صرف یہ مدنظر رکھتے ہیں کہ اُن کے عنوان کی تائید کن فقرات سے ہوسکتی ہے۔ اور تحریف مطابق قول باری تعالےٰ اسی کو کہتے ہیں "یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ"[۵۱]

(۲) دوم یہ کہ اس جدید اضافہ شدہ فقرہ ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ محض ایک دعا ہے جو حق و باطل کے تصفیہ کے لئے کی گئی تھی کوئی الہام یا پیشگوئی نہ تھی جس کے اسی طرح بلفظہ پورا ہونے پر اصرار کیا جاسکے۔ پس دعا کے لئے خواہ کوئی بھی لفظ استعمال ہوئے ہوں غرض اور منشاء صرف دعا کا یہ تھا کہ حق و باطل کا تصفیہ ہو۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب کو لکھ دیا گیا تھا کہ دعا جو حق و باطل کے تصفیہ کے لئے کی گئی ہے آپ بھی اس کے ذیل میں جو چاہیں لکھدیں۔ اللہ تعالےٰ کے تصرف کے تحت مولوی ثناء اللہ صاحب نے خود ایک معیار مقرر کر دیا۔ اور اسی معیار کے مطابق دعا کا نتیجہ برآمد ہوا۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ[۵۲]۔ ناظرین اس تفصیل کو ذہن نشین کر کے خود صحیح فیصلہ کرسکتے ہیں کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی دعا کا جو مولوی ثناء اللہ صاحب سے آخری فیصلہ کے لئے کی گئی تھی کیا نتیجہ ہوا۔

پس یہ ہے جناب برنی صاحب کی انیسویں فصل "بیچرنگ" کی کیفیت۔ غالباً آپ تو

---

[۵۱] وہ کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں (پ۵ ع ۴) [۵۲] پاک ہے وہ ذات جس نے دشمنوں کو ذلیل کیا۔

برنی صاحب اپنے "بیچرنگ" کا ماٹھ بگڑتے ہوئے دیکھکر ذوق کا یہ مطلع مزے لیکر پڑھیں گے ؎

نا نا نیرنگ سے ہے رنگ نئے چرخ محیل ؛ واہ بگڑا ہے عجب رنگ سو اس ماٹھ میں نیل

اس کے بعد جناب برنی صاحب کی اس بے بہا علمی تالیف کا "خاتمہ" ہے۔ اس میں دو عنوانات ہیں۔ پہلا عنوان "ابتلاء کی حقیقت" کے الفاظ میں ہے۔ بظاہر اس عنوان سے جو حقیقت برنی صاحب واضح کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے۔ کہ نبوت کے جھوٹے دعاوی کرنے والے دنیا میں کبھی ناکام و تباہ نہیں ہوتے۔ ان کے لئے صرف آخرت ہی میں سزا مقرر ہے۔ اس کا جواب ہم باب پنجم میں دینگے (انشاء اللہ) جس میں معیار صداقت "علیٰ منہاج النبوۃ" پر بحث کی گئی ہے۔ اور عنوان نمبر دوم یعنی "قرآنی احکام" کا نہایت تفصیلی جواب "تصدیق احمدیت" میں دیا جا چکا ہے۔ اور ان تشریحات کے ساتھ جو ان دونوں عنوانات کی مندرجہ آیات مبارکہ کی ہم نے اپنی کتاب مذکور میں کی ہیں۔ ان ہردو عنوانات کی مندرجہ ہر ایک آیت کلام پاک کے ایک ایک شوشہ اور لفظ سے ہم متفق ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ہم کو اور ہماری جماعت کو اور اگر برنی صاحب بُرا نہ منائیں تو اس کے بعد اُن کو اور اُن کے ہمخیالوں کو ابتلاء دنیا سے بچائے اور اپنی مرضی کی راہوں پر چلائے اور وہ ایمان عطا فرمائے جو اس نے اپنے مقبول بندوں کو عطا فرمایا۔ اور ہم سب کو جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے۔ آپؐ پر ایمان لاتے اور آپؐ کو خاتم النبیین تسلیم کرتے ہیں۔ صراط مستقیم پر چلنے اور اُس پر قائم رہنے کی ہدایت فرمائے

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ[1] ۔ اٰمین ثم اٰمین

اے میرے رب اس فتنہ سے اس اُمت مرحومہ کو بچا لے جس کے بچانے کے لئے تو نے ابتداء میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ (بحق محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین)

برنی صاحب اگر غور کریں اور بُرا نہ مانیں تو ہم دردِ دل سے کہتے ہیں کہ خاتمۃ الکتاب کے

---

[1] اے اللہ ہمیں حق حق کر کے دکھا اور اس کی اتباع عطا کر۔ اور باطل باطل کر دکھا اور اس سے اجتناب کی توفیق دے۔ (حدیث)

عنوان دوم کا جو جواب ہم نے "تصدیق احمدیت" کے آخر میں دیا ہے اس کو مکرر ملاحظہ فرمائیں اگرچہ اب کی مرتبہ آپ نے ان آیات کو "قرآنی احکام" کا نام و عنوان دیا ہے لیکن ابتدا میں جب بعد دعا کے ان آیات کی طرف منجانب اللہ آپ کو توجہ دلائی گئی تھی۔ تو آپ نے ان آیات کو نہایت موزون اور صحیح عنوان "قرآنی تنبیہ" کے تحت درج کیا تھا۔ آپ اب بھی اس کو تنبیہ سمجھئے "تنبیہ الٰہی" کے نام سے بچنے کے لئے آپ نے عنوان سابقہ بھی بدل دیا۔ یعنی بجائے اصل عنوان "قرآنی تنبیہ" کے جو آپ کی کتاب کے طبع اول کے صد۲۷ فصل پنجم کا عنوان (۲) تھا۔ اب ہماری اس تشریح کے بعد جو ہم نے آپ کی اس "قرآنی تنبیہ" کی اپنی کتاب "تصدیق احمدیت" کے صفحات ۲۰۸ تا ۲۱۶ (دیکھئے ضمیمہ ص۱۱۱ تا ۱۵۶) میں کی ہے "قرآنی احکام" کا عنوان دیا ہے اس طرح عنوان تبدیل کر کے "تنبیہ الٰہی" سے آپ گریز کر کے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یہ تنبیہ بہرحال تنبیہ ہے اور ہر شخص کو جس کا اس سے تعلق ہے غور کرنا چاہیئے۔

ہم نے اپنے جواب مذکور میں ان آیات کی جو تعبیر کی ہے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے جو اشارات واضح کئے ہیں۔ وہ آپ کی مخلصانہ توجہ کے قابل ہیں۔ ہماری ضد میں آپ اپنا راستہ خراب اور منزل کھوٹی نہ کیجئے۔ جناب رب العزت میں الحاح و مضطربانہ دعاؤں اور استخارہ مسنونہ کے بعد پھر اس پر غور کیجئے اور بار بار غور کیجئے شاید حق ظاہر ہو جائے "وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ"[۱]

ناظرین سے بھی بصد خلوص نیت التماس ہے کہ رسالہ "قادیانی مذہب" طبع چہارم و پنجم کی فصل بیس[۲] کے عنوان نمبر ۲ "قرآنی احکام" کا ہم نے جو تفصیلی جواب اپنی کتاب "تصدیق احمدیت" کے صفحات ۲۰۸ تا ۲۱۶ پر دیا ہے۔ اس کو ایک مرتبہ ضرور ملاحظہ فرمائیں شاید اللہ تعالےٰ آپ کے خلوص اور طلب حق کو دیکھ کر اپنی راہ آسان کر دے۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ اَمْرًا[۲] ؎

---

[۱] یہ اللہ کو مشکل نہیں۔ [۲] شاید اللہ اس کے بعد کوئی (ہدایت پانے کی) بات پیدا کر دے (پ ۲۸ ع ۱۷)

# باب چہارم

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دعاوی اور اُن کے دلائل۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کی حقیقت۔ عیسیٰ اور مہدی اور کل مذاہب کا موعود منتظر۔ وہ بنیادی امور جن کا تصفیہ مسیح موعود کے دعویٰ کے لئے ضروری ہے۔ مسئلہ حیات و وفات مسیح اور علماء کے ہتکنڈے۔ بغیر مسیح موعود کے ماننے کے اعمال حبط ہیں۔ مسیح موعود کی فضیلت اُمت محمدیہ میں مسلم ہے۔

سابقہ دو ابواب میں ہم نے صرف رسالہ "قادیانی مذہب" کے مرتب کردہ عنوانات اور اس کے ذیلی اقتباسات کا جواب دیا ہے۔ لیکن ان جوابات سے فی الواقع حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے اُن اصلی دعاوی کی کافی وضاحت نہیں ہوتی۔ جو مخالفین کے سارے شور و شغب کا باعث ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ کے دعاوی کے دلائل اور ان ضروری علمی مباحث کے متعلق جو دعاوی و دلائل سے پیدا ہوتے ہیں کچھ وضاحت کر دی جائے۔

سو جاننا چاہیئے حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ بر بنائے اعلام و الہام الٰہی مختصر اور واضح طور پر یہ ہے کہ وہ حسب فرمودہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسیح موعود و مہدی معہود ہیں۔ اور اس دعوے کے ساتھ حضرت مرزا صاحب اور ان کی جماعت و متبعین کے عقائد خود حضرت اقدس مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں یہ ہیں:۔

"جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بناء رکھی گئی ہے وہ ہمارا عقیدہ ہے اور جس خدا کے کلام یعنی قرآن کو پنجہ مارنا حکم ہے ہم اس کو پنجہ مار رہے ہیں۔ اور فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح ہماری زبان پر حسبنا کتاب اللہ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح اختلاف اور تناقض کے وقت جب حدیث اور قرآن میں پیدا ہو قرآن کو ہم ترجیح دیتے ہیں۔ بالخصوص قصوں میں جو بالاتفاق نسخ کے لائق بھی نہیں ہیں۔ اور ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اُس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور

ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائکہ حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب حق اور جنّت حق اور جہنم حق ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت اسلام سے اک ذرہ کم کرے یا اک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے۔ وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں۔ کہ وہ سچے دل سے کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اسی پر مریں۔ اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن کریم سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لائیں اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالےٰ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں۔

غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی الزام ہم پر لگاتا ہے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افتراء کرتا ہے ۔ اور قیامت میں ہمارا اُس پر یہ دعویٰ ہے کہ کب اُس نے ہمارا سینہ چاک کرکے دیکھا۔ کہ ہم باوجود اس قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں۔ الا ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین والمفترین۔ سُن رکھو! جھوٹ بولنے والوں اور افتراء کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔"

(ازالہ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۸۶-۸۷)

اور انہی عقائد پر حضرت مرزا صاحب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیعت لیا کرتے تھے۔

اور اب جو وہ امام یعنی حضرت اقدس مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز بھی حسب ذیل الفاظ میں انہی عقائد پر بیعت لیتے ہیں :-

" آج میں محمود کے ہاتھ پر بیعت کرکے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوتا ہوں اور اپنے تمام پچھلے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ اور آئندہ بھی ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ شرک نہیں کروں گا۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اسلام کے سب حکموں پر عمل کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ قرآن کریم اور احادیث کے پڑھنے پڑھانے یا سُننے میں کوشاں رہوں گا۔ جو نیک کام مجھے بتائیں گے اُن میں آپ کا ہر طرح فرمانبردار رہونگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرونگا۔ اور حضرت مسیح موعود کے سب دعاوی پر ایمان رکھوں گا۔"

اس صراحت سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب اور ان کی جماعت کے جملہ عقائد وہی ہیں جو فرقہ اہل سنت والجماعت کے ہیں۔ البتہ صرف ایک عقیدہ نزول مسیح موعود اور بعثت مہدی موعود میں تعیین شخصی کی حد تک اختلاف ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعود و حضرت مہدی علیہما السلام کی آمد کے عقیدہ کی حد تک کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف صرف یہ ہے کہ ہمارے مخالف اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ناصری بنی اسرائیلی زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں اور وہی بجنسہٖ پھر دوبارہ امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے تشریف لائیں گے۔ اور ان کے علاوہ اسی اُمت سے ایک بزرگ مہدی کے نام سے مبعوث ہوں گے جو سید حسنی و حسینی ہوں گے۔ لیکن جماعت احمدیہ اس کے خلاف یہ کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام بنی اسرائیلی نبی ناصری زندہ نہیں ہیں بلکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ[۱] کے مقررہ قاعدہ اور قانون الٰہی کے مطابق اپنے وقت پر فوت ہو چکے ہیں۔ اس لئے وہ خود بنفسہٖ دوبارہ اس دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔ بلکہ ان کی خو بو پر اُن کے نام پر ایک شخص اسی اُمت محمدیہ سے پیدا ہوگا جس کے دو کام ہیں۔

اوّل ۔ مسلمانوں کی اندرونی اصلاح و تجدید۔

دوم ۔ بیرونی اصلاح یعنی اسلام کی عیسائیت کے غلبہ سے حفاظت اور عیسائیت کو مغلوب کرنا۔

امر اوّل کے لحاظ سے وہ مہدی ہوگا اور امر دوم کے لحاظ سے وہ مسیح ہوگا۔ اور ان دونوں کاموں کے لحاظ سے مجموعی حیثیت سے وہ کل مذاہب عالم کا مصلح موعود ہوگا۔ جس کو ہر مذہب نے مختلف نام دئے ہیں۔ اور وہ موعود حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

ظاہر ہے کہ اہل سنت والجماعت کے متفقہ عقیدہ اور حضرت مرزا صاحبؑ کے اس دعویٰ کے لحاظ سے امور تصفیہ طلب صرف یہ ہو سکتے ہیں :۔

اوّل :۔ کیا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اس جسم عنصری کے ساتھ جو اُن کو

---

[۱] ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا پڑتا ہے۔ (پ ۱۷ ع ۳)

حیات دنیا کے لئے ملا تھا آسمان پر زندہ موجود ہیں - یا مثل دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عمر طبعی پاکر فوت ہو گئے ہیں؟

دوم :- اگر عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود نہیں ہیں تو اس امت میں اُن کی آمد ثانی اور نزول کا کیا مطلب ہے ؟

سوم :- کیا مہدی و عیسیٰ دو علیحدہ علیحدہ وجود ہیں یا ایک ہی وجود ہے جو اپنے اصلاحی کام اور صفات کی وجہ سے دو نام رکھتا ہے ؟

ان میں سے امر اوّل سب سے زیادہ اہم اور موصل الی المقصود ہے - اگر یہ ثابت ہو جائے کہ فی الواقع حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اسی جسد عنصری کے ساتھ جس میں انہوں نے حیات دنیا بسر کی آسمان پر زندہ موجود ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ احادیث جن میں نزول اور آمد کا ذکر ہے مخصوص ہو جاتی ہیں انہی کی ذات خاص تک - اس لئے مرزا صاحب اور اُن کی جماعت کے تمام دلائل ناقابل اعتبار ہو جاتے ہیں - اور ان پر توجہ کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی - لیکن اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب زندہ موجود نہیں ہیں نہ زمین پر نہ آسمان پر - تو یہ سارا شور و شغب جو اُن کی حیات کے عقیدہ پر مبنی ہے " هَبَاءً مَّنْثُوْرًا[1] " ہو جاتا ہے - اس مسئلہ پر فریقین کے درمیان مباحث و مناظرات بھی ہوئے - اور ایک دوسرے کے خلاف مبسوط کتابیں بھی لکھی گئیں جن کو تحقیق حق کا شوق ہو وہ فریقین کی کتابوں سے استفادہ کر سکتے ہیں -

اس مختصر رسالہ میں جس کی اشاعت کی غرض صرف یہ ہے کہ پبلک جماعت احمدیہ کے عقائد سے کما حقہٗ آگاہ ہو جائے - دلائل کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا ضروری نہیں ہے - صرف دلائل کی نوعیت کو سرسری طور پر واضح کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے - تاکہ ان کی قوت اور وقعت کا کچھ خاکہ ناظرین کتاب کے ذہن میں آجائے اور وہ یہ سمجھ سکیں - کہ محض سرسری اور کمزور باتیں اور بے بنیاد دعاوی نہیں ہیں جو محض ضد و کد سے کئے گئے ہیں -

ایک نہایت ہی مختصر اور عام فہم بات جو حضرت مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ کی جانب سے کہی جاتی ہے اور جس کو ہر معمولی لکھا پڑھا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے لیکن جس کا جواب دینے سے

---

[1] بکھری ہوئی دھول (پ ۱۹ ع ۱)

بڑے بڑے علماء اہل سنت والجماعت ابھی عہدہ برا نہ ہو سکے سب سے پہلے بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ علماء اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں قرآن پاک کی اس آیت پر مبنی ہے " يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ الخ " اس آیت میں جو لفظ " توفی " کا موجود ہے۔ اس کے معنی علماء اہل سُنت والجماعت " پورا پورا لینے " کے کرتے ہیں۔ " وفات وموت " کے نہیں کرتے۔ اور جو کسی نہ کسی طرح وفات کے معنی تسلیم بھی کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں اس آیت میں مواعید کی جو ترتیب بیان فرمائی گئی ہے اسی سلسلہ سے نمبروار مواعید کا پورا کیا جانا ضروری نہیں ہے۔ فی الحال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء ہو چکا اور نزول کے بعد توفی یعنی وفات دینے کا وعدہ پورا ہو گا۔ یہ خلاصہ ہے حضرات علمائے اہل سنت والجماعت کے عقائد و دلائل کا۔ جس کا حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت کی طرف سے یہ جواب ہے کہ بلاشبہ لفظ توفی کا اشتقاق وفا سے بھی ہے جس کے معنی پورا کرنے اور پورا لینے کے ہیں۔ لیکن یہ لفظ توفی جو آیت مبارکہ میں استعمال ہُوا ہے باب تفعّل سے ہے۔ اور جب کبھی اس لفظ کا استعمال اس طرح کیا جائے کہ فاعل اللہ تعالیٰ اور مفعول کوئی ذی روح ہو اور فعل باب تفعّل سے ہو۔ اور اس کلام میں جس میں لفظ استعمال کیا جائے کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو۔ جو لفظ کے معنی کو مجاز اور استعارہ یعنی سوائے موت کے دوسرے معنوں کی طرف پھیر دے۔ تو کلام عرب۔ قرآن پاک۔ احادیث نبوی میں اس کے معنی ہمیشہ قبض روح یعنی موت کے ہونگے اس کے سوا کوئی دوسرے معنی اس لفظ کے نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی ایک مثال بھی کلام عرب۔ قرآن پاک اور احادیث نبوی سے ایسی پیش کر دی جائے جس سے ظاہر ہو کہ ایسی صورت میں لفظ توفی کے معنے " زندہ اُٹھائے جانے " کے کئے ہیں۔ تو ہم اپنے دعویٰ اور عقیدہ سے باز آجائینگے اور ایکہزار روپیہ بطور انعام پیش کریں گے ہمارے اس دعویٰ پر تقریباً نصف صدی گزر چکی ہے۔ مرزا صاحب آئے بھی اور چلے بھی گئے۔ لیکن آج تک علماء میں سے کسی نے کوئی معقول جواب اس دعویٰ کا نہیں دیا۔ اب بھی علماء موجود ہیں اور یہ چیلنج بھی موجود ہے ؎

بسم اللہ زاعجاز نفس جان دہ شان باز ؞ تا من قلم اندازم و گیرند قلم را

بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارے مخالف علماء لفظ "توفی" کے معنی بھرپور لینے کر کے موت کے معنی سے قطعی انکار کر جاتے ہیں۔ اگر توفی کے معنے بھرپور لینے کے ہی کر لئے جائیں تو ہر چیز کا بھرپور لینا جدا جدا معنی رکھتا ہے۔ جان کا بھرپور لینا سوائے قبض روح کے اور کوئی معنی رکھتا ہی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالے سورہ زمر میں فرماتا ہے" اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا "۔ گویا تقدیر کلام یہ ہے کہ (یا عیسلی انی متوفیك بنفسك) اسی لئے بعض علماء اہل سنت والجماعت کا یہ خیال ہے کہ لفظ "توفی" سے وفات اور اماتت کے معنی تو قطعی طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن یہ وفات بعد نزول واقع ہوگی۔ اور آیت کے الفاظ "متوفیك ورافعك" میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی لفظ رافعك پہلے اور متوفیك بعد میں ہے۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالٰے سے نعوذ باللہ غلطی ہوئی۔ اور اس نے لفظ متوفیك کو بے محل اور بے موقع استعمال فرمایا۔ جس کی علماء کو اصلاح کرنی پڑی۔ گویا جناب الٰہی کا مقصد تو یہ کہنے کا تھا کہ اے عیسی (علیہ السلام) میں تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا اس کے بعد جب کئی ہزار سال گذرنے پر دوبارہ دنیا میں نازل کروں گا تب تم کو موت بھی دوں گا۔ لیکن (نعوذ باللہ من ذالک) شاید گھبراہٹ میں کہہ یہ دیا کہ اے عیسلی میں تمکو وفات دوں گا اور اٹھالوں گا۔ اگر فی الواقعہ مقصود جناب آلہی کا وہی ہوتا جو علماء تجویز فرماتے ہیں تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ اس کو صاف طریقہ پر بیان کر دینے میں کیا رکاوٹ تھی۔

بظاہر موقع و محل اس وعدہ الٰہی کا جو آیت مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب یہود نامسعود نے حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھانے کی تدبیر اور کوشش کی اور اس میں وہ کامیاب ہو گئے اور حضرت عیسلی علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کا اہتمام ہونے لگا۔ تو حضرت عیسلی علیہ السلام نے خدا کی جناب میں اپنی حفاظت کے لئے دعا کی۔ جس کے جواب میں جناب باری سے وہ ارشاد ہوا جس کا ذکر آیت مذکورہ میں ہے۔ اگر فی الواقع اس وعدہ آلہی کا یہی منشاء ہے کہ حضرت عیسلی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیکر ان کی جان کی حفاظت کی جائیگی۔ تو صرف یہ کہہ دینا کافی تھا کہ ہم تم کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر بحفاظت آسمان پر اٹھالیں گے۔ اس صاف جواب کی بجائے لفظ "متوفیك" کا استعمال جس سے اشکال و اہمال پیدا ہوتے ہیں بظاہر بے موقعہ سا ہے ایسا بے موقعہ کہ

جواب کا سننے والا تو یہی سمجھے گا کہ وفات دیکر مجھے اٹھایا جائے گا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت وفات سے بچنا چاہتے تھے اور یہ جواب منشاء دعا نہ تھا تو پھر دعا کی جاتی اور اپنے منشاء کو واضح کیا جاتا۔ مگر قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے کہ دعا کچھ اور تھی اور جواب کچھ اور تھا بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عمل سے بھی قطعی اطمینان وسکون ہی ظاہر ہوتا ہے۔ جو گھبراہٹ و پریشانی صلیب پر چڑھانے سے پہلے ظاہر ہوئی تھی وہ اب باقی نہ تھی۔ اس لئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دُعا کا جواب حسب منشاء پاکر اطمینان ہو گیا تھا۔ ہمارے نزدیک جو بات اس آیت سی ظاہر ہوتی ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ اس موقع ومحل کی حالت کو ذہن میں رکھا جائے جس موقع ومحل پر جناب الٰہی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ وعدہ دیکر مطمئن فرمایا تھا۔

واقعہ دراصل یہ ہے جو عام طور پر تمام علماء اور مفسرین کے نزدیک مسلّم ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف سچا ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ بلکہ نعوذ باللہ من ذالک آپ کی ولادت کو ناجائز اور آپ کی والدہ کو متہم بہ بہتان عظیم کیا تھا۔ جیسا کہ قرآن پاک کی سورۂ نساء اور مریم میں یہود کے قول کی اطلاع دی گئی ہے۔ اور سورۂ مریم میں اُن سے حکایتاً نقل کیا گیا ہی "یَا اُخْتَ هَارُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا"[51]۔ اور سورۂ نساء میں اُن کے بہتان کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے "وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا"[52]۔ اور اس بہتان عظیم کے ساتھ یہود نے شرارت یہ کی کہ حضرت عیسیٰؑ کے قتل اور تباہی کے فکر میں دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ اور اپنی ایجیٹیشن سے اس زمانہ کی حکومت کو مجبور کر دیا کہ آپ کو کاٹھ پر لٹکا کر سولی دے۔ عدالت مجبور ہو گئی اور حضرت عیسیٰؑ کو کاٹھ کی سولی پر لٹکانے کے احکام جاری ہو گئے۔ یہود کی شریعت میں صلیب سے مارے جانے والے کو ملعون کہا گیا تھا*۔ اس لئے یہود اپنی تدبیر میں کامیاب ہو کر خوش تھے کہ جو نبوت کا دعویدار ہے

---

[51] اے ہارون کی بہن تیرا باپ تو بُرا آدمی نہ تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔ (پ ۱۶ ع ۵)

[52] اور اُن کی حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم والی بات (پ ۶ ع ۲)

* استثناء باب ۲۱۔ آیت ۲۳۔ نیز عہد نامہ جدید میں پولوس کا جو خط گلتیوں کے نام ہے۔ اس کی باب ۳ سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی شریعت کا حکم یہی تھا۔

وہ کاٹھ پر سولی دیا جا رہا ہے۔ اس سے گویا خود بخود حضرت عیسیٰ جھوٹے نبی اور ملعون قرار پائیں گے۔ اور جب ملعون قرار پائے تو گویا خدا سے دُور ہو گئے۔ اس لئے کہ ایسے اشخاص کی نسبت یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کا رفع الی اللہ نہیں ہوتا۔ یعنی ان کی روح اعلیٰ علیین تک نہیں پہنچائی جاتی۔ یہودیوں کے عقائد اور تورات کے احکام اور اپنے زمانہ کے شریعتی ماحول کے مدنظر یہ حالت ایک نبی ایک مقبول بندے کے لئے جس کی نسبت قرآن پاک نے شہادت دی ہے کہ وہ "وَجِیْھًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ"[۵۱] تھا۔ ناقابل برداشت تھی۔ نیز اُس زمانہ کے لوگوں کے لئے یہ سخت ترین ٹھوکر تھی جس کی وجہ سے لوگوں پر حق باطل سے اور باطل حق سے ملتبس ہو جاتا۔ اس لئے آپ نے دعا فرمائی جس کا ایک فقرہ "ایلی ایلی لما سبقتنی" ہمارے زمانہ میں بھی مشہور ہے۔ اس دعا کو قبول فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے نبی کو اطمینان دلایا کہ نہیں ہم تجھے صلیب یعنی سُولی پر نہیں مرنے دیں گے۔ بلکہ تجھ کو طبعی موت (وفات) دیکر "رفع الی اللہ" کا مستحق قرار دیں گے۔ (اس طرح شریعت موسوی کا حکم کہ جو کاٹھ پر مارا جائے وہ ملعون ہے تجھ پر پورا نہ ہوگا) اور یہی نہیں بلکہ ان اتہامات سے جو تجھ پر لگائے گئے ہیں تیری تطہیر کریں گے اور ہم تیرے متبعین کو بھی ہمیشہ تیرے مخالفین پر غالب رکھیں گے۔ اس لئے ارشاد ہوا "مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ[۵۲] ۝ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ[۵۳]"۔ یعنی مخالفین حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی خفیہ اور پوشیدہ تدابیر کیں۔ اور اللہ نے اپنی تدبیر کی جو بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو کہا کہ میں تجھے طبعی موت دوں گا اور (چونکہ تو کاٹھ پر مارا نہیں جائے گا اس لئے) اپنی طرف تجھ کو بلند کروں گا (یعنی اعلیٰ مقام عرفان عطا کروں گا) اور تجھ کو پاک کروں گا (اتہامات سے) جو کافروں کی طرف سے ہیں اور تمہارے متبعین کو منکرین پر قیامت تک غالب رکھونگا۔

ان آیات مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے چار وعدے فرمائے تھے۔

---

[۵۱] دنیا و آخرت میں صاحبِ وجاہت ہوگا اور خدا کے مقربین سے (پ۳ ع ۱۳) [۵۲] پ۳ ع ۱۳ - [۵۳] پ۳ ع ۱۴)

(۱) یہ کہ تم کو طبعی موت دیں گے (۲) یہ کہ اپنی طرف تمہارا رفع کریں گے (۳) یہ کہ تم کو اس چیز سے پاک کریں گے جو کافروں کی طرف سے ہے (۴) یہ کہ تمہارے تبعین کو تمہارے منکرین پر قیامت تک غالب رکھیں گے۔

یہ چاروں وعدے اپنی ترتیب طبعی کے لحاظ سے ہیں۔ اس لئے کہ موقع کی نزاکت اور حالت کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو دعا کی وہ اسی ترتیب سے ہوگی۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دعا کے وقت پہلا خیال یہ ہوگا کہ میں کاٹھ پر سُولی دیا جارہا ہوں اس کے نتیجہ میں اگر موت واقع ہوگئی۔ تو موسوی شریعت کے مطابق عام لوگوں کے خیال میں لعنت کی موت ہوگی۔ اس لئے پہلا جواب دعا کا یہی ہونا چاہیئے تھا کہ نہیں تم کاٹھ پر نہیں مارے جاؤ گے بلکہ طبعی موت مروگے۔ اس لئے فرمایا "یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ" اے عیسیٰ (علیہ السلام) ہم تم کو یقیناً طبعی موت دیں گے۔ تفسیر کشاف و درمنثور سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ دیکھئے تفسیر کشاف مطبوعہ کلکتہ جلد اوّل ص۲۰۶ - درالمنثور مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۳۶ - اس کے بعد دعا کے وقت چونکہ دوسرا خطرہ یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ موسوی شریعت کے مطابق کاٹھ پر مارے جانیوالے کو لعنتی کہا گیا ہے جس کا رفع الی اللہ نہیں ہوتا یعنی اس کی رُوح کو اعلیٰ علیّین پر پہنچنا نصیب نہیں ہوتا (توریت مقدس کتاب استثنار باب ۲۱- آیت ۲۳) اس لئے اس خیال کو یہ کہہ کر رفع فرمایا کہ "رَافِعُكَ اِلَیَّ" تم کو اپنے قرب کے مقام میں بلند کریں گے۔ اور (۳) تمہاری نسبت منکرین جو کچھ بکتے ہیں اس سے تمہاری تطہیر کریں گے اور (۴) تمہاری رفعت منزلت کے لئے تمہارے متبعین کو منکرین پر قیامت تک غالب رکھیں گے۔ ان چاروں وعدوں میں سے تیسرا وعدہ تطہیر کا قرآن پاک و حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے کامل اور مکمل ہوگیا۔ اور چوتھا وعدہ" متبعین کے منکرین پر غلبہ" کا دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس کی نسبت کچھ کہنے اور ثبوت دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ دوسرا وعدہ رفع الی اللہ کا بھی ہمارے اور ہمارے مخالفین دونوں کے نزدیک پورا ہو چکا فرق صرف اتنا ہے کہ وہ رفع جسمانی مانتے ہیں اور ہم رفع روحانی اور ترقی درجات سمجھتے ہیں۔ لیکن بہر حال یہ وعدہ بھی پورا ہو چکا۔ اور

ان سب وعدوں کو پورے ہوئے قریباً دو ہزار سال ہو چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک ہمارے مخالفین علماء بغیر کسی تحیّر اور تعجب کے اس امر پر اطمینان کئے بیٹھے ہیں۔ کہ پہلا وعدہ پورا نہیں ہوا۔ اچھا اگر پہلا وعدہ اپنے صحیح مقام پر اللہ تعالے نے نہیں بیان فرمایا تھا اور بقول مخالف علماء کے "رَافِعُكَ" کے بعد اس کا درجہ ہے۔ تو دوسرے درجہ کے بعد پورا ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن مشکل یہ ہو کہ دوسرے درجہ پر اگر اس وعدہ کو رکھ دیں تو تیسرا اور چوتھا وعدہ تو پورا ہو چکا۔ اس لئے دوسرا ضرور ان سے پہلے پورا ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن بقول مخالف علماء کے یہ ابھی تک پورا نہیں ہوا تو شاید پہلے وعدہ کا درجہ اور مقام تیسرے اور چوتھے کے بعد ہو۔ لیکن تیسرا اور چوتھا وعدہ بھی پورا ہو چکا اور ہو رہا ہے۔ اس لئے کبھی تو وعدہ نمبر اوّل کے ایفاء کا موقعہ آنا چاہیئے تھا۔ اور اس لحاظ سے قرآن کی ترتیب وعبارت بجائے موجودہ ترتیب وعبارت کے یہ ہونی چاہیئے تھی۔

يَاعِيْسٰىٓ اِنِّيْ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمُتَوَفِّيْكَ بَعْدَ النُّزُوْلِ اِلَى الدُّنْيَا (نعوذ باللہ من ذالک) حالانکہ اللہ تعالے نے لفظ یوم القیامہ کے بعد فرمایا ہے "ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ" یعنی جب قیامت تک تمہارے متبعین منکرین پر غالب رکھے جائیں گے تو قیامت وہ وقت ہے جب تم ہماری طرف لوٹا دئے جاؤ گے۔ پس اگر چوتھا وعدہ غلبہ متبعین علی المنکرین بہ تمام وکمال مکمل ہو جائے تو متوفیک کی تعمیل وتکمیل کا وقت ہی باقی نہیں رہے گا۔ اس وقت تو رجعت اِلی اللہ کا وقت آجائے گا۔ اس لئے متوفیک کا وعدہ پورا ہونے کا شاید موقع ہی نہ آئے گا۔ اس تفصیل سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ علماء کا وہ گروہ جو قرآن میں اس موقع پر تقدیم وتاخیر نہ صرف جائز بلکہ ضروری سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ وعدہ اِنّی متوفیک وعدہ رافعک سے متاخر ہے وہ قرآن کے ادب کو ملحوظ رکھ کر اس کے ساتھ انصاف نہیں کرتا۔

اسی سلسلہ میں لفظ "رفع" کے معنی کی کسی قدر مزید وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ہم اوپر اس جانب اشارہ کر چکے ہیں کہ رفع سے مراد اعلیٰ مقام عرفان وقرب الٰہی ہے ۔۔ فی اعلیٰ علیّین ہو اور درجات مومنین کے لئے اعلیٰ ترین جنّت ہے۔ یہی لفظ حضرت ادریسؑ کے

متعلق سورۂ مریم میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ " وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا۔ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا " اس مقام پر مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی جو موجودہ علماء اہلِ سُنت والجماعت میں نہایت ہی فہیم اور زیرک وخوش بیان دیوبندی عالم ہیں۔ مولوی محمود الحسن دیوبندی مشہور شیخ الہند کے ترجمہ مطبوعہ برقی پریس اخبار مدینہ بجنور کے صفحہ ۴۹۳ میں رفعناہ مکاناً علیاً کی یہ توضیح فرماتے ہیں۔ کہ " یعنے قرب وعرفان کے بہت بلند مقام اور اونچی جگہ پر پہنچایا "

حالانکہ اس آیت میں رفعناہ کے ساتھ مکاناً علیاً بھی موجود ہے جو بظاہر جسمانیت کا توہم پیدا کرتا ہے۔ مگر باوجود اس کے رفع کے معنی یہی لئے گئے کہ مقام قرب میں پہنچایا گیا۔ جس سے ہمارے اُن معنوں کی بخوبی تائید ہوتی ہے جو ہم آیت زیر بحث رَافِعُكَ إِلَيَّ میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ چند قطعی دلائل بھی اس معنے کی تائید میں ہیں :—

**اوّل** یہ کہ لغت کی مشہور کتاب اقرب الموارد و منتہی الارب میں رفع کے معنے " رَفَعَہ إِلَى السُّلْطَان " کی تمثیل کے ساتھ قرب کے لکھے ہیں۔

**دوم** یہ کہ روزانہ نماز میں بین السجدتین جو دُعا پڑھی جاتی ہے۔ اور جس کا پڑھنا سُنت نبویؐ ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں :— " اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَعَافِنِي وَرْفَعْنِي وَاجْبُرْنِي وَارْزُقْنِي " اس دُعا کا آج تک کسی نے یہ مطلب نہیں سمجھا کہ اللہ تعالےٰ سے اپنے جسم سمیت آسمان پر اُٹھائے جانے کی دعا کی جاتی ہے۔ ہر شخص جو اس سُنتِ نبویؐ پر عامل ہے یہی مطلب سمجھتا ہے کہ یہ ترقی مدارج روحانی کے لئے دُعا ہے۔

اور اس اہم اور قطعی دلیل کی تائید قرآن شریف کی ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے۔ شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ کفار نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مطالبات بطور معیار صدق کئے تھے۔ اور کہا تھا کہ اگر یہ مطالبات پورے کر دئے جائیں تو وہ ایمان

---

[۱] اور قرآن میں حضرت ادریسؑ کا مذکور بھی لوگوں سے بیان کرو۔ کہ وہ بڑے سچے (بندے) پیغمبر تھے۔ ہم نے اُن کو قرب وعرفان کے بلند مقام پر جگہ دی ہے۔ (پ ۱۶ ع ۷)

لے آئیں گے۔ اُن میں سے ایک مطالبہ یہ تھا:۔ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ[۵۱] کہ تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے ایسی کتاب لے آؤ جس کو ہم پڑھ سکیں۔ اس کا جواب اللہ کی ہدایت کے مطابق حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیا کہ "سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔"[۵۲] یعنی آسمان پر چڑھ جانا بشر رسول کا کام نہیں بلکہ ملک رسول کا کام ہے اور چونکہ میں بشر رسول ہوں اس لئے میں آسمان پر نہیں چڑھ سکتا اور نہ اللہ تعالٰے مجھے چڑھائے گا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالٰے کے قانون کے خلاف ہے۔ اور "سُبْحَانَ رَبِّیْ" یعنی اللہ تعالٰے اپنا قانون مقرر کرکے اُس کے توڑنے کے الزام سے پاک ہے۔ پس اگر فی الحقیقت آسمان پر چڑھنا اس طرح ممکن تھا جس طرح مطالبہ ہوا تھا، تو جواب یہ نہ ہوتا۔ بلکہ یہ کہا جاتا کہ ہم یہ نہیں کرتے یا تمہاری استدعا منظور نہیں کی جاتی۔ کہا تو یہ کہ "هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا"۔ یہ جواب کہ سبحان اللہ میں تو ایک بشر رسول ہوں۔ اگر بشر رسولوں کیلئے یہ ممکن ہوتا کہ وہ آسمان پر چڑھ جائیں تو سبحان ربی کے الفاظ کے ساتھ مطالبات کے عدم امکان وقوع پر زور نہ دیا جاتا۔

ان دلائل کے علاوہ ہر زبان میں یہی محاورہ ہے اور ہم روزمرہ بولتے ہیں کہ اللہ اللہ فلاں دوست یا عزیز کیسا اچھا آدمی تھا اللہ نے اُس کو دنیا سے اُٹھا لیا۔ پس رفع کے معنے زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر اُٹھائے جانے کے نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد ایک تیسری شکل اور باقی رہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض علماء کا خیال ہے۔ کہ عیسٰی علیہ السلام کی وفات تو قرآن سے بڑی صفائی سے ثابت ہوتی ہے لیکن خدا اس پر قادر ہے کہ اُن کو پھر زندہ کرکے اس دُنیا میں بھیج دے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہو جائے۔ جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے متعلق ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالٰے کی قدرت کا کوئی احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ یقیناً اس پر

---

[۵۱] (پ۱۵ ع ۱۰) [۵۲] پاک ہے میرا رب میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں (پ۱۵ ع ۱۰)

قادر ہے۔ لیکن قدرت کا امکان ایک چیز ہے اور اُس کا ظہور میں آجانا دوسری بات ہے۔ ہم یقیناً اس کی قدرت کے وقوع کے لئے کوئی شرط و حد بھی مقرر نہیں کر سکتے۔ اور کوئی قاعدہ اس کی قدرتوں کے ظہور کے لئے نہیں بنا سکتے۔ لیکن جب وہ خود صاف اور واضح طور پر بلاریب و شک ہم کو اپنی عادت اور اپنی قدرتوں کے ظہور کے لئے کوئی قاعدہ مقرر کر کے اطلاع دیدے۔ تب ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم اُس کے حکم اور ارشاد کے خلاف بھی کہتے چلے جائیں کہ نہیں وہ تو قادر ہے، وہ تو سب کچھ کر سکتا ہے، اور ایسا ضرور ہی کریگا جیسا ہم خیال کرتے ہیں۔ اس خیال کی لغویت اور کمزوری کو ظاہر کرنے میں میں نہایت اختصار سے کام لونگا۔ طویل مباحثہ اور تفصیلی بحث میرے موجودہ کام کے مدنظر نہ ضروری ہے نہ مناسب۔ میں صرف قرآن پاک کی ایک آیت آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ جس میں اللہ تعالےٰ نے اپنی اس عادت اور اس محکم و اٹل قانون کا اعلان فرمایا ہے کہ وہ کسی مُردہ کو دوبارہ دنیا میں نہ بھیجتا ہے نہ بھیجے گا۔ وہ آیت مبارکہ یہ ہے " وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ "[لہ] حرام کے لفظ کا زور اور قوت قابل غور ہے یہ آیت قرآن پاک میں سترھویں [۱۷] پارہ کی سورۃ انبیاء میں ہے۔ اسی کی تائید میں دو آیتیں اور دیکھ لیجئے۔ " اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ "[۵۲] یہ سورۂ یٰسین کی آیت ہے۔ اور دُوسری آیت سورۃ مومنون کی یہ ہے۔ " حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ "[۵۳] یہ ہر دو آیتیں صرف اس لئے لکھ دیں کہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ قاعدہ مُردوں کو دُنیا میں نہ بھیجنے کا اٹل اور محکم ہے اور قرآن کریم میں متعدد جگہ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

لہ اور فوت شدہ اہل بستی پر حرام ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں آئیں (پ۱۷ انبیاء ع ۷) ۵۲ کیا انھوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے کتنے بستیوں والوں کو ہلاک کیا وہ دوبارہ نہیں لوٹینگے (پ۲۳ ع ۱ یٰسین ع ۳) ۵۳ یہاں تک کہ جب اُن میں سے کوئی مرجاتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب مجھے واپس لوٹا تاکہ میں اعمال صالحہ بجا لاؤں۔ یہ بات ہرگز نہ ہوگی یہ صرف ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔ اُن کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک روک ہے۔ (مومنون ع ۶)

اور اس غرض سے کہ اس آیت یا اس محکم قاعدے کے سمجھنے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ ترمذی شریف کی حدیث کا بھی ذکر کر دیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس میں اس قاعدے کا استعمال خود اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ قصہ اس کا یوں ہے۔ کہ جب جنگ اُحد میں حضرت عبد اللہ شہید ہو گئے تو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے صاحبزادے حضرت جابرؓ کو ملول و رنجیدہ خاطر دیکھ کر فرمایا۔ اے جابر! تمہارے والد اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوئے تھے اور اللہ تعالےٰ نے اُن پر اپنی خاص مہربانی کا اظہار اس طرح فرمایا۔ کہ انکو اپنے بالمشافہ کلام سے سرفراز فرمایا۔ کہ اے عبد اللہ مانگ جو کچھ مانگتا ہے وہ دیا جائے گا۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں "تَمَنَّ عَلَيَّ أُعْطِكَ"[1] حضرت عبد اللہؓ نے اس سرفرازی کو دیکھ کر عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے پھر زندہ کر دے کہ میں تیری راہ میں پھر قتل کیا جاؤں۔ اس آرزو، اس خواہش، اس استدعاء پر حکم ہوا کہ "اِنَّهُ سَبَقَ الْقَوْلُ مِنِّيْ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ"[2] کہ ہم پہلے یہ قانون بنا چکے ہیں کہ کوئی اس عالم میں آکر واپس نہیں جا سکتا۔ اس حدیث شریف نے قرآن پاک کی آیت مذکورہ اور اسی قسم کی دوسری آیات کو واضح کر دیا۔ اور کچھ شبہ باقی نہ رہا۔ کہ اللہ تعالےٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ رُوحوں کو اپنے پاس بُلا لینے کے بعد اور لوگوں کے مرجانے کے بعد پھر دوبارہ دنیا میں زندہ کر کے نہیں بھیجتا۔ اور یہی اُس کی پُر حکمت قدرت کاملہ کا قاعدہ ہے۔ ورنہ حضرت عبد اللہؓ کی استدعا ایسی استدعا جس پر خود خدائے بزرگ و برتر نے اُن کو آمادہ کیا۔ اور ان الفاظ سے آمادہ کیا تھا کہ "مانگ جو مانگتا ہے تجھ کو عطا کیا جائے گا" ایسا سچا اور وعدوں کو پورا کرنے والا صاحب قدرت مالک اپنے بندہ سے خوش ہو کر اس کی خواہش کو پورا کرنے کا وعدہ کر کے اس کو مانگنے پر آمادہ کرتا ہے۔ لیکن جب اس سے وہ چیز مانگی جاتی ہے جو اُسکی قدرت سے باہر نہیں ہے تو جواب ملتا ہے کہ ہم ایک قاعدہ اور قانون مقرر کر چکے ہیں اور اس سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ مُردے دُنیا میں واپس نہیں جائیں گے، اس لئے تم کو دنیا میں واپس جانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ کیا یہ حدیث اس بات کو ثابت نہیں کرتی کہ یہ قاعدہ اتنا محکم و مضبوط و اٹل ہے کہ

---

[1] مانگ جو مانگتا ہے مجھ سے وہ میں تجھ کو دونگا (حدیث) [2] یہ میرا قانون ہو چکا ہے کہ وفات شدہ لوگ یہاں سے دنیا کی طرف نہ لوٹینگے (حدیث)

کسی طرح توڑا نہیں جا سکتا۔ اور اگر یہ قاعدہ بھی توڑا جانے والا ہوتا اور اللہ تعالیٰ نزول قرآن سے قبل یا نزول کے وقت ہی یہ مقرر کر چکا ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو پھر زندہ کر کے دنیا میں بھیجا جائیگا۔ تو اللہ تعالےٰ حضرت عبد اللہؓ کی خواہش اس قاعدے کے حوالے سے کبھی رد نہ فرماتا۔

اس حدیث سے بلا کسی شک وشبہ کے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کا تصور ہمیشہ اُس کی حکمت کے ماتحت کرنا چاہیئے۔ پس اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی یا دوبارہ زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک اور چیز ناظرین کے غور صحیح کے لئے پیش کر دینا بے موقع نہ ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ بفضلہ تعالےٰ ہماری فقہ اسلامی اس قدر مکمل ہے کہ اس پر کسی زیادتی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر فی الواقع اس دنیا میں حیات اور ممات جائز ہوتی اور ایسے وقوعات اس دنیا میں ہُوا کرتے یا ممکن الوقوع ہوتے تو خود حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے خلفاء یا اُن کے بعد فقہاء رحمہم اللہ اجمعین کی نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ اور جس طرح انہوں نے غرقی حرقی مفقود الخبر کے متعلق فقہ میں دربارۂ قیام نکاح وافتراق زوجیت اور متروکہ کی نسبت احکام کی صراحت کی ہے۔ اسی طرح ایسی امکانی شکلوں کی نسبت بھی احکام مستخرج کرتے جن میں مُردے زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں آیا کرتے۔ اور یہ صراحت کرتے کہ اگر مُردے اس طرح زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں آیا کریں، تو اُن کی زوجات اور متروکات کی نسبت کیا عمل ہُوا کریگا۔ شہداء تک کے متعلق تو یہ احکام موجود نہیں ہیں، جن کی حیات پر خود قرآن پاک گواہ ہے پس عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اگر شہداء ہی کی سی حیات سمجھی جائے، تب بھی دوبارہ اُن کا اس دنیا میں آنا اسی طرح متعذر رہے، جس طرح شہداء کا دنیا میں آکر حیات کے تمام کاروبار متعلقہ کو سرانجام دینا متعذر ہے۔ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ[1]۔

پس یہ ہے امر تصفیہ طلب نمبر اوّل کا جواب جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ فی الواقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام طبعی موت سے فوت ہو چکے اور اب دنیا میں تشریف نہیں لا سکتے۔

---

[1] پس اب اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد اور کون سی بات ہوگی جس کو (منکر) یہ مان لیں گے۔ پ۲۵ ع ۱۷۔

امر تصفیہ طلب نمبر اوّل کے بعد امر تصفیہ طلب نمبر ۲ کا جواب کچھ مشکل باقی نہیں رہتا، جب یہ تسلیم کر لیا جائے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے، اور جو فوت ہو جائے وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آسکتا۔ تو مجبوراً یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس اُمتِ محمدیہ میں ایسا مصلح پیدا ہوگا، جو اپنے کام کے لحاظ سے جناب مسیح علیہ السلام سے مشابہت رکھے گا۔ اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ثانی اور آمد ثانی ہے۔ اور یہ ایسا فیصلہ ہے جو خود حضرت مسیح علیہ السلام کے تصفیہ کے مطابق ہے۔ اور اس لئے گویا یہ ایک امر فیصل شدہ ہے، کہ جب کسی سابق نبی کی آمد کی پیشگوئی ہو، تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس نبی کی آمد ثانی سے مراد اُس کے مشرب اور قدم پر کسی دوسرے وجود کی آمد ہوا کرتی ہے۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بعثت کے وقت اس مسئلہ کا تصفیہ فرمایا ہے۔ صورت واقعہ یہ تھی، کہ جس طرح اب مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر بیٹھا ہوا سمجھتے ہیں، بعینہٖ یہی عقیدہ یہودیوں کا ایلیا نبی علیہ السلام کے متعلق تھا۔

یہودیوں کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ الیاس (علیہ السلام) آسمان پر زندہ موجود ہیں، جس کو وہ ایلیا نبی کہتے ہیں۔ اور دنیا میں پھر دوبارہ نازل ہوں گے۔ اور جب وہ نازل ہوں گے، تو یہودیوں کا موعود مسیح آئے گا۔ جب حضرت عیسیٰؑ نے مسیحیت کا دعویٰ کیا، اور یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی مسیح موعود ہوں، جس کے یہود منتظر ہیں۔ تو یہودیوں نے اپنی الہامی کتب کی بناء پر یہ سوال کیا۔ کہ موعود مسیح کے آنے سے پہلے حضرت ایلیا علیہ السلام کا نزول ضروری ہے۔ وہ تو ابھی تشریف نہیں لائے، پھر آپ مسیح موعود کیسے ہو سکتے ہیں، جس کے آنے کا ابھی وقت ہی نہیں آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ علیہ السلام کو جو حضرت زکریا علیہ السلام کے صاحبزادہ تھے، وہی ایلیا قرار دیا، جس کے دوبارہ نزول کے یہودی منتظر تھے۔ اور جس کے آسمان سے نزول پر یہودیوں کی الہامی کتابیں متفق تھیں۔ یہودیوں کے دل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ تاویل نہیں لگی۔ لیکن اُنہوں نے قطع حجت کے لئے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بھی دریافت کیا، کہ کیا آپ وہ ایلیا نبی ہیں جن کی آمد کے

ہم منتظر ہیں؟ حضرت یحیٰ علیہ السلام کا جواب صاف انکاری تھا۔ اس لئے یہودیوں کو اپنے انکار پر اصرار کے لئے اور بھی قوت مل گئی۔ اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت سے قطعاً انکار کر دیا۔ یہ تمام قصہ بائبل مقدس میں سلاطین کی دوسری کتاب باب۲ آیت ۱ تا ۱۱ اور ملاکی نبی کی کتاب باب۴ آیت ۵ و متی باب۱۱ آیت ۱۴-۱۵ و باب۱۷ آیت ۱۱-۱۲ و یوحنا کی انجیل باب۱ آیت ۲۷ تا ۲۹ میں موجود ہے۔ اور یہ کتابیں عام طور پر عیسائی مشن کے کتب خانہ سے مل سکتی ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ اس واقعہ کو ذہن نشین کرنے کے بعد جو کم از کم ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، کیا کوئی معقول آدمی یہ تسلیم کرنے سے انکار کر سکتا ہے، کہ اس زمانہ کے ہمارے مخالف علماء کی حالت بھی وہی ہو گئی ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کے احبار کی ہو گئی تھی۔ اللہ اللہ۔ حدیث پاک لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ سَلَكُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوْهُ[1] "کیسی صفائی کے ساتھ پوری ہو گئی۔ پس اس مختصر جواب سے کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی اور دوبارہ نزول کا یہی مطلب ہے، کہ آپ کی خُو بُو پر ضروریات زمانہ کی مماثلت کے لحاظ سے کوئی مصلح خود اُمت محمدیہ میں پیدا ہو گا۔ اور علماء اہل سنت والجماعت اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ دنیا میں نازل ہوں گے۔ تو باوجود بلحاظ اپنی جلالت شان اور علو مرتبت کے اُمت محمدیہ میں داخل اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہوں گے۔ لیکن بلحاظ مراتب جملہ اُمت محمدیہ سے افضل اور نبی ہوں گے، اور آپ کی نبوت مسئلہ ختم نبوت کے منافی اور مغائر نہ ہو گی۔ کیونکہ آپ کی نبوت علیحدہ اور اُمت محمدیہ سے متجاوز نہ ہو گی۔ (آثار القیامہ فی حجج الکرامہ مؤلفہ نواب صدیق حسن خانصاحب بھوپالوی صفحہ ۴۲۵ و ۴۲۶) یہی قول حضرت مرزا صاحب اور اُن کے متبعین کا ہے۔ پس اس طرح امر تصفیہ طلب نمبر ۲ کا بھی قابل اطمینان مختصر جواب ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد امر تصفیہ طلب نمبر ۳ قابل جواب رہ جاتا ہے۔ یعنی آیا مہدی و عیسیٰ علیہ السلام دو علیحدہ وجود ہیں یا ایک ہی وجود کے دو نام اور صفات ہیں، جو بطور علَم کے احادیث میں بیان

---

[1] تم ضرور اتباع کرو گے اپنے پہلوں کے طریق کی بالشت بالشت سے اور گز گز سے (یعنی پوری مطابقت کے ساتھ) یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی سوسمار کے بل میں گیا ہے تو تم بھی جاؤ گے (حدیث)

کئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مہدی فی نفسہ اسم ذات نہیں بلکہ صفت ہے۔ اصل نام آپ کا احادیث
میں محمد بیان کیا گیا ہے۔ اور بعض احادیث میں یُوَاطِئُ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ وَاِسْمُ اَبِیْہِ اِسْمُ اَبِیْ
وغیرہ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ بعض علماء نے احادیث مہدی کی صحت میں کلام کیا ہے۔ یہاں تک
کہ بخاری شریف میں مہدی کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ اور بعض علماء نے مہدی کی
متعلقہ احادیث کی توجیہ کی ہے، اور جملہ احادیث کو ان مخصوص علامات کے ساتھ جو احادیث
کی کتابوں میں موجود ہیں، مختلف اشخاص پر چسپاں کر کے ان سب کو مہدی قرار دیا ہے
اور اس لئے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ احادیث اپنے اپنے وقت پر پوری ہو گئیں۔ ان
مختلف توجیہات سے "اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ" کے مطابق ابن ماجہ کی مشہور حدیث
"لَا الْمَھْدِیُّ اِلَّا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ" کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ طویل قصہ
ہے۔ اور اس مختصر سی کتاب میں ان مباحث کو مکمل طور پر لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ جن کو اس
خاص مبحث کے متعلق شرح و بسط کے ساتھ معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہو، وہ ابن خلدون
کا مقدمہ تاریخ۔ سر سید احمد خان کے مضامین جو تہذیب الاخلاق وغیرہ میں طبع ہوئے
ہیں۔ اور سب سے زیادہ قریب زمانہ کا مجموعی حیثیت سے بہترین مضمون اس مسئلہ پر ہماری جماعت
کے فاضل مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے کا ہے، جو ریویو آف ریلیجنز جلد ۷ بابت ۱۹۰۸ء
میں بعنوان "مہدی آخر زمان" شائع ہوا ہے پڑھیں اس موقعہ پر مختصر طور پر ہماری جماعت کی پوزیشن
کو اس مسئلہ مہدویت کے متعلق ظاہر کرنے کے لئے میں جو کچھ کہہ سکتا ہوں، وہ ایک عام
دل لگتی ہوئی بات یہ ہے، کہ اس وقت تمام مذاہب عالم اپنے اپنے مذہب کے اخبار و پیشگوئیوں
کی بناء پر ایک مصلح کل کے منتظر ہیں۔ مسلمان، عیسائی اور یہودیوں کے انتظار کی نسبت تو کچھ
تفصیل کی ضرورت ہی نہیں، ہر ایک شخص اس سے واقف ہے۔ ہندو بھی کلنکی اوتار کے جن کو
جناب کرشن کی آمد ثانی کہا جاتا ہے منتظر ہیں۔ اسی طرح پارسی بھی ایک مصلح کے منتظر ہیں، جن کا
نام یا علم مسیودر بھی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جملہ مذاہب عالم اپنی اپنی روایات کی بناء پر ایک
ایسے مصلح کے منتظر ہیں، جو تمام عالم کے لئے مصلح ہوگا۔ اور یہ سارے مذاہب اس مصلح کا نام
یا لقب اپنی اپنی مذہبی زبان کے اعتبار سے الگ الگ بتاتے ہیں، لیکن اس کی صفت

زمانہ بعثت کے حالات اور دیگر علامات ایسی بیان کرتے ہیں، جو بڑی حد تک یکساں اور متفقہ معلوم ہوتی ہیں۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا، کہ تمام مذاہب ایک بے بنیاد بات پر متفق ہوئے، اور کسی عام مصلح کی آمد کا مسئلہ محض اُن کے وہم کی ایجاد ہے۔ اس لئے جہاں تک ایک مصلح کل کی آمد کے مسئلہ کا تعلق ہے، اس کی صحت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا لیکن یہ بالکل غلط ہے، کہ جملہ مختلف مذاہب میں علیحدہ علیحدہ ایک مصلح مامور آئے، جو بقیہ دوسرے مذاہب کے لئے بھی اصلاح کا دعویدار ہو۔ کیونکہ اگر جملہ مذاہب کی پیشگوئیوں کی صحت کو تسلیم کر کے یہ فرض کر لیا جائے، کہ ہر ایک مذہب میں الگ الگ مصلح اس زمانہ میں مبعوث ہوگا، جو واقعہ میں ساری دنیا کے لئے مصلح ہوگا، تو اس فرض سے جو فساد لازم آتا ہے، وہ ہر ذی ہوش و صاحب عقل خود سمجھ سکتا ہے۔ یونہی مذاہب عالم میں مخالفت کی آگ کیا کم ہے؟ کہ ہر ایک مذہب میں علیحدہ علیحدہ مصلحین ایک ہی زمانہ میں نازل کئے جائیں، جو باہمی جنگ و جدل اور فساد سے دنیا کو بھر دیں۔ اس لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں، کہ ایک مصلح کل کی بعثت کو تسلیم کر لیا جائے، جو خواہ کسی مذہب میں مبعوث ہو لیکن سارے مذاہب کو ایک مرکز پر لے آئے۔ بالکل اسی طرح جس طرح مولانا روم نے اپنی مثنوی میں بعنوان "منازعت کردن چہار کس جہت انگور باہمدگر" فرمایا ہے۔ کہ چار شخصوں کو ایک سخی نے ایک درم دیا۔ اُن میں سے ایک ایرانی، ایک عرب، ایک تُرک اور ایک رُومی تھا۔ ہر شخص کی خواہش تھی، کہ اس درم کے انگور خریدے جائیں، اور سب باہم مل کر کھائیں۔ چونکہ زبانیں سب کی جدا جدا تھیں، اور ایک کی زبان دوسرا نہ جانتا تھا، اس لئے ایرانی نے کہا میں انگور لوں گا تو عرب نے کہا نہیں میں تو عنب لوں گا اور تُرک نے کہا تم دونوں کیا بکتے ہو مجھے تو اوزم (اوزم تُرکی میں انگور کو کہتے ہیں) چاہئیں۔ رُومی نے کہا یہ سب خواہشیں فضول ہیں۔ اصل چیز جو لینی چاہیئے وہ استافیل ہے (استافیل رومی زبان میں انگور کا نام ہے) پس منشاء و مراد تو سب کی ایک ہی تھی، لیکن زبانوں کے اختلاف اور نافہمی کی وجہ سے باہم یہ سمجھتے رہے کہ ایک دوسرے کا کہنا نہیں ماننا۔ اس سے باہم تنازع و کشمکش شروع ہو گئی۔ اس اثناء میں ایک ذی علم اور صاحب عقل آدمی درمیان میں آگیا، جو سب زبانیں جانتا تھا۔ وہ وجہ اختلاف کو سمجھ گیا۔ اس نے کہا اچھا میں تصفیہ کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اُن سے درم لیکر

انگور خرید دیئے۔ جب سب نے اس کا تصفیہ اپنے منشاء اور مراد کے مطابق پایا، تو خوش ہوگئے اور باہم اتحاد ہو گیا۔ اس قصہ کو مولانا روم نے بڑے مزے لے لے کر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

چار کس را داد مردے یک درم
ہر یکے از شہرے افتادہ بہم

چار شخصوں کو درم اک نے دیا
مختلف شہروں کے وہ تھے برملا

فارسی و ترک و رومی و عرب
جملہ باہم در نزاع و در غضب

فارسی اور ترک۔ رومی اور عرب
کرتے تھے آپس میں غصہ اور غضب

فارسی گفتا ازیں چوں وا رہیم
ہم بیا کایں را بانگورے دہیم

فارسی بولا اسے کیوں چھوڑ دیں
آؤ کچھ انگور ہی کھانے کو لیں

آں عرب گفتا معاذ اللہ لا
من عنب خواہم نہ انگور اے دغا

تو عرب بولا معاذ اللہ لا
میں عنب لوں گا۔ نہ انگور اے دغا

آں یکے کز ترک بُد گفت اے گوزم
من نمے خواہم عنب خواہم اوزم

ترک جو تھا۔ بولا وہ اے ہمنشیں
میں اوزم لوں گا۔ عنب لونگا نہیں

آں کہ رومی بود گفت ایں قیل را
ترک کن خواہم من استافیل را

تھا جو رومی سن کے قال و قیل کو
بولا میں تو لوں گا استافیل کو

در تنازع مشت بر ہم مے زدند
کہ زسرّ نامہا غافل بُدند

جنگ تھی چلتے تھے گھونسے باہمی
ناموں سے واقف نہ تھا ان میں کوئی

مشت بر ہم میزدند از ابلہی
پر بُدند از جہل و از دانش تہی

مارتے تھے کر کے گھونسے ابلہی
جہل سے لبریز دانش سے تہی

صاحب سرّ عزیزے صد زباں
گر بدے آں جا بدادے صلح شاں

سو زبانیں جاننے والا جو ہو
صلح پر مائل کرے ان چار کو

پس بگفتے او کہ من زیں یک درم
آرزوئے جملہ تاں را مے خرم

اور یوں کہہ دے کہ لے کر اک درم
مول لیں آرزو تم سب کی ہم

چونکہ بسپارید دل را بے دغل | ایں درم تاں می کند چندیں عمل
اپنے دل کو دو تسلی بے دغل | یہ درم کرتا ہے کتنے ہی عمل
یک درم تاں مے شود چار المراد | چار دشمن مے شود یک ز اتحاد
اک درم کے اب ہوئے جاتے ہیں چار | چار دشمن جب ملیں ہو جائیں یار
گفت ہر یک تاں دہد جنگ و فراق | گفت من آرد شما را اتفاق
کہتا - تم ہو باعث جنگ و فراق | اب کرا دوں گا میں تم میں اتفاق
پس شما خاموش باشد انصتوا | تا زباں تاں من شوم در گفتگو
پس رہو خاموش اور چپ مہرباں! | بولوں تا بن کر تمہاری ہی زباں!
گو سخن تاں مے نماید یک نمط | در اثر مایہ نزاع ست و سخط
گو تمہاری باتیں ہیں سب ایک سی | ہیں اثر میں جنگ کا باعث بہی
در سخن تاں در توافق موثقہ ست | در اثر مایہ نزاع و تفرقہ است
ہے تمہاری گفتگو میں اتفاق | ہے اثر سے اس کے جھگڑا اور نفاق

یہ حکایت بیان کر کے مولانا نتیجہ اخذ فرماتے ہیں ؎

پس ریائے شیخ بہ ز اخلاص ما | کز بصیرت باشد آں ویں از عمیٰ
مکرِ شیخ اچھا ہمارے خُلق سے | ہے بصیرت اس میں - اندھا پن آئے
از حدیث شیخ جمعیت رسد | تفرقہ دارد دم اہل حسد
شیخ کی باتوں سے جمعیت ملے | حاسدوں کی باتیں ڈالیں تفرقے

---

اس نتیجہ کو پھیلا کر مومنانہ جذبات کی جس طرح مولانا روم رہنمائی فرماتے ہیں، وہ بھی دیکھنے کے قابل ہے، جس کو ہم نے خاتمہ کتاب میں بقدر ضرورت نقل کیا ہے۔

یہ تو بڑے بڑے مذاہب کی منازعت کا حال ہے۔ لیکن اس سے عجیب تر یہ ہے، کہ نہ صرف مختلف بڑے بڑے مذاہب بلکہ ہر مذہب کے ضمنی اور ذیلی شعبے بھی اس بات کے مدعی اور منتظر ہیں، کہ وہ مصلح اعظم و ہادیٔ کل انہیں فرقوں میں سے کسی ایک میں آئے گا۔ شیعوں نے

حضرت امام محمدؐ بن عسکری علیہ السلام کو اپنا امام تسلیم کر لیا ہے، اور کہتے ہیں کہ وہ دنیا ہی میں موجود لیکن غائب ہیں، آخری زمانہ میں ظہور فرمائیں گے۔ مہدویوں نے حضرت سید محمدؐ جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا امام مہدی تسلیم کر کے اپنے انتظار کو ختم کر دیا ہے۔ اس طرح یہ دونوں فرقے اپنی اپنی جگہ پر مطمئن ہو گئے۔ سُنیوں میں سے اہلحدیث، حنفی، حنبلی، مالکی اور شافعی اپنی اپنی جگہ اس نزاع پر قائم ہیں، کہ وہ مہدی اُن کے ہی فرقے میں سے ہو گا۔ غرضیکہ نہ صرف مذاہب عالم بلکہ مذاہب عالم کا ہر ذیلی فرقہ اس مصلح عالم کا منتظر ہے۔ اور یہی انتظار باہم ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لئے باعث منافرت بن گیا ہے۔ خدا کرے مولینا روم کے "صاحب سِرِ عزیزے صد زباں" کی طرح عین وقت پر وہ شخص لوگوں کے علم میں آجائے۔ جو "گر پدید آں جا بداد ے صلح شاں" کا مصداق ہو جائے۔ ورنہ حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔

اے خاصۂ خاصان رُسل وقت دعا ہے
اُمّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

مولانا روم کی یہ تو ایک حکیمانہ پندو نصیحت تھی، لیکن واقعی طور پر بھی بجز اس کے کوئی صورت قرین عقل نظر نہیں آتی۔ کہ کل مذاہب کا ایک مصلح موعود ہو۔ اور مسلمانوں کی حد تک خود یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے، کہ اگر دو امام یا دو مفترض الاطاعۃ خلفاء ایک ہی وقت میں مبعوث ہوں، تو ایک کی موجودگی میں دوسرے کی کیا صورت ہوگی؟ دو خلفاء اسلام میں جائز نہیں ہیں۔[1] اگر ایک دوسرے کا مطیع نہ ہو تو اس کا قتل جائز ہے[2]۔ ہاں ایسے امام جن کی اطاعت فرض یا واجب نہ ہو، چند بھی ہو سکتے ہیں۔ جس طرح کے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین ہوئے ہیں۔ پس اس عام فہم بات اور حدیث لَا الْمَهْدِيُّ إِلَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ کو پیش نظر رکھ کر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، کہ یا تو یہ کہا جائے کہ مہدی اور مسیح دو علیحدہ وجود نہ ہوں گے یا ایک کا زمانہ دوسرے کے زمانہ کے بعد کا ہو، جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔ لیکن یہ رائے بہت ضعیف سی ہے۔ اکثریت اس طرف ہے کہ زمانہ دونوں کا ایک ہی ہو گا۔ ہم اس مختصر رسالہ میں اس

---

[1] لَا يَجُوْزُ نَصْبُ إِمَامَيْنِ فِيْ زَمَانٍ وَّاحِدٍ (شرح عقائد نسفی صفحہ ۲۳ مطبوعہ انوار احمدی لکھنؤ)

[2] إِذَا بُوْيِعَ لِخَلِيْفَتَيْنِ فَاضْرِبُوْا عُنُقَ الْآخَرِ (الحدیث)

رائے کی صحت یا عدم صحت پر کوئی بحث ضروری نہیں سمجھتے۔ ہم کو صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ "مہدی" فی نفسہ کوئی متعین نام کسی شخص کا نہیں ہے وہ صرف ایک صفت ہے۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے، اس وقت وہ خود مہدی ہوں گے۔ دوسرا کوئی شخص اُن کے زمانہ میں علیحدہ مہدی نہ ہوگا، اور اس کو ہم اختصار کے ساتھ واضح کر چکے۔

اس طرح حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مدعی مہدویت و مسیحیت کے دعاوی کے متعلق اصلی اور بنیادی سہ گانہ امور تنقیح طلب کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔ اور ان بنیادی امور کے تصفیہ کے بعد دعویدار کے دعویٰ کی صداقت کے جانچنے کی نوبت آتی ہے۔ ان امور کے تصفیہ کے پہلے مرزا صاحب کی صداقت کی جانچ ایسی ہی ہوگی، جیسی ناپاک یا ناصاف برتن میں دودھ لینے کی کوشش۔ جب تک اپنا برتن صاف نہ ہو، دودھ خواہ کتنا ہی صاف و خالص اور آلائش سے پاک ہو، خود بخود ناپاک برتن میں آلودہ ہی نظر آئے گا۔ جب تک دماغ پر یہ عقیدہ مسلط ہے، کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہ خود دنیا میں دوبارہ اصلاح اُمتِ محمدیہ کیلئے تشریف لائیں گے، اُس وقت تک کسی ایسے دعویدار کے دعویٰ کی طرف توجہ ہو ہی نہیں سکتی، جو کہتا ہے میں اسی دنیا میں ماں باپ کے ذریعہ پیدا ہوا ہوں، اور میں وہی مسیح موعود جس کے تم منتظر ہو، اور جس کیلئے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہو۔ اور اگر توجہ ہو بھی تو ایسی ہی ہوگی، جیسے کوئی رنگین شیشہ آنکھ پر لگا کر سارے منظر کو رنگین ہی دیکھیگا۔ جب یہ عقیدہ دماغوں سے نکل جائے، اور درحقیقت قلوب یہ محسوس کرنے لگیں، کہ ہم ہی میں سے کوئی مصلح پیدا ہوگا۔ تو عرصۂ دراز کے انتظار کی وجہ سے قلوب خود بخود مضطرب ہو کر اس جانب رجوع ہو جائیں گے، کہ جو آواز آرہی ہے اس کو سن تو لیا جائے کہ کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنے والا آجائے، اور ہم اس سے محروم رہیں۔ پس یہ ضروری ہے، کہ پہلے حیات و ممات مسیح کا مسئلہ طے ہو جائے۔ اگر حضرت مسیح علیہ السلام مخالفین کے ادعا اور عقیدہ کے مطابق زندہ آسمان پر موجود ہیں تو اُن کی موجودگی میں اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، کہ زمین سے پیدا ہو کر جس شخص نے دعویٰ کیا ہے، اس کا وہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط۔ اُس شخص کی غلطی میں کیا شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے، کہ جو اصل مستحق شخص کی موجودگی میں اس کا منصب اپنے لئے تجویز کرتا ہے۔

پس یہ مسئلہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی کی جانچ کے لئے سب سے مقدم ہے۔ ابتدا ابتدا میں علماء نے اس مسئلہ کو قابل بحث سمجھ کر اس پر مناظرے اور مباہلے کئے، لیکن جب علماء اولین اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکے، اور اس بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑ دیا، تو بعد کے علماء نے جن کو احقاق حق اور ابطال باطل سے کوئی غرض ہی نہیں رہی، بحث کی ابتداء حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے مسئلہ سے شروع کر دی۔ اور کہہ دیا کہ ہم فرض کر لیتے ہیں، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے۔ اگر یہ مفروضہ للّٰہیت پر مبنی اور احقاق حق کے لئے ہوتا، تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا کہ مسیح موعود آسمان سے نہیں آئے گا، بلکہ زمین ہی سے مبعوث ہوگا اور وہ جو کوئی بھی ہو، بحیثیت مسیح موعود کے یقیناً نبی اور تمامی اُمت محمدیہ سے افضل ہوگا۔ اس تسلیم کے بعد مرزا صاحب کی نبوت اور اس کے جملہ شاخسانے جو پبلک کو بھڑکانے کے لئے لگائے جاتے ہیں، خود بخود تسلیم یا مفروض ہو جاتے۔ لیکن چونکہ اس طرح صفائی اور ایمانداری کے ساتھ ان ابتدائی امور کو صحیح تسلیم یا فرض کرنے کے بعد مخالفین کے ہاتھ میں کوئی مواد ہی پبلک کو بھڑکانے کے لئے باقی نہیں رہتا، اس لئے وہ ایک طرف تو اپنی کمزوری چھپانے کے لئے حضرت مسیحؑ کی موت فرض کر لیتے ہیں، لیکن دوسری طرف اس کے متعلقات یعنی مسیح موعود کے منصب و مرتبت پر اس طرح گفتگو کرنے لگتے ہیں، کہ گویا اُن کا مفروضہ مسیح موعود کوئی علیحدہ منصب و مرتبت رکھتا ہے، اور حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ اُس سے علیحدہ کچھ اور ہے۔ اس لئے ناواقف لوگ یہ سمجھ کر کہ قادیان کے ایک مرزا برلاس مغل نے نہ صرف تمام بزرگان سلف پر اپنی فضیلت کا دعویٰ کر دیا ہے، بلکہ بڑھتے بڑھتے اپنے آپ کو نبی کہنے لگا ہے۔ اصل حقیقت سمجھنے سے پہلے بھڑک جاتے ہیں۔ اور علماء اسی کو اپنی کامیابی سمجھ کر معاملہ کو یہیں ختم کر دیتے ہیں۔ اگر پبلک کے یہ ذہن نشین ہو جائے کہ مسیح موعود جو کوئی بھی ہو، بہر حال نبی اور تمامی اُمت محمدیہ سے افضل ہوگا، اور اُس کی اس فضیلت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، تو حضرت مرزا صاحب کی نبوت یا فضیلت کا بیان کسی طرح باعث اشتعال عوام نہیں رہتا۔ اب تو مخالف علماء کے ہاتھ میں سب سے بڑا حربہ یہی ہے۔ جس سے وہ عوام الناس کو بھڑکا دیتے ہیں۔ اور بڑی للّٰہیت کے ساتھ ہمدردانہ صورت بنا کر مسلمانوں کے مجامع کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ " بھائی مسلمانو یہ چند ہزار قادیانی

چالیس کروڑ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور اپنے سوا کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ یہاں تک کہ ہمارے معصوم بچوں کے جنازے بھی نہیں پڑھتے۔ اور غیر احمدی سے احمدی لڑکی کے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے اپنا علیحدہ نبی بنا لیا ہے۔ غضب ہے مسلمانو! کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے نبی کی ہتک کی جاتی ہے۔ اس کے کلمہ گوؤں کو کافر کہا جاتا ہے۔ کوئی مسلمان جب تک لا الٰہ الا اللہ غلام احمد رسول اللہ نہ کہے، مسلمان ہی نہیں رہتا۔"

یہ ایسی تقریر ہوتی ہے کہ مدتوں خود ہم بھی جو اب اصل حالات سے واقف ہو کر جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اس قسم کی خرافات پر پیچ و تاب کھاتے رہے اور اس مقدس انسان کو جو اس زمانہ میں فی الحقیقت ہمارا منجی ہے، ایک نہایت ہی مفسد اور مخرب اسلام تصور کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک علماء کے قصے کہانیوں پر اعتماد کرتے رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں، اور وہ آسمان سے ہی ہماری آنکھوں کے سامنے نازل ہونگے۔ اس وقت تک ایک ایسے شخص کی جو پیدا تو زمین سے ہوا ہے اور باتیں کرتا ہے آسمان کی اور سب کو اپنی بلندی کے سامنے ہیچ سمجھتا ہے۔ ہم پرواہ ہی کیا کر سکتے تھے۔ گو شرافت کے تقاضے سے (اگر کبھی ہمارے جذبات پر شرافت غالب آجاتی تو) خاموش بھی ہو جاتے تھے۔ مگر جب احمدیوں کے اس شور و شغب کو دیکھتے تھے کہ "جو مسلمان مرزا صاحب یا اُن کی جماعت کے کسی رُکن کو کافر و مردود اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں، وہ خود کافر ہیں۔" اور احمدیوں پر حرام کر دیا گیا تھا، کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھیں یا اُن کو لڑکیاں دیں جو احمدی نہیں ہیں، تو وہی معمولی مولویوں کا سا خیال آنے لگتا تھا، کہ یہ شخص تو خانہ براندازِ اسلام آپس میں تفریق پیدا کر رہا ہے۔ اس لئے جوش و غضب میں کچھ کا کچھ کہ جاتے تھے (نعوذ باللہ من ذالک) لیکن جب یہ سمجھ میں آگیا، کہ بحیثیت منصب کے جو شخص بھی مسیح موعود ہو گا، خواہ وہ اسی زمین سے کھڑا ہو جائے یا آسمان سے اُترے، بہر حال ہمیں اُس کی اتباع لازمی ہو گی، اور اُس کے آگے سر تسلیم خم کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو گا۔ اور مسیح موعود پر ایمان لانے کے بغیر کوئی ایمان باعث نجات نہ ہو گا۔ کل اعمال ہی حبط ہو جائیں گے۔ تو یہ بھی ذہن نشین ہو گیا، کہ فی الحقیقت مسیح کے دعوے کے ماننے والے اور نہ ماننے والے برابر نہیں ہیں۔ اس لئے کہ مسیح موعود بحیثیت حکم و عدل جو کچھ کہیگا،

اس کی تعمیل کرنا پڑے گی۔ اس لئے اگر مرزا صاحب نے دعوی مسیحیت کیا ہے، اور لوگوں نے اس کو صحیح مانا ہے، تو اُن کے متبعین کو یہی کرنا چاہیئے جو وہ کر رہے ہیں۔ یہ تو ایسے شخص کا حکم ہے، جس کو اس کے متبعین مسیح موعود مانتے ہیں، اور جس کو حدیث میں حَکَم و عدل کہا گیا ہے۔ اس سے کمتر درجے کے امامان فقہ نے جو مفترض الاطاعت نہیں ہیں، سُنّیوں پر شیعوں کے پیچھے نماز پڑھنا اور اُن کو لڑکی دینا حرام کر دیا ہے۔ اور اسی طرح شیعوں کے مجتہدین نے شیعوں کو سُنّیوں کے ساتھ معاملہ نہ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ معاملہ اس طرح سمجھ میں آ جانے کے بعد وہ نفرت جو مولویوں کی اندھا دھند مخالفت کی وجہ سے مرزا صاحب کی نسبت بحیثیت مخالف کے ہمارے دل میں پیدا ہو گئی تھی کم ہو گئی۔ اور یہ بات قرین عقل معلوم ہونے لگی، کہ ایسے احکام علیحدگی و تفریق کے جو بظاہر ناگوار سے معلوم ہوتے ہیں مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں۔ جو ہر ایک ابتدائی جماعت کو مضبوط و مستحکم کرنے اور دوسروں میں خلط ملط نہ ہونے دینے کیلئے ضروری و ناگزیر ہیں۔ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ"[۵]۔

جب مولویوں کا یہ اثر کم ہوا، اور ایک مرتبہ نفرت و رغبت سے خالی ہو کر خالصًا لوجہ اللہ محض خدا طلبی کے لئے مرزا صاحب کے دعاوی اور دلائل پر غور کرنے کا موقع ملا، تو حق ظاہر ہونے لگا اور یہ یقین ہو گیا، کہ اگر مرزا صاحب کے دعاوی و دلائل پر ٹھنڈے دل سے حق طلبی کے لئے غور کیا جائے، تو سوائے اس کے کہ کوئی بدظنی ہی درمیان میں حائل ہو جائے، یہ محال سا معلوم ہوتا ہے کہ مخلصین کے لئے دروازہ نہ کھول دیا جائے۔

پس جو طریقہ مخالفین نے مرزا صاحب کے اصل دعاوی و دلائل کو ترک کر کے لوگوں کو بھڑکا دینے کے لئے فروعی مباحث پر دھواں دھار تقریر کرنے یا مضامین یا کتابیں شائع کرنے کا اختیار کیا ہے، وہ یقینًا ایک زہر آلود طریقہ اشاعت الفواحش کا ہے۔ اور سادہ دل، سادہ مزاج اور نیک نیت اشخاص پر جو اسلام کا کچھ درد بھی رکھتے ہیں، زیادہ گمراہ کن اثر پیدا کرتا ہے۔ اگر مخالف مولوی صاحبان ایک دفعہ بھی لوگوں کو یہ سمجھا دیں، کہ اہل سُنت و الجماعت کا متفقہ اور مسلمہ

---

[۵] اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ مومنین کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ وہ خبیث اور طیب میں تمیز نہ کر دے۔ (پ ۴ ع ۹)

عقیدہ یہ ہے کہ "عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد کوئی مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا، جب تک کہ اُن کو قبول نہ کرے۔ جو مدعی ایمان و اسلام مسیح موعود سے علیحدہ اور اُن کا منکر رہے گا، وہ باوجود سارے اعمال کے ایک مومن اور مسلم کے درجہ تک نہیں پہنچ سکے گا، اور اس کے اعمال حبط ہوں گے۔ مسیح موعود ایک مفترض الاطاعت امام اور حاکم عادل ہوں گے۔ اُن کے احکام کی تعمیل میں کسی مسلمان کو چون وچرا کی گنجائش نہ ہوگی" تو یہ شور و شغب جو مولوی صاحبان نے دنیا میں مچا رکھا ہے، باقی ہی نہیں رہ سکتا۔

ظاہر ہے کہ جو شخص خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو گا، مفترض الاطاعت اور امام حکم عدل ہوگا۔ وہی ان تمام اختلافات و نزاعات کا تصفیہ کرنے والا ہو گا، جو امت محمدیہ کے مختلف فرقوں میں پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ اُن کے خیالات و معتقدات کی تجدید کرے گا، مومنین کے مراتب و فضائل کو ظاہر کرے گا، کسی کو بڑھائے گا اور کسی کو گھٹائے گا، تاکہ سب اپنے صحیح مقامات پر آجائیں۔ یہ کوئی معمولی کام نہ ہوگا۔ اس لئے "اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ[۵۱] بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ" کا نقشہ سامنے آجائے گا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے چند صدی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی اس شوریدگی و بدبختی کے نقشہ کو صاف طور پر دیکھ لیا تھا چنانچہ حضرت موصوف اپنے[۵۲] ایک مکتوب پنجاہ و پنجم موسومہ خواجہ محمد سعید و محمد معصوم میں ارشاد فرماتے ہیں:

> "نزدیک است کہ علماء ظواہر مجتہدات او را علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) از کمال دقت و غموض ماخذ انکار نمایند و مخالف کتاب و سنت دانند مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی است کہ ببرکت ورع و تقویٰ و بدولت متابعت سنت درجہ علیا در اجتہاد و استنباط یافتہ است کہ دیگراں در فہم آں عاجز اند و مجتہدات او را بواسطہ دقت معانی مخالف کتاب و سنت دانند و او را و اصحاب او را اصحاب رائے پندارند" (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی ص ۱۰۷)

---

۵۱ پس جب کبھی لایا تمہارے پاس رسول وہ چیز جو تمہارے نفس نہ چاہتے تھے تو تم نے ایک فریق کی تکذیب کی اور ایک فریق کو تم قتل کرتے تھے۔ پ ۱ ع ۱۱

۵۲ قریب ہے کہ علماء ظاہری حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے مجتہدات (یعنی جو احکام آپ اپنے اجتہاد سے کریں گے) بوجہ اس کے کہ

پس حضرت مسیح موعود کی فضیلت و مرتبت اور منصب و حکمیت مسلّمہ فریقین ہے لیکن علماء وقت بحث کے وقت ان تمام مسلمات کو پس پشت ڈال کر حضرت مرزا صاحب کے نہ صرف دعاوی و دلائل کو بلکہ ان جملہ اقوال کو بھی جنکو مسیح موعود و منتظر کے عہدہ و منصب کی نسبت سے دراصل مسلمات سمجھنا چاہیئے، پبلک کے سامنے بطور منکرات کے پیش کر کے مضحکہ اور استہزاء کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔

"وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ"[۵]

---

حاشیہ۔ اُن احکام کا اصلی ماخذ نہایت دقیق اور گہرا ہوگا، انکار کر دیں گے۔ اور نہ صرف انکار بلکہ اُس کو خلاف کتاب و سنت جانیں گے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی مثال حضرت امام ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی سی ہے جو بہ برکت ورع و تقویٰ اور بدولت متابعت سنت اجتہاد و استنباط کے ایسے اعلیٰ درجہ پر پہنچے کہ دوسرے اُس کے سمجھنے ہی سے عاجز ہیں۔ اور اُن کے مجتہدات کو بوجہ زیادہ باریک اور گہرے معانی ہونے کے کتاب اور سنت کے خلاف جانتے ہیں۔ اور اُن کو اور اُن کے متبعین کو اصحاب الرائے سمجھتے ہیں ❖

[۵] اور جب آیا اُن کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اُس کی جو ساتھ اُن کے ہے۔ اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔ (پ ۱ ع ۱۱)

صداقت جانچنے کے لئے معیار از روئے قرآن پاک۔ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی صداقت کے معیاروں پر پورے اترتے ہیں۔ انبیاء کی پیشگوئیاں۔ اُن کے جانچنے کے طریقے۔

گذشتہ باب میں ہم نے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کے متعلق ان بنیادی امور کو بیان کر دیا ہے جن کے تصفیہ کے بعد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعاوی کی صداقت جانچنے کی نوبت آتی ہے ظاہر ہے کہ ایک ایسے شخص کی صداقت کے جانچنے کے لئے جو خدا سے وحی و الہام پانے کا یا نبوت کا دعویدار ہو، اور خدا کے نام پر اپنے دعوے کو پیش کرتا ہو، کوئی معیار ہونا چاہیئے۔ اور سوائے قرآن پاک کے کوئی مستند معیار اور کہاں سے مل سکتا ہے؟ لہٰذا اس باب میں ہم قرآن کے بیان کردہ معیار صحت و صداقت میں سے بعض کی تصریح کریں گے۔

ان میں سے ایک اہم و مستحکم معیار یہ ہے، کہ مدعی کی اپنی حالت دعویٰ سے پہلے کیا تھی۔ آیا وہ شریر، بد اخلاق، جھوٹا اور فسادی مشہور تھا۔ یا آنکہ وہ لوگ جو اس سے واقف تھے، اس پر ہر طرح سے حسن ظن رکھتے تھے۔ اس معیار کو قرآن شریف نے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ اور ان میں سے بعض کا حوالہ اس معیار کی صحت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہوگا۔ پہلا موقع وہ ہے جب حضرت صالح علیہ السلام نے دعویٰ نبوت فرمایا، تو قوم نے اُن کو جو کچھ کہا وہ یہ تھا۔ "یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا"[۱] یعنی اے صالح (علیہ السلام) ہمیں تجھ سے بڑی بڑی امیدیں تھیں۔ اور تو ہم کو اُن کی پرستش سے منع کرتا ہے، جن کو ہمارے باپ دادے پوجتے تھے۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کو قوم نے جو طعنہ دیا وہ یہ تھا "قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا"[۲] یعنی اے شعیب (علیہ السلام) کیا تمہاری نماز نے تم کو حکم دیا ہے

---

[۱] پ ۱۲ ع ۶ [۲] پ ۱۲ ع ۸

کہ جن چیزوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اُن کو چھوڑ دیں، اور یہ کہ اپنے مالوں میں جس طرح تصرف کرنا چاہیں نہ کریں۔

اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے، کہ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام اپنی قوم میں بلحاظ اپنے تقوے اور طہارت و حالات کے ان لوگوں کے نزدیک جو اُن سے واقف تھے، مشارٌ الیہ ہوتے تھے۔ یہ تو اشارات ہیں، ان سے آگے بڑھ کر قرآن شریف اور خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی اپنے حالات زندگی قبل نبوت کو اپنے دعوئے نبوت کے ثبوت میں بطور دلیل کے پیش کیا ہو اور فرمایا ہے کہ " فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ "

یہ آیت سورۂ یونس میں ہے اور سورۂ یونس کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے۔ الٓرٰ ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ ۔ یہ پوری سورت ہی اثبات نبوت اور دلائل نبوت میں ہے۔ آیات مذکورہ کا ترجمہ یہ ہے :۔

> " میں اللہ سب کچھ دیکھتا ہوں۔ یہ آیتیں ہیں کتاب پُر حکمت کی کیا ہوا لوگوں کو تعجب کہ وحی بھیجی ہم نے ان میں سے ایک شخص کی طرف۔ یہ کہ ڈرا لوگوں کو اور بشارت دے مومنوں کو کہ اُن کے لئے مرتبہ اعلیٰ ہے اُن کے رب کے پاس، کہا کافروں نے یقیناً یہ کھلا کھلا جادوگر ہے۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ جب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئ نبوت پر لوگ بیدار ہوئے اور ان کو وحی الٰہی کی نسبت تعجب ہوا، اور کسی طرح یقین نہ آتا تھا، کہ ایک ہم جیسے آدمی سے خدا اس طرح کلام کرتا ہے۔ اس لئے آپ کو جھٹلاتے تھے۔ اور کوئی دلیل جھوٹا کہنے کی نہ ملتی تھی، تو اس کو جادو ہی کہہ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس انکار و تکذیب اور تعجب کو رفع کرنے کیلئے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دلیل پیش کرنے کا حکم دیا۔ قُل لَّوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُم بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ

لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ؔ" دراصل یہ تین دلائل یکجائی ہیں۔

**اوّل** یہ کہ جس علم سے تم واقف نہ تھے خدا نے وہ تم کو عطاء کیا۔

**دوم** یہ کہ تم جانتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں صدیق وامین و اُمّی تھے، وہ نہ تو ایسا علم اپنے پاس سے پیش کر سکتے تھے، نہ افتراء کر کے جھوٹ بول کے اس علم کو پیش کر سکتے تھے۔

**سوم** یہ کہ خدا پر جھوٹ و افتراء باندھنے والے خدا کے کلام کو جھٹلانیوالے فلاح نہیں پا سکتے۔ اور اب تم سمجھ لو، کہ اوّل تو وہ علم جس سے دُنیا واقف نہیں تھی، وہ تمہارے سامنے پیش کرتا ہے، پھر خدا کے نام سے پیش کرتا ہے۔ اور ایسا شخص پیش کرتا ہے، جو نہ عالم تھا نہ جھوٹا بلکہ امین اور صدیق اُمّی محض تھا۔ پس کیونکر ممکن ہے، کہ ایسا علم اپنی جانب سے پیش کر سکے۔ اور اگر ایسا ہو تو جھوٹ اور افتراء سے وہ فلاح کیونکر پا سکتا ہے۔ اور اگر وہ سچا ہے اور خدا کی طرف سے ہے، تو اس کی تکذیب تمہارے لئے مضر ہے۔

پس یہ ایک قطعی معیار ہے صداقت کے جانچنے کا۔ اس معیار کے مطابق دعویدار کی پہلی زندگی یعنی دعویٰ سے پہلے کی زندگی کے حالات کو جانچا جائے اور یہ معلوم کیا جائے، کہ دعویٰ سے قبل ان لوگوں میں جو اس کو جانتے تھے یا جن سے اس کا واسطہ پڑا ہے، وہ کیا شہرت و اعتبار رکھتا تھا۔ اس کے بعد یہ معلوم کیا جائے، کہ وہ کیا کہتا ہے یعنی کیا یُوں ہی واہی تباہی بکتا ہے یا کوئی علم پیش کرتا ہے۔

اس معیار کو جناب مرزا صاحب نے تمام مخالفین کے سامنے پیش کر کے للکارا ہے کہ:۔

"تم کوئی عیب افتراء یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو۔ کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے، یہ بھی اُس نے جھوٹ بولا ہو گا۔ کون تم میں ہے

---

ؔ؎ اگر چاہتا اللہ میں اس کو تم پر نہ پڑھتا (بیان کرتا) اور نہ تم کو اس سے باخبر کرتا۔ پس تحقیق اس سے پہلے میں نے تم میں ایک عمر گذاری ہے کیا تم سوچتے نہیں۔ پس اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹا افتراء کرے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے (ایسا شخص خدا کے نزدیک مجرم ہے) حقیقت یہ ہے کہ خدا مجرموں کو فلاح یافتہ نہیں بناتا یعنی اُن کو کامیاب نہیں کرتا۔ (پ ۱۱ ع ۷)

جو میری سوانح زندگی پر نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے ابتدا سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور سوچنے والوں کے لئے یہ ایک دلیل ہے۔"

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۲)

اس دعویٰ اور تحدّی کے باوجود کبھی کسی مخالف نے بھی آپ کی سابقہ زندگی یعنی دعویٰ مسیحیت سے قبل کی زندگی میں کوئی عیب نہیں نکالا۔ یہاں تک کہ خود جناب برنی صاحب نے بھی اپنی کتاب زیر جواب "قادیانی مذہب" کے ہر ایک ایڈیشن میں حضرت مرزا صاحب کی زندگی کے ۲ دو دور قائم کر کے پھر اور دور بھی بڑھائے، لیکن بہر حال دور اول یعنی دعویٰ سے پہلی زندگی کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ "پہلے دور میں تو وہ خوب خوش اعتقاد اور عقیدت مند نظر آتے ہیں۔ انبیاء و اولیاء کو اپنا بڑا مانتے ہیں، سب کی عظمت کرتے ہیں۔" کیا آپ سمجھ سکتے ہیں اگر حضرت مرزا صاحب کے کسی مخالف اور معاند نے حضرت مرزا صاحب کی پہلی زندگی کی نسبت کوئی الزام لگایا ہوتا تو جناب برنی صاحب اس کو اپنی کتاب میں نمایاں جگہ نہ دیتے ؟

اس عام بیان کے علاوہ حضرت مرزا صاحب کے واقف کاران حالات کے خاص بیانات بھی درج کئے جاتے ہیں۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو بعد میں حضرت مرزا صاحب کے سخت مخالف ہو گئے تھے براہین احمدیہ کی تصنیف کے وقت لکھتے ہیں :۔

"مؤلف براہین احمدیہ (حضرت مرزا صاحب) کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی اور شرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہمارے ہم مکتب بھی"

"مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربہ اور مشاہدہ کے رو سے (واللہ حسیبہ) شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار و صداقت شعار ہیں۔"

"اب ہم اس (براہین احمدیہ) پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔

"ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے ...

جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی ......... اور اس کا مؤلف (حضرت مرزا صاحب) بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔"

(اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۷)

یہ شہادت کافی سے زیادہ ہے اور ایسے شخص کی ہے، جو حضرت مرزا صاحب کا اُن کے دعویٰ کے بعد اشد مخالف رہا ہے۔ ایسے مخالف کی شہادت حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل کی زندگی کی نسبت بہت کافی ہے لیکن اس پر ہم مزید اضافہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی شہادت کا کر دیتے ہیں، جو اب تک زندہ موجود ہیں اور احمدیت کے سب سے بڑے مخالف ہیں۔ مولوی صاحب موصوف حضرت مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے حالات و خیالات سے نہایت درجہ متاثر تھے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب تاریخ مرزا کے صفحہ ۵۳ میں فرماتے ہیں:۔

"جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں (براہین احمدیہ تک اور اس کے بعد) اسی طرح مرزا صاحب سے میرے تعلق کے بھی دو حصے ہیں۔ براہین احمدیہ تک اور براہین سے بعد۔ براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن رکھتا تھا چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی ۱۷ - ۱۸ سال کی تھی، میں بشوق زیارت بٹالہ سے پا پیادہ تنہا قادیان گیا۔"

ان دو شہادتوں کے بعد تیسری شہادت بھی ایک ایسے شخص کی موجود ہے جس نے حضرت مرزا صاحب کو جوانی کے زمانہ میں جبکہ وہ ملازم تھے دیکھا اور پرکھا تھا۔ اور یہ مولوی سراج الدین صاحب مرحوم ہیں، جو مولوی ظفر علی خاں صاحب آف زمیندار کے والد تھے۔ مولوی صاحب موصوف حضرت مرزا صاحب کے انتقال کے بعد فرماتے ہیں:۔

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اُس وقت آپ کی عمر ۲۲ - ۲۴ سال کی ہو گی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔ عوام سے کم ملتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں ہمیں

ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی۔ ان دنوں میں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو و مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بہت کم گفتگو کرتے تھے۔"
(زمیندار اخبار مئی ۱۹۰۸ء بحوالہ عسل مصفّٰی جلد ۲ صفحہ ۶۳۴)

پس حضرت مرزا صاحب کی دعویٰ سے قبل کی زندگی بچپن و جوانی سے لے کر دعویٰ تک ایسی گذری ہے، جس کے لئے معتبر ترین اشخاص نے شہادت دی ہے۔ کہ صالحانہ و متقیانہ پاک و بے عیب زندگی تھی، جو اسلام کی خدمت میں صرف ہوتی تھی۔ اور جو جمیع حالات کے لحاظ سے ایسی زندگی تھی، جس کو دیکھنے کے لئے مولوی ثناء اللہ جیسے مدعیان دینداری آرزو رکھتے تھے۔ اور اس زندگی پر کبھی کسی جانب سے انگشت نمائی نہیں ہوئی۔ پس "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ" کے معیار کے مطابق حضرت مرزا صاحب کامل المعیار صادق قرار پاتے ہیں۔

اس کے بعد دوسری دلیل آپ کی صداقت کی وہ علم ہے، جو آپ نے خدا سے حاصل کر کے دنیا کو دیا۔ حضرت مرزا صاحب کی زندگی کا یہی وہ دورِ علمی ہے، جس کو برنی صاحب نے دوسرا دور قرار دے کر لکھا ہے کہ:۔

"لیکن دوسرے دور میں حالت بالکل برعکس ہے۔ اول تو علانیہ نبی بن جاتے ہیں پھر بڑھتے بڑھتے تقریباً تمام انبیاء و مرسلین سے صراحتًا یا کنایتًہ بڑھ جاتے ہیں بڑے بڑے دعوے زبان پر لاتے ہیں۔"

یہی وہ علم ہے جو حسب منشاء آیت محولہ بالا "لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُم بِهِ" کے خدا سے حاصل کرنے کے بغیر اور کسی طرح بذریعہ افتراء اور جھوٹ کے نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ اس علم کا ادنیٰ نمونہ ان آیات کی تفسیر ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں قرآن میں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ "يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ"۔ یہ علم جو اس آیت کی تفسیر کے طور پر حضرت مرزا صاحب نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے ایسا علم ہے، جو اس سے قبل دنیا کے سامنے بحیثیت علم کے نہ تھا۔ ممکن ہے کہ بحیثیت منفرد خیال کے اس کا اظہار کیا گیا ہو، مگر بحیثیت ایسے علم کے جو بلحاظ اپنے استحکام کے علماء وقت کو خاموش و لاجواب

کر چکا ہے کبھی پیش نہیں ہوا۔ اور نہ حضرت مرزا صاحب اس سے پہلے اس سے واقف تھے۔ خود حضرت مرزا صاحب کا علم خاص جو اس بارہ خاص میں تھا، وہ براہین احمدیہ اور دعوی سے پہلے کی کتابوں سے ظاہر ہے، کہ حضرت مغفور بھی مثل دوسرے علماء کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل تھے۔ اور آسمان پر زندہ موجود سمجھتے تھے۔ اور اب تک علماء مخالف حضرت مرزا صاحب کے اس علم کو ہمارے مقابلہ میں بطور حجت پیش کرتے رہتے ہیں۔ پس جو علم حضرت مرزا صاحب کو قبل دعوی ماموریت اس مسئلہ کی نسبت تھا وہ بالکل اس علم کے مخالف تھا، جو بعد دعوی مسیحیت بذریعہ وحی اُن کو عطا کیا گیا ہے۔ پس کلام الٰہی کا یہ معیار صداقت کہ "لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ" پورے طریقہ پر باقی آیت "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" کے ساتھ مل کر مکمل ہو جاتا ہے۔ آیت "لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ" اس بات کو واضح کرتی ہے۔ کہ مدعی نبوت و صداقت جو علم تمہارے سامنے پیش کرتا ہے، وہ ایسا علم ہے جس سے پہلے تم واقف نہ تھے۔ یہاں تک کہ مدعی نبوت بھی خود اس سے واقف نہ تھا اور تم واقف ہو، کہ وہ تم میں اُمّی محض تھا۔ اس لئے ایسا علم خود اس کے دماغ کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ اگر خدا تم کو یہ علم عطا نہ کرنا چاہتا، تو اس مدعی نبوت کے ذریعہ تم پر وہ تلاوت نہ کیا جاتا اور نہ تم اس سے واقف ہو سکتے۔ اس سے معلوم ہوا، کہ جب کوئی واقعی صحیح اور نافع علم آتا ہے، تو خدا کی طرف سے آتا ہے۔ اور جب وہ بندہ جو خدا کا فرستادہ نبی ہونے کا دعویدار ہوتا ہے، ایسا علم پیش کرے، تو تم سمجھ لو کہ وہ خدا ہی کی جانب سے ہے، جس کے سوا کوئی ایسا علم ایسے اُمّی کو عطا نہیں کر سکتا۔ حضرت مرزا صاحب ان علوم کی نسبت جو اُن سے ظاہر ہوتے ہیں، خصوصاً مسئلہ وفات مسیح کے متعلق اُمّی محض تھے۔ بلکہ اس سے بھی کسی قدر زیادہ کہ اُن کا حاصلہ علم، علم الٰہی کے قطعاً مخالف تھا۔ ان کے حاصلہ علم میں کوئی گنجائش اس علم کی نہ تھی، جو جناب الٰہی سے عطا ہوا۔ یہ امر کہ آیا یہ علم صحیح و واقعی ہے یا نہیں؟ ان دلائل سے ظاہر ہوتا ہے، جو حضرت مسیح موعودؑ کی ۸۰ کے قریب تصنیفات اور جماعت احمدیہ کے ضخیم لٹریچر میں مہیا کر دئے گئے ہیں۔ اور جن کا نمونہ ہم باب سوم میں دے چکے ہیں۔ اور یہ امر کہ وہ نافع ہے یا نہیں، صرف اس مختصر سی بات سے سمجھ میں آجائے گا، کہ موجودہ عیسائیت کی بنیاد عقیدہ ابنیت مسیح پر ہے، اور ابنیت کی مدد اُن کے عقیدہ حیات سے ہوتی ہے۔

پس اگر یہ ثابت ہو جائے (جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ثابت کر دیا ہے) کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے وقت پر فوت ہو گئے؛ نہ اب وہ زندہ ہیں نہ غیر معمولی عمر پائی۔ تو مسلمانوں کی طرف سے جو مدد عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے متعلق غلط عقیدہ رکھنے کی وجہ سے عیسائیت کو پہنچ رہی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح عیسائیت کا وہ ستون جس پر وہ قائم ہے، اپنی بنیاد سمیت غائب ہو جاتا ہے۔ اور ابنیت مسیح کا عقیدہ باطل ہو جانے کی وجہ سے مسیحیت کی موجودہ شاندار عمارت منہدم اور اس کی وجاہت نمک کی طرح پگھل کر بہہ جاتی ہے۔ اور یہی غرض مسیح موعود کی بعثت اور نزول کی، احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ پس حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مسیح موعود کی حیثیت سے جو علم عقیدہ حیات مسیح کے متعلق دنیا کے روبرو پیش کیا ہے، وہ وہ صحیح اور نافع علم ہے، جو بارگاہ الٰہی سے آپ کو بطور نشان صداقت عطا کیا گیا تھا۔ اس طرح حضرت مرزا صاحب کی ابتدائی صادقانہ و عارفانہ و متقیانہ زندگی کے ساتھ اس علم الٰہی کے نور کا اضافہ کر لیا جائے، تو "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ"[1] ہو جاتا ہے۔ اور صداقت روشن ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد آیات مذکورہ میں سے دوسری آیت یعنی "فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ"[2] اپنے مطلب کے ساتھ واضح ہو کر ذہن میں اتر جاتی ہے اور یہ صاف ہو جاتا ہے، کہ کوئی شخص خدا پر افترا دیا ندھ کر یعنی خدا کے علم سے اس کی مرضی کے خلاف ازراہ کذب و افترا، اس کا نائب و سفیر بن کر دنیا میں پنپ نہیں سکتا۔ اور اس طرح جو شخص خدا کے سچے پیغمبر یا نبی سے برسرِ پرخاش ہو گا، اور اس کو جھوٹا قرار دیگا، وہ بھی فلاح نہیں پا سکتا۔ پس ان آیات میں تین معیار حق و صداقت کے جانچنے کے لئے مہیا کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان معیاروں میں سے آخری معیار کی توثیق ایک دوسرے معیار قطعی سے بھی ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں نبوت کی صداقت کی دلیل کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ کہ "لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ ۝"[3] یعنی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات ہم پر

---

[1] نور پر نور (پ ۱۸ ع ۱۱) [2] پس اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر افتراء کرے یا اس کی آیات کو جھٹلائے بے شک اللہ مجرموں کو کبھی کامیاب نہیں کرتا (پ ۱۱ ع ۷) [3] (پ ۲۹ ع ۷)

بنا لیتے تو ہم اُن کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اُن کی رگِ جان کاٹ دیتے۔ یہ کلام الٰہی صدق و کذب کا ایک قطعی معیار ہے، تاکہ حق و باطل باہم ملتبس نہ ہو سکیں۔ نبوت کا دعویٰ دنیا کے لئے ایک قیامت ہوتا ہے۔ اس کی تکذیب کی وجہ سے کروڑہا آدمی مارے جاتے ہیں، وہ مدعی تن تنہا ساری دنیا کو پکارتا ہے، اور جو اس کی نہ سُنے اس کو وہ ملزم قرار دیتا ہے، جس پر خدائی احکام جاری ہوتے ہیں۔ اگر ایسا صاحب اقتدار شخص خود جھوٹا اور کذّاب ہو، تو دنیا کا کیا حال ہوگا۔ ایک طرف تو خدا حکم دیتا ہے، کہ ہمارے بھیجے ہوئے کو مانو، اور دوسری طرف من ملنے جو چاہے خدا کی طرف سے آنیکا دعویٰ کر دے، تو مخلوق الٰہی کا کیا حال ہوگا۔ اس لئے اس کا انتظام اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ رکھا ہے اور صاف فرمایا ہے، کہ اگر کوئی ایسا کرے، تو ہم اس کو مہلت نہ دینگے اور اس کو معہ اُس کے کاروبار کے تباہ و برباد کر دیں گے۔ یہی مضمون توریت میں بھی آیا ہے۔ ملاحظہ ہو استثناء باب ۱۸ آیت ۲۰۔

"لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا۔ یا اور معبودوں کے نام سے کہے۔ تو وہ نبی قتل کیا جائے۔"

یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص اپنے آپ کو دنیاوی حکومت کا نمائندہ یا حاکم ظاہر کرے اور اس پر اصرار کرے، تو اس دنیا کی حکومتیں بھی اُس کو بغیر سزا دئے نہیں چھوڑتی ہیں تاکہ دنیا پر یہ ظاہر ہو جائے، کہ یہ شخص کذاب ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو دُنیا سے امن و حکومت اُٹھ جائے۔ جب دنیاوی حکومتوں کا یہ حال ہے، تو خیال کرو اللہ تعالےٰ کسی شخص کو یہ اجازت کیونکر دے سکتا ہے، کہ کوئی اس کے نام سے اس کی مخلوق کو بھکاتا رہے۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اپنی مخلوق پر رحم فرما کر یہ قطعی معیار حق و باطل کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اور اس کے لئے مخلوق کو جانچ کی زحمت نہیں دی، بلکہ خود ہی اس کا اہتمام فرما دیا، کہ کوئی جھوٹا نبی اتنی مہلت نہیں پاتا۔ کہ اس کی مخلوق کو مسلسل گمراہ کرتا رہے اور کامیاب ہو۔ یہ ایسا مسلمہ اصول و معیار صداقت ہے، کہ علماء اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے جس کی صراحت آگے کی جائے گی۔ اور یہ ایسا معیار صداقت ہے، جس کو مرزا صاحب نے بھی طبع چہارم کی فصل ۲۰ مین صفحہ ۸۶۰ طبع پنجم صفحہ ۱۰۵۸ پر تحریر فرمایا ہے کہ :-

"جبکہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین بالمومنین رؤف رحیم جیسے نبی کو یہ تنبیہ ہو کہ جبروت و کبریائی سے دل کانپ اٹھے اور اس کے سوا کس کا حوصلہ ہے جو اس خطاب کا متحمل ہو"

ظاہر ہے کہ جب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی اعلیٰ و برتر شان رکھنے والی ہستی صاحب معراج و صاحب کوثر کو جس پر عرش سے فرش تک صلوٰۃ و سلام جاری ہے، یہ ہمت نہیں ہو سکتی، کہ ایک شعشہ یا ایک نقطہ بھی اپنی طرف سے زائد کر سکے، تو دوسرے کس شمار و قطار میں ہیں جو خدا پر افتراء کر کے کئی کئی جزء الہامات کے اس کی طرف جھوٹ منسوب کر سکیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اس مستحکم و مضبوط معیار صداقت سے بھی جناب برنی صاحب دانستہ یا کور فہمی سے نادانستہ گریز کر کے آگے بڑھ گئے۔ اور ان آیات پر پہنچ گئے، جو مفتری کی حالت جان کندنی کے متعلق ہیں۔ بلاشبہ ایک مفتری علی اللہ کی آخری حالت مطابق آیہ مبارکہ وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ...... الخ[۱] نہایت ہی ذلت کی ہوگی۔ لیکن یہ تو وہ سزا اس کے افتراء کی ہے جو دنیا میں کسی کو نظر نہیں آ سکتی، اس لئے اس سزا سے کوئی ایسا معیار ہاتھ نہ لگا جس کی بنیاد پر دنیا میں صداقت جانچی جا سکے۔ جناب برنی صاحب کو جو عادت تحریف کی پڑ گئی ہے، اس عادت کے راسخ فی القلب ہو جانے کا یہ نتیجہ ہوا، کہ قرآن پاک میں بھی تحریف کی طرف طبیعت مائل ہو گئی۔ اور اپنی طرف سے قرآن پاک کے الفاظ سے قطع نظر کر کے یہ فقرہ بڑھا دیا کہ "جیتے جی ان گمراہوں کو کچھ پتہ نہ چلے، کہ کس حال میں مبتلا ہیں"۔ پوچھئے یہ قرآن پاک کے کن الفاظ کا ترجمہ یا مفہوم ہے؟ قرآن پاک کے اصل الفاظ ہم نے خود برنی صاحب کی کتاب زیر جواب سے لیکر اوپر نقل کر دئے ہیں۔ قرآن پاک میں کہیں یہ نہیں ہے کہ مفتری علی اللہ کو یہاں دنیا میں آزاد چھوڑ دیا جائے گا، اگر ایسا ہو تو غضب ہو جائے گا۔ امن و امان دنیا سے اٹھ جائے گا۔ اور

---

[۱] کاش تم ظالموں کو اس حالت میں دیکھو جب وہ موت کی غشیوں میں پڑے ہوئے ہوں۔ اور ملائکہ ان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں کہ اپنی جانیں نکالو اب تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی بسبب اس کے کہ تم اللہ پر ناحق جھوٹ بولتے تھے اور تم اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔ (پ ۷ ع ۱۷)

دوسری جتنی آیات برنی صاحب نے اس فصل میں لکھی ہیں، اُن سب سے ہمارے بیان کردہ معیار کے خلاف کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی۔

پس یہ مستحکم و مضبوط معیار کہ اللہ پر جھوٹ بولنے والے اسی دنیا میں پکڑے جاتے ہیں اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

ان چار قوی تر و مستحکم معیاروں کے سمجھ لینے کے بعد کسی مزید معیار کے تلاش کرنیکی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے جانچنے کے لئے ایک اور پانچواں معیار بھی کارآمد ہوسکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر آنے والا نبی جس کی پہلے سے پیشگوئی کی گئی ہو اپنے متقدم نبی کی تعلیم کا مصدق ہوتا ہے۔ اور جب آنے والا نبی کوئی خاص شریعت لانے والا نبی نہ ہو، بلکہ تابع شریعت سابقہ ہی ہو، تو یہ معیار خاص طور پر اس سے متعلق کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا معاملہ تو اس سے بھی کسی قدر زیادہ ہے، کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع اور امتی بھی ہیں۔ اس لئے یہ معیار حضرت مرزا صاحب مسیح موعود علیہ السلام سے بدرجہ اولیٰ متعلق ہوتا ہے۔ اس معیار کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف مقامات پر بعض انبیاء کے حالات اور اُن کے دعاوی کے سلسلہ میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن زیادہ صاف اور اقرب الی التسلیم آیت اس بارہ میں یہ ہے۔ "وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْآ اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ"[1] اگرچہ یہ میثاق انبیاء سے لیا گیا ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں، اور مفسرین نے اس کی صراحت کی ہے، کہ یہ میثاق جملہ انبیاء کی اُمتوں سے بھی متعلق ہے۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ ازل میں سب سے یہ اقرار لیا گیا تھا، کہ جب کوئی نبی دوسرے نبی کے بعد آوے، اور تصدیق کرنیوالا اُن تعلیمات کا ہو جو نبی ماقبل کی اُمت کے پاس ہیں، تو اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ اس معیار کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی کے ساتھ آپ کی تعلیم کو دیکھو، کہ آیا وہ خالص اسلام اور شریعت محمدیہ کی تصدیق ہے یا کچھ اور؟

---

[1] ۳ع ۱۷۶ -

اس کے بعد ایک چھٹا معیارِ صداقت یہ ہے، کہ جو شخص وحی والہام کا دعویدار ہو، اس کے وحی والہام میں جو اخبار ماضیہ یا آئندہ ہوں، وہ صحیح اور مطابق واقعہ ہونی چاہئیں۔ اس لئے ایسے دعویدار کی وہ پیشگوئیاں سچی ہوتی ہیں، جو وہ اپنے دعوے کی تائید میں ادعائے وحی والہام کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اس طرح پر کل چھ معیار ہوئے، جن پر کسی دعویدار نبوت کی صداقت جانچی جا سکتی ہے۔

**اوّل** یہ کہ دعویدار نبوت کے دعوے سے پہلے کی زندگی دیکھی جانی چاہیئے۔ کہ آیا وہ پاک و بے عیب ہے یا نہیں۔ کیونکہ ایک متقی اور امین کی نسبت خدا پر جھوٹ بولنے کا تصور معدوم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اُس کے دعویٰ کو جانچنا ضروری ہو جاتا ہے۔

**دوم** یہ کہ جو دعویٰ وہ کرتا ہے، آیا اُس کے ساتھ وہ کوئی ایسا صحیح و نافع علم لایا ہے یا نہیں، جو موجب اصلاح ہو۔

**سوم** یہ کہ خدا پر جھوٹ بولنے والا فلاح نہیں پا سکتا۔

**چہارم** یہ کہ جھوٹا نبی قتل کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

**پنجم** یہ کہ اس کی تعلیمات مذہبی وہی ہوتی ہیں، جو اس کے ماقبل کے مسلمہ نبی کی تعلیمات ہیں۔

**ششم** یہ کہ اس کے الہامات میں جو مغیبات ہیں، وہ صحیح اور مطابق واقعہ ہوں۔

ان چھ معیاروں پر یا جو اور معیار قرآن شریف و حدیث کے مطابق معیار صدق یا حق و باطل قرار پائیں، انہی کے مطابق حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام مدعی مسیحیت و مہدویت کا دعویٰ جانچا جا سکتا ہے۔

خدا اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے معیار کو پس پشت ڈال کر اپنی اپنی ذاتی کیفیت کے مطابق صدق و کذب جانچنے میں سوائے تمسخر اور مضحکہ کی ضلالت کے اور کیا چیز حاصل ہو سکتی ہے۔ پس یہ وہ معیار ہیں، جن کے مطابق ہم نے حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کو جانچا اور صحت کو قبول کیا ہے۔ اب جو شخص یہ ہمت رکھتا ہے، کہ ان سے یا دیگر ایسے ہی علمی معیار صدق و کذب کو قرآن و حدیث سے ظاہر کر کے حضرت مرزا صاحب کا کذب ثابت کرے، تو ہم

اس کے ساتھ ہیں۔ ہم تو حق و باطل کا تصفیہ چاہتے ہیں۔ ”هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا“[۱]

ہم نے جو معیار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے جانچنے کے لئے پیش کئے ہیں، ان میں سے معیار اوّل و دوم یعنی آپ کے دعویٰ کے ماقبل کی زندگی اور اس علم کی نسبت جو آپ لائے، مختصر سی صراحت اوپر کی جا چکی ہے۔ جن سے قرآنی معیاروں کی مطابقت ہو جاتی ہے، اور اس مختصر رسالہ میں اسی قدر کافی ہے۔

معیار نمبر ۳ کی نسبت یہ کہہ دینا کافی ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ ماموریت و وحی و الہام اور اُن کی وفات کے درمیان ۲۷ سال کا فرق ہے۔ اور وفات کے بعد سے جو مئی ۱۹۰۸ء میں واقعہ ہوئی، اب تک ۲۸ سال گذر چکے ہیں۔ آپ کے متبعین اب بھی موجود ہیں، اور اسی رنگ میں موجود ہیں، جو رنگ مرزا صاحب نے اُن پر چڑھایا تھا[۲]۔ ”صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً“ یعنی وہی دعویٰ ہے جو حضرت مسیح موعودؑ نے پیش کیا تھا، اور ہماری یہ کتاب اسی کی تصدیق ہے۔ پبلک اس کا اندازہ کر سکتی ہے، کہ اس تمام زمانے میں فلاح یعنی کامیابی و کامرانی حضرت مرزا صاحب اور اُن کے متبعین کے ساتھ ہی رہی یا نہیں۔

جماعت احمدیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سے جو ترقی کی ہے، اس کی نسبت اگر ہم خود کچھ لکھیں، تو شاید قابل اعتبار نہ سمجھا جاسکے۔ اس لئے ایک شدید معاند اخبار زمیندار مورخہ ۹۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء سے دو اقتباس پیش کر دیتے ہیں۔ جن میں اخبار مذکور جماعت احمدیہ کی ترقی سے برافروختہ ہو کر اس کی ترقی کو روکنے کے لئے اپنے ہم خیال لوگوں کو برانگیختہ کرنا چاہتا ہے، اور لکھتا ہے:۔

”آج میری حیرت زدہ نگاہیں بہ حسرت دیکھ رہی ہیں کہ بڑے بڑے گریجویٹ اور وکیل اور پروفیسر اور ڈاکٹر جو کونٹ اور ڈیکارٹ اور ہیگل کے فلسفہ تک کو خاطر میں

---

[۱] کیا تمہارے پاس اس کے متعلق کوئی علم (سند علمی) ہے اگر ہے تو ہمیں بتاؤ (پ۸ ع۶) [۲] جناب مُنی صاحب نے اپنے رسالہ طبع اول کے صفحہ ۱۱۲ پر ان صریح الفاظ میں کہ ”قادیانی جماعت تو واقعی ٹھیٹ قادیانی ہے ان کے اصول و عقائد بالکل یکسانی ہیں“ قبول فرمالیا ہے کہ جماعت احمدیہ قادیان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پوری تعلیم پر عامل ہے اور اس پر حضرت علیہ السلام کا اصل رنگ چڑھا

نہ لاتے تھے غلام احمد قادیانی کی (معاذ اللہ) خرافات واہیہ پر اندھا دھند آنکھیں بند کرکے ایمان لے آتے ہیں" (زمیندار ۹- اکتوبر ۱۹۳۲ء)

"یہ ایک تناور درخت ہو چلا ہے۔ اس کی شاخیں ایک طرف چین میں دوسری طرف یورپ میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں" (مفہوماً از زمیندار ۹- اکتوبر ۱۹۳۲ء)

چوتھا معیار بھی نہایت صاف و قطعی ہے۔ اس کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ تقریباً تمام علماء اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق و اجماع ہے۔ شرح عقائد نسفی میں بھی اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس شرح عقائد نسفی کی شرح میں جو نبراس کے نام سے لکھی گئی ہے، اس کی وضاحت کی ہے ........ تفسیر کشاف و روح البیان و فتح البیان و بیضاوی و تفسیر کبیر میں بھی اس کی صراحت ہے۔ اور زمانہ حال کے مخالف علماء میں سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اپنی تفسیر ثنائی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

"جہاں اور قوانین الٰہی ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ کاذب مدعی نبوت کو سرسبزی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے ........ مسیلمہ کذاب اور عبید اسود عنسی نے ...... دعویٰ نبوت کئے۔ اور کیسے کیسے جھوٹ خدا پر باندھے لیکن آخر کار خدا کے زبردست قانون کے نیچے آکر کچلے گئے"

پھر حاشیہ میں فرماتے ہیں:-

"دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے جو کوئی زہر کھائے گا ہلاک ہوگا"

اس معیار کے مطابق بھی حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

پانچواں معیار تصدیق تعلیمات نبی ما قبل کا ہے۔ اس کے لئے واضح ہونا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی دعویٰ نبوت اس قسم کا نہیں، جس سے شریعت اسلامیہ و اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی جائز ہو۔ حضرت مسیح موعود کا دعویٰ بھی یہی ہے، کہ مجھے جو مقام نبوت ملا ہے، وہ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپکی اتباع سے

ملا ہے۔ گویا اصطلاح صوفیاء کے مطابق فنا فی الرسول کا مقام ہے، جو عطا کیا گیا ہے۔ اس لئے آپ کا دعویٰ محض وحی و الہام و کثرت مکالمہ الٰہیہ کا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت محمدیہ کی تصدیق و تائید اور اشاعت اسلام کے لئے ہے۔ اور اس وحی و الہام کے ذریعہ دین کی تجدید منظور ہے۔ تاکہ جو غل و غش تعلیم اسلام میں شامل ہو گیا ہے، اس کو اصل سے علیحدہ کر کے اسلام کا منور چہرہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، اور صرف اسی لحاظ سے آپ نبی ہیں۔ علماء وقت نے نبوت کا جو منشاء اور مطلب سمجھ رکھا ہے، کہ نبی اپنا کلمہ، اپنا قبلہ، اپنا دین وحی و الہام کے ذریعہ سے علیحدہ بناتا ہے۔ یعنی شریعت لاتا ہے، اور دوسرے ماقبل نبی کا متبع یا اُمتی نہیں ہوتا۔ ان معنوں کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی دعویٰ نبوت کا نہیں۔ آپ نے ہمیشہ اپنے ایسے نبی ہونے سے انکار کیا ہے۔ اور اس کو صریح کفر بلکہ ارتداد عن الاسلام قرار دیا ہے، اور اس سے بار بار انکار کیا ہے، اور ہمیشہ ایسا نبی ہونے سے انکار ہی کرتے رہے۔ چنانچہ ہمارے موجودہ خلیفہ و امام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اپنی کتاب "حقیقۃ النبوۃ" کے صفحہ ۱۴۸ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"میں ایک دفعہ پھر یہ بات ظاہر کر دینی چاہتا ہوں۔ کہ میرا اور تمام اُن احمدیوں کا جو حضرت مسیح موعود (علیہ السلام) کے ساتھ صحیح تعلق رکھتے ہیں۔ اور خود حضرت مسیح موعود کا ہرگز ہرگز بھی یہ مذہب نہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی آ سکتا ہے، جو قرآن کریم کو منسوخ کرے یا اس کے بعض احکام پر خط نسخ کھینچ دے۔ یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری سے باہر ہو کر کچھ حاصل کر سکے۔ بلکہ ہم ایسے شخص کو جو بعد آنحضرت (صلعم) کے بلا واسطہ فیض پانے کا دعویٰ کرتا ہے یا بعد قرآن کریم کے نئی شریعت لانے کا مدعی ہے، لعنتی اور کذاب خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی نہیں، سوائے اس کے کہ آپ کے فیض سے فیضیاب ہو۔ اور بعد قرآن کریم کے کوئی اور شریعت نہیں۔ نہ پورے طور پر اسے منسوخ کرنے والی اور نہ اس کے کسی حصہ کو منسوخ کرنے والی۔ قرآن کریم کا ایک نقطہ یا شوشہ بھی کوئی شخص بدل نہیں سکتا اور نہ اس کی زیر و زبر میں تغیر کر سکتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کے بعض احکام کو بدل دے"۔

"ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر کوئی صاحب کمال نہیں گزرا۔ پس کمال کے بعد کسی اور شئی کی حاجت نہیں رہتی۔ اب جو آئے گا، آپ کے کمالات کے اظہار اور اس کے اثبات کے لئے آئے گا نہ کہ آپ سے الگ ہو کر اپنی حکومت جمانے۔"

حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی کو جن معنوں میں ہم نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور جن معنوں میں آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اس کی حقیقت صرف یہی ہے کہ آپ بغیر کسی جدید شریعت کے صرف دین اسلام اور شریعت محمدیہ کی اشاعت کے لئے خدا سے وحی و الہام پاکر مامور کئے گئے ہیں اور ہم اسی کو نبی کہتے ہیں اور ہم قرآن کریم سے اس قسم کی نبوت کا ثبوت پاتے ہیں۔

اُمم سابقہ میں بھی اس قسم کے انبیاء بلا شریعت جدیدہ آتے رہے ہیں۔ جیسے کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔ اس لئے ہم اُمت محمدیہ کی تجدید و اشاعت کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوئے نبوت اُمتی کو تسلیم کرتے ہیں۔ پس ایسے نبی کے لئے ضروری ہے، کہ اس کی تعلیم بھی وہی ہو جو خالص اسلام اور شریعت محمدیہ کی تعلیم ہے۔ آپ نے جو تعلیم ہمارے سامنے پیش کی ہے، وہ سب کو معلوم ہے۔ "کشتی نوح" میں خاص کر اس تعلیم کو صراحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، مخالف سے مخالف بھی اس تعلیم کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتا، کہ اصل اسلام کی تعلیم کے سوائے وہ کچھ اور ہے۔ اگرچہ برنی صاحب نے اپنی کتاب "قادیانی مذہب" کی طبع اوّل میں یہ بے جا کوشش بھی کی تھی، کہ وہ لوگوں کو یہ باور کرائیں، کہ قادیانیوں کا حج قادیان میں ہوتا ہے۔ مگر جب ہم نے اپنی کتاب "تصدیق احمدیت" کی طبع اوّل میں اُن کی اس تحریف و تدلیس کا بھانڈہ پھوڑ دیا۔ اور ان کو لکھا اور چیلنج دیا، کہ وہ اس کو ثابت کریں، تو کان دبا کر خاموش ہو گئے، اور دوسرے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تعلیم دی ہے، وہ خالصتہً اسلامی تعلیم ہے جس کا خلاصہ ہم باب چہارم میں دے چکے ہیں۔

چھٹا معیار پیشگوئیوں کی صداقت کے متعلق ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں کی بنیاد رؤیاء و کشوف والہامات و وحی پر ہوا کرتی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی مبنی پیشگوئیوں کا انبیاء علیہم السلام کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہر شخص کم از کم رؤیاء کی نسبت

تو یہ جانتا ہے، کہ وہ تعبیر طلب ہوا کرتی ہیں۔ بلاشبہ بعض اوقات رؤیائے صالحہ بعینہٖ اور بجنسہٖ اسی طرح وقوع میں آجاتی ہیں جیسے کہ وہ خواب میں نظر آتی ہیں۔ لیکن اکثر اوقات وہ تعبیر طلب ہوتی ہیں۔ قرآن شریف کی سورۂ یوسف میں خود حضرت یوسفؑ اور شاہ مصر کے رؤیاء کا ذکر آتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے کمسنی میں یہ خواب دیکھا تھا، کہ چاند و سورج اور ستارے اُن کو سجدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام کی جوانی کے بعد جب وہ خود عزیز مصر مقرر ہوئے، ماں باپ کی موجودگی میں پوری ہوئی۔ اور حضرت یوسفؑ تحدیث نعمت کے طور پر پکار اُٹھے "وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا"[۵۱] حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تین خوابوں کا ذکر قرآن شریف میں آتا ہے۔ پہلی خواب کا اشارہ سورۂ انفال کی آیت "اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا"[۵۲] اور دوسری کا سورۂ بنی اسرائیل کی آیت "وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ"[۵۳] میں ملتا ہے۔ تیسری خواب صلح حدیبیہ کے متعلق ہے، جس کے بعد سورۂ فتح نازل ہوئی۔ اس خواب میں جو کچھ نظر آیا تھا وہ تعبیر طلب تھا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خواب، خصوصاً نبی کا خواب وحی ہوتا ہے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس وحی کی جو تعبیر خیال فرمائی تھی، اور جس کے مطابق عمل فرمایا وہ بجنسہٖ اس وقت تو پوری نہ ہوئی، مگر نتیجۃً بالآخر وہ فتح مبین کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اسی طرح احادیث میں بھی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض رؤیاء و کشوف کا ذکر آتا ہے۔ جن کی صداقت تعبیر کے ذریعہ سے ظاہر ہوئی۔ لفظی یا ظاہری طور پر اُن کی مطابقت واقعات سے نہیں کی جاسکی۔ غرض یہ کہ رؤیاء و کشوف بعض اوقات تو صاف اور واضح ہوتے ہیں اور بعض اوقات اُن کی تعبیر و تاویل کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ تعبیر و تاویل ان واقعات کی بناء پر کی جاتی ہے، جو بعد میں پیش آتے ہیں۔ پس رؤیاء و کشوف گویا استعارات ہوتے ہیں۔ ٹھیک طریقہ پر ان کا منشاء اور مطلب بعد الوقوع ہی سمجھ میں آتا ہے۔ قبل وقوع ان کے معنی معین کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

---

[۵۱] اے میرے باپ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جس کو اللہ نے سچا کر دیا (پ۱۳ ع ۵) [۵۲] جبکہ دکھلایا اللہ نے انہیں تجھ کو تیرے خواب میں تھوڑے (پ۱۰ ع ۱) [۵۳] اور جو خواب ہم نے تمکو دکھائی تھی اس کو لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا تھا (پ۱۵ ع ۶)

اگر اس طرح کے معنی معین کر دئے جائیں، تو اُن پر کوئی استدلال اس غرض کے لئے کہ رؤیا، یا کشوف کے وہی معنے تھے، جو قبل از وقوع بیان کئے گئے، صحیح نہیں قرار پا سکتا۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ اس توضیح کے لئے قطعی سند ہے۔ اگلے باب میں جہاں محمدی بیگم کی پیشگوئی پر بحث کی جائے گی، ہم اس واقعہ صلح کی بھی تفصیل کریں گے۔ یہاں ہم اپنے بیان کو اس پر ختم کرتے ہیں۔ کہ جہاں تک پیشگوئیوں کا تعلق ہے، اُن کی جانچ ایک مدعی نبوت و صداقت کے معاملہ میں ضرور ایک صحیح معیار صداقت ہے۔ لیکن پیشگوئیوں کی جانچ کے لئے یہ اصُولی امُور ذہن نشین رہنے چاہئیں، کہ بعض اوقات صاحب پیشینگوئی، پیشینگوئی کے سمجھنے میں اجتہادی غلطی کرتا ہے، اور بعض اوقات منذر پیشگوئیوں میں باوجود صراحت نہ ہونے کے اس شخص کی انابت و توبہ بھی عذاب کو ٹال دیتی ہے، جس کی نسبت وہ پیشگوئی کی گئی ہے:

# باب ششم

ماموؔرمن اللہ کی پیشگوئی معیار صداقت ہے۔ ماموؔر من اللہ کی پیشگوئی کی بناء الہام الٰہی ہوتا ہے۔ الہاؔم الٰہی جو مغیبات پر مشتمل ہو، اس کی صداقت واقعات پیش آمدہ کے مطابق جانچی جانی چاہیئے۔ الہاؔم اگر اپنے الفاظ و محمل کے لحاظ سے پورا ہو جائے، تو اس کے دوسرے مفاہیم ناقابل استدلال ہیں۔ محمدؔی بیگم کے نکاح والی پیشگوئی۔ اسؔ پیشگوئی کے متعلقہ اصلی الہامات۔ الہاماؔت مذکورہ واقعات پیش آمدہ پر بآسانی منطبق ہو جاتے ہیں۔ پیشؔگوئی مذکورہ کی غرض اور غایت۔ محمدؔی بیگم کی پیشگوئی الہام الٰہی کے مطابق تھی، اور وہ کامل طور پر پوری ہوئی۔ پیشگوؔئی مذکورہ کے سمجھنے اور سمجھانے میں مخالفین کی غلط فہمی کی صراحت۔

پچھلے باب میں ہم نے مدعی ماموریت یا دعویدار نبوت کی صداقت کے جانچنے کیلئے قرآن پاک سے منتخب کر کے چند معیار پیش کئے ہیں۔ منجملہ دیگر معیار کے پیشگوئیوں کو بھی ہم نے معیار صداقت قرار دیا ہے۔ چونکہ ایک نبی، ایک مامور من اللہ کے احوال، اعمال، اقوال عموماً علم و ارادہ الٰہی کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کے اعمال و اقوال و احوال سب سے علم و ارادہ الٰہی کا ظہور ہونا چاہیئے۔ اور جب وہ مامور من اللہ کسی خاص قول یا عمل و حال کو متحدیانہ طور پر علم و ارادہ الٰہی سے وابستہ بیان کرے تب تو ضروری ہے کہ انوار الٰہی اس سے ذائع و شائع ہوں اس لئے پیشگوئی جو علم و ارادہ الٰہی کا اعلان اور اس کا اظہار ہوتی ہے۔ مدعی ماموریت کی صداقت کے جانچنے کے لئے حسب منطوق آیت وافی ہدایت " فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ "[1] کے ایک نہایت ہی نمایاں اور قریب الفہم معیار قرار پاتی ہے۔ لیکن جس طرح اللہ تعالٰی کی صفات کاملہ کا علم سوائے انبیاء علیہم السلام اور ان کی فیض یافتہ جماعت کی صحبت کے محض فلسفہ یا دیگر

---

[1] غیب پر غلبہ سوائے برگزیدہ رسولوں کے اور کسی کو نہیں دیا جاتا (سورہ جن رکوع ۲ پ ۲۹)

دنیاوی علوم کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح وہ خاص تعلیمات الٰہی جو انبیاء اور ماموران الٰہی کے ساتھ مخصوص ہیں محض قیاس و استقراء و منطق اور دنیاوی زیرکی کی مدد سے سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ ؎

"کار پاکاں برقیاسِ خود مگیر"

حکمت یونانیان اس جگہ کام نہیں دیتی۔ یہ مقام حکمت ایمانیان سے کام لینے کا ہے۔ اور حکمت ایمانیاں کلیتہً قرآن پاک میں منحصر ہے۔ جس میں امم ماضیہ کے حالات اور واقعات کو جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پیش آئے، نہایت ہی دلنشین اور عبرت انگیز طریقہ پر بیان فرمایا گیا ہے اور سلسلہ بیان میں وعدہ و وعید الٰہی اور انذار و تبشیر اور اس کے ظہور و وقوع اور قبل ظہور و وقوع اس کے فہم اور تفہم کے متعلق اسرار و حکم کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ بھر دیا ہے۔ چنانچہ باب ششم میں ہم نے اس خزانہ سے لے کر چند جواہر ریزے پیش کر دیئے ہیں۔ جن کی لمعات انوار سے انذاری الہامات اور عذاب اور وعیدی پیشگوئیوں کے ان مخفی و مستتر اور دقیق الفہم شرائط پر کافی روشنی پڑتی ہے، جو اس قسم کے وعید میں مضمر ہوتے ہیں۔ اور یہ روشنی اور بھی زیادہ صاف اور تیز ہو جاتی ہے، جب اُس قوم یا اُس اُمت کی ذہنیت اور نفسیات کو بھی سامنے رکھ لیا جائے، جو ایک مامور من اللہ کے خلاف ضد اور انکار پر اَڑی ہوتی ہے۔ اور جو اپنی ضد اور انکار کی بدولت مستحق عذاب ہوتی ہے۔ ایک نبی برحق، ایک مامور من اللہ پر ایمان نہ لانے والے گروہ یا افراد کا تقریباً ہر زمانہ میں ایک ہی نقشہ رہا ہے۔ حق و صداقت کی مخالفت میں انسانی نفسیات کا ظہور ہر زمانہ میں یکساں اور ایک ہی طرح پر ہوتا رہا ہے۔ اور یہی نکتہ ہے جس کو "تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ"[۱] کے بلیغ ترین جملہ میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ اور اسی لئے اُمم سابقہ کے حالات کو مختلف پہلوؤں سے بار بار قرآن میں ذکر فرمایا ہے۔ تاکہ علم النفس کے ذریعہ اور وسیلہ سے "قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ"[۲]

---

[۱] ان کے دل مشابہ ہو گئے ہیں بے شک خدا تعالےٰ نے اپنی آیات کو بیان فرما دیا اس قوم کے لئے جو یقین لاتے ہیں (سورۂ بقرہ رکوع ۱۴) [۲] تحقیق ہدایت گمراہی کے مقابلہ میں نمایاں کر دی گئی۔ (سورۂ بقرہ ع ۳۴)

کی حقیقت واضح ہو جائے۔ اور "اکراہ فی الدین"[51] کا دنیا سے خاتمہ ہو جائے۔ مسلمانوں سے قریب ترین قوم بنی اسرائیل ہے۔ اور کیا بلحاظ اس کے کہ قرآن پاک کے مخاطب اوّل بنی اسماعیل تھے، جو بنی اسرائیل کے علاتی بھائی ہیں۔ اور کیا بلحاظ اس کے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا"[52] ان دونوں سلسلوں یعنی یہودیت اور اسلام میں باہم ایسا تشابہ ہے کہ حضرت اصدق الصادقین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ ان دونوں قوموں میں ایسی مشابہت ہوگی، کہ اگر پہلوں کا کوئی فرد گوہ کے بِل میں گیا ہے، تو دوسرا بھی جائے گا۔ "لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ سَلَكُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوْهُ" (بخاری۔ مسلم۔ ترمذی)

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت دعوت نے جو عمل حضرت موصوف سے کیا ہے، تقریباً وہی حضرت ختمی مآب کے ساتھ اور آپ کے بعد آپ کے خلیفۂ برحق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بھی ہونا چاہیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انذاری پیشگوئیوں اور وعید کی نسبت باوجود ان کے ظہور اور وقوع کے بھی فرعون و آل فرعون استہزاء ہی کرتی رہی "فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝"[53] یعنی جب موسیٰ (علیہ السلام) ہماری نشانیاں لیکر اُن کے پاس آئے تو وہ اُن کا مضحکہ اڑانے لگے۔ حالانکہ ہم نے ان کو کوئی ایسی نشانی نہیں دکھائی جو ایک سے ایک بڑھکر نہ ہو، اور ہم نے اُن کو عذاب کے ساتھ پکڑا تاکہ وہ شاید ہماری طرف رجوع ہو جائیں۔

اس طرح جب آل فرعون پر عذاب الٰہی نے گھیرا ڈال لیا تو مجبور ہو کر ان بدبختوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ "قَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝"[54] یعنی اے جادوگر (موسیٰ علیہ السلام) تو اپنے پروردگار سے عذاب ٹلنے

---

[51] دین میں جبر  [52] بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول کو شاہد کر کے بھیجا جیسا کہ فرعون کی طرف (موسیٰ علیہ السلام) کو بھیجا تھا (سورۂ مزمل ع ۱) [53] و [54] (پ ۲۵ ع ۱۱)

کے لئے دعا کر اس لئے کہ اُس نے تجھ سے (قبولیت دعا کا) عہد کیا ہے۔ ہم ضرور راہ پر آجائیں گے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں سے جب عذاب الٰہی ٹل گیا، تو پھر وہی حالت ہوگئی۔ اور وہ لوگ اپنے ارادہ اور عہد سے پھر گئے" فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ [۵۱]" یعنی جب ہم نے عذاب ٹال دیا تو انہوں نے اپنے عہد کو توڑ دیا۔ یعنی راہ پر آجانے اور ہدایت قبول کرنے کے عہد کو پورا نہ کیا۔

یہ عذاب کیا اور کس قسم کے ہوتے تھے۔ اس کی صراحت سورۃ اعراف میں اس طرح ہے۔

" وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ [۵۲]"

اسی سورۃ میں دوسری جگہ یہ صراحت ہے کہ " فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ [۵۳] ۝"

یعنی قحط۔ فصلوں کی خرابی۔ طوفان۔ ٹڈی دل۔ جوؤں اور مینڈکوں کی کثرت اور خون کے فساد یا کثرت پیدائش خون غیر صالح کے عذابات قوم فرعون پر آتے رہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں سے ٹلتے رہے۔ ان آیات سے پانچ باتیں واضح ہوجاتی ہیں۔

۱۔ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعاؤں سے قوم فرعون پر عذاب آتے رہے۔

۲۔ یہ کہ پہلے پہل ان بددعاؤں اور اُن کے اثرات کا مضحکہ اڑایا گیا۔ لیکن جب عذابوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا یعنی بار بار آتے رہے، تو یہ محسوس کیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ہیں۔ یعنے

۳۔ (نعوذ باللہ من ذالک) یہ عذاب نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے جادو یا اُن کی اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست کا اثر ہے۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہ کر اُن سے

---

[۵۱] جب ہم نے اُن پر سے عذاب رفع کردیا تو لگے اپنا عہد توڑنے۔ (پ ۲۵ ع ۱۱)

[۵۲] اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو برسوں کی خشک سالیوں اور کمی پیداوار کے عذاب ) میں مبتلا کیا تاکہ وہ لوگ متنبہ ہوں۔ جب اُنکو کوئی فائدہ پہنچتا تو وہ کہتے یہ ہمارا حق ہے۔ اور اگر ان پر کوئی مصیبت آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست سمجھتے۔ پ ۹ ع ۶

[۵۳] پ ۹ ع ۶ سورۃ اعراف

استمداد و استدعاء عذاب ٹلنے کے لئے کی گئی۔

۴۔ یہ عذاب محض معمولی موسمی بے اعتدالی یا تغیرات یا ہوا کی خرابی کی قسم کے تھے۔

۵۔ غرض ان عذابوں کی یہ ہوتی تھی کہ لوگ خدا کی طرف رجوع کریں اور اُسکو یاد کریں۔

ان آیات کے اس خلاصہ سے واضح ہو جاتا ہے، کہ انبیاء کی بعثت کے بعد سرکش اُمتوں پر عذاب الٰہی کی وعید یا اُن کا نزول اکثر اصلاح کی خاطر ہوتا ہے نہ کہ انتقام کیلئے۔ جو عذاب الٰہی انتقامی ہوتا ہے، اس کی حیثیت علیحدہ ہوتی ہے۔ ایسے عذابات دفعتہً واحدۃً آجاتے ہیں، جن کی پہلے سے کوئی اطلاع نہیں دی جاتی۔ وعیدی عذاب صرف اصلاح حال کے لئے ہوتے ہیں۔ اور اُن کی پہلے سے اجمالی یا تفصیلی اطلاع بھی دیدی جاتی ہے۔ بلاشبہ اس قسم کے عذابات کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے، جیسے کہ کوئی مہربان باپ اپنے بچہ کو دھمکائے کہ اگر تم نہیں مانوگے، تو مار پڑے گی۔ اور جب بچہ اپنی نادانی و حماقت سے باپ کے کہنے کے مطابق باز نہ آئے، تو باپ غصہ کی صورت بنا کر ہاتھ میں بید لیکر یا طمانچہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے، اور اس طرح بچہ کی طرف بڑھتا ہے، کہ اگر بچہ عاجزی کرنے لگے، تو وقتی طور پر مار سے بچ جاتا ہے یا ایک آدھ ہاتھ پڑ جانے کے بعد سخت مار سے محفوظ رہتا ہے۔ اس قسم کے انذاری عذابات کا امم سابقہ کے تعلق سے قرآن پاک میں جابجا ذکر آتا ہے منجملہ اُن کے یہ ایک نمونہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے انذاری و وعیدی عذابات کا ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً عذاب آتے رہے اور کبھی کبھی عاجزی اور رجوع الی اللہ کی بدولت ٹلتے بھی رہے۔ اور ہر حال میں ان عذابات کے وعید یا انزال و التواء کی غرض و غایت صرف اصلاح حال تھی، جس کو اللہ پاک نے صاف طور پر ان الفاظ میں ظاہر فرما دیا ہے کہ "اَخَذْنٰھُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ" یعنی ہم نے اُن کو عذاب میں اس لئے پکڑا کہ شاید وہ رجوع الی اللہ کر سکیں پس امم سابقہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو سلوک رہا، وہی اُمت دعوت محمدیہ کے ساتھ بھی تھا اور اب بھی موجودہ مدعی دعوت و تبلیغ الٰہی کے زمانہ میں ہونا چاہیئے۔ اس لئے یہ بھی ایک طریق ہے، جس کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کی انذاری و وعیدی پیشگوئیوں کو جانچا جا سکتا ہے۔

---

پ ۲۵ ع ۱۱

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی انذاری پیشگوئیوں کے مطابق طوفان آئے، زلزلے آئے، فصول و ثمرات ضائع ہوئے۔ نئے نئے مہلک امراض اور شدید ترین جنگوں نے نسل انسانی پر نہایت تباہی اور بربادی ڈالی۔ لیکن ان سب کا اثر اور نتیجہ آل فرعون پر آئے ہوئے عذاب کے اثر و نتیجہ سے بھی کم رہا، باوجودیکہ عذابوں کی شدت اور وسعت آل فرعون کے عذابوں سے بدرجہا زیادہ تھی۔ بلکہ بعض سنگدلوں نے "تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ"[۱] کا ثبوت دیکر وہی کہا، جو آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے کہا تھا کہ "تَطَيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ"[۲] "يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ"[۳] - "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"[۴]

آل فرعون پر جو کچھ گذرا وہی تقریباً ابوجہل اور اس کے ہمنواؤں اور متبعین پر بھی گذرا۔ لیکن فرق یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نزول عذاب کے لئے بددعائیں کی تھیں، مگر رحمۃ للعالمین رات دن اُٹھتے بیٹھتے جلوت و خلوت میں "رَبِّ اهْدِ قَوْمِيْ اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ"[۵] کی عاجزانہ و دردمندانہ دعاؤں میں مصروف رہے، اس لئے عذاب محسوس و ظاہری رُکا رہا لیکن بار بار "اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا"[۶] کی تہدید ہوتی رہی اور جتایا جاتا رہا، کہ گو ظاہری عذاب، رُسواکن عذاب نازل نہیں کیا جاتا ہے، مگر نتیجہ تمہاری تباہی اور اسلام کی ترقی کا ظاہر ہوتا جاتا ہے۔ چاروں طرف سے تم دبتے چلے جا رہے ہو۔ باوجود اس کے کہ جب ابوجہل نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ جنگ بدر کو جاتے ہوئے کعبہ کے سامنے یہ دعا کی "اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ"[۷] تو بارگاہِ الٰہی سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع دی گئی، کہ خدا کے شایانِ شان نہیں ہے، کہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ تعالےٰ ان پر

---

[۱] اُن کے دلوں کی مشابہت [۲] موسیٰ اور اُس کے ساتھیوں کی نحوست ہے (پ ۹ ع ۶) [۳] افسوس ہے بندوں پر (پ ۲۳ ع ۱) [۴] ہم صرف اللہ ہی کے [illegible] ہیں اور اسی کی طرف لوٹیں گے (پ ۲ ع ۳) [۵] اے میرے رب میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نہیں جانتے [۶] کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم (مسلمانوں کی تعداد بڑھاتے جانے سے) ملک کو سب طرف سے (اُن کے لئے) تنگ کرتے جا رہے [illegible] (پ ۱۳ ع ۱۲) [۷] اے اللہ اگر یہ (مذہب اسلام) تیری طرف سے سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر یا ہم کو سخت عذاب میں مبتلا کر۔ (پ ۹ ع ۱۸)

عذاب نازل کرے یا یہ کہ وہ خدا سے مغفرت طلب کریں، اور خدا اُن کو عذاب دے۔ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ"ؔ[1] ان آیات میں نزول عذاب کے رُکے رہنے کا گر بتا دیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی ابوجہل کی عذاب کے بارہ میں دعا بشکل عذاب قتل قبول ہو ہی گئی۔ گو اس پر پتھر نہیں برسائے گئے، لیکن آج تک اس پر لعنت کے جو پتھر برس رہے ہیں، ان سے اُس کی رُوح یقیناً اب خبردار ہو گئی ہوگی۔

ان آیات پاک اور واقعات سے یہ واضح ہو گیا کہ عذاب الٰہی توبہ و استغفار و رجوع الی الحق سے ٹل جایا کرتا ہے لیکن عذاب الٰہی کی جو اصل غرض ہے یعنی اصلاح اور دین کا مقابلہ کرنے اور دین کے لئے روک اور سد بننے سے باز رکھنا۔ وہ اس طرح پوری ہو جاتی ہے کہ یا تو عذاب الٰہی کے اندیشہ سے لوگ اپنی اصلاح کر کے خدا اور خدا کے رسول کی جانب رجوع ہو جاتے ہیں یا وہ راہ کے کانٹے کی طرح ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ابوجہل اور اُس کے ۹ سردار بدر کی جنگ میں مسلمانوں کی تلوار کے گھاٹ چڑھے، اور خس کم جہاں پاک کے مصداق ہو گئے۔ اور ستر سردار گرفتار ہوئے۔ اس طرح کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں جن کی تعداد ۳۱۳ سے زیادہ نہ تھی ذلیل و رسوا ہوئے۔ اور جن کی قسمت میں فلاح و بہبودی تھی، وہ بالآخر اس لڑائی کے بعد مسلمان اور ایسے مسلمان ہوئے، کہ تاریخ اسلام میں اپنا نام زندہ چھوڑ گئے۔ جیسے عکرمہ ابن ابوجہل اور ابوسفیان وغیرہم اجمعین۔

اس تمہید سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے، کہ انذاری پیشگوئیوں کی غرض و غایت کیا ہوتی ہے اور وہ کس طرح پوری ہوتی ہیں، یعنی ان کی تکمیل کن شرائط کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور بالآخر اُن کے اثرات و نتائج کیا ہوتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض وہ انذاری پیشگوئیاں نمونۃً ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں، جو صفائی کے ساتھ پوری ہو گئیں۔ اسی سلسلہ میں ہم محمدی بیگم

---

[1] اور خدا ایسا بے مروت نہیں ہے کہ آپ ان لوگوں میں موجود ہوں۔ اور وہ (آپ کے رہتے) ان کو عذاب دے۔ اور ایسا بے رحم بھی نہیں ہے کہ ان کو عذاب دے ایسی حالت میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔ (پ ۹ ع ۱۸)

کے نکاح والی پیشگوئی کی بھی وضاحت کریں گے، جس پر مخالفین سلسلہ ابھی تک اڑے ہوئے ہیں۔ اور اُسی قسم کے اعتراضات واستہزاء کرتے ہیں، جو امم سابقہ کے بعض سرپھروں نے کئے تھے۔ اُن پیشگوئیوں کا ذکر جو پوری ہو چکی ہیں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہر ایک کتاب میں جو اسی[۸۰] کے قریب ہیں، موجود ہے۔ نیز سلسلہ کے اخبارات واشتہارات میں جو بزمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام شائع ہوئے تھے، موجود ہے۔ ان سب کا حصر و شمار تو ناممکن سا ہے، لیکن ان کا یکجائی نمونہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب حقیقۃ الوحی میں مل سکتا ہے۔ جس میں دو سو[۲۰۰] سے زائد پیشگوئیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہم نمونۃً چند پیشگوئیوں کو یہاں بیان کرتے ہیں۔ لیکن پیشگوئیوں کا نمونہ پیش کرنے سے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ مامور من اللہ کے الہامات عموماً صفت علم و قدرت الٰہی کا پرتوہ ہوتے ہیں۔ صفت علم الٰہی کا پرتوہ " فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ[۱] " کی تصدیق کے لئے اور صفت قدرت کا پرتوہ " كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ[۲] " کے ظہور کے لئے ہوتا ہے، تاکہ ازل کا وہ بھولا ہوا عہد اس قدرت نمائی کی وجہ سے یاد آجائے، جس کا ذکر سورۃ اعراف کی اس آیت میں ہے۔ " اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا[۳] " اللہ تعالیٰ اس گواہی کو اس قدرت نمائی کے ذریعہ سے تازہ کرتا رہتا ہے۔ جو مامور من اللہ کے ذریعہ سے ظہور میں آتی ہے۔ تاکہ انسانی ارواح اپنے بھولے ہوئے عہد کو تازہ کر لیں۔ اُس عہد کو جو اُن کے نفوس میں مرتکز ہے۔ یہ عہد جو انسانی ارواح و نفوس میں منقش ہے، دنیاوی گرد و غبار میں دب جاتا ہے۔ لیکن اگر

---

[۱] کسی کو غیب پر قدرت نہیں دی جاتی لیکن اُس کو جس کو رسولوں میں سے چن لیا گیا ہے۔ (پ۲۹ ع۱۲) [۲] اللہ نے یہ لکھ رکھا ہے کہ ہم اور ہمارے رسول ہی غالب رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نہایت قوی اور حکمت والا ہے (پ۲۸ ع ۳)

[۳] یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم اور اُس کی پشت سے نکالی اس کی ذریت، اور خود اُن کو اُن کے نفوس پر گواہ کیا۔ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہے ہم شہادت دیتے ہیں۔ (پ۹ ع۱۲)

یہ دنیاوی گرد و غبار اس ازلی نقش الٰہی سے ہٹا دیا جائے، تو اس نور الٰہی کو قبول کرنے میں کوئی دقّت و دشواری باقی نہیں رہتی۔ جو مامور من اللہ کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کی جانب یہ آیات اشارہ کرتی ہیں: "یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ اعْتَصَمُوْا بِہٖ فَسَیُدْخِلُھُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْہُ وَ فَضْلٍ وَّ یَھْدِیْھِمْ اِلَیْہِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا" [۱]

کتنی صاف آیات ہیں، اور کیسا واضح ارشاد ہے، کہ بذریعہ مامور من اللہ کے انسانوں کے پاس ہمیشہ وہ برہان آتی ہے، جو انسان کے قلب اور نفس و روح میں مرتکز ہے۔ اور اس طرح سے وہ نقش ازلی جو ارواح انسانی میں مرتکز ہے، روشن ہو کر ابھر آتا ہے۔ یہی نور ہے، جو نور مبین ہے۔ اس نور کو کون قبول کرتا ہے؟ اس کے لئے ارشاد ہوا کہ وہ جو اللہ پر اور صرف اللہ پر قطعی ایمان رکھتے ہیں۔ کہ وہ انسانوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے محض اپنی رحمانیت سے ہمیشہ سامان مہیّا کرتا رہتا ہے۔ اور ایمان باللہ ایسا ہونا چاہیئے، کہ صرف اسی پر ایمان اور بھروسہ اور اعتصام ہو، اور کسی بیرونی یا اندرونی اثرات سے اس اعتصام و بھروسہ میں کوئی خلل نہ پڑے۔ جب انسان خدا پر اتنا مضبوط ہو جائے گا، تو اُس کا یقینی اور قطعی نتیجہ یہ ہے، کہ وہ خدا کی رحمت و فضل کے دائرہ میں داخل ہو جائے گا۔ اور اس کی رحمت و فضل یہی ہے، کہ صراط مستقیم کی طرف قطعی ہدایت ہو جائے گی۔ پس اس قطعی ہدایت کے یقینی طور پر حاصل ہونے کے لئے شرط یہی ہے، کہ ازلی نقش ایمان باللہ کا جو ازل میں نفوسِ انسانی پر کیا گیا ہے، صاف اور روشن ہو جائے، اور ماسوی اللہ کا خیال و اثر دل سے محو ہو جائے۔ اس کے بعد جس طرح یہ یقینی ہے، کہ آنکھ کھولنے کے بعد روشنی نظر آ جائے گی، اسی طرح یہ بھی یقینی ہے کہ مامور من اللہ کی شناخت کامل ہو کر عرفان حقیقی حاصل ہو جائے گا۔ پس مامور من اللہ کی پیشگوئیاں

---

[۱] اے لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حجّت آ چکی۔ اور ہم تمہاری طرف جگمگاتا ہوا نور بھیج چکے سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اُسی سے مضبوط تعلق قائم کیا۔ تو اللہ اُن کو عنقریب اپنی رحمت میں داخل کر کے صراط مستقیم کی ہدایت کرے گا (سورۂ نساء آخر)

نہ بھان متی کا تماشا ہوتی ہیں، نہ نجومیوں کی یاوہ گوئیاں۔ بلکہ وہ علم و قدرت الٰہی کے اظہار کیلئے ہوتی ہیں۔ تاکہ بھولے بھٹکے لوگ راستہ پر آسکیں۔ اس لئے اس قسم کی پیشگوئیوں پر نہایت احتیاط اور تقویٰ کے ساتھ ہر ایک پہلو کو ملحوظ رکھ کر اُمم سابقہ کے حالات کی روشنی میں غور کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ نکتہ چینی نکتہ گیر صاحبِ بطش شدید کی مرضی کے خلاف ہو جائے ؟

قرآن پاک صاف صاف بتارہا ہے کہ سرکاری اعلان و اعلام سے استہزاء اچھے نتائج نہیں پیدا کرتا۔ ـــــہ "این دمِ شیر است ببازی مگیر"

اب ہم ذیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں میں سے چند ایسی پیشگوئیوں کا ذکر بمونتہً کرتے ہیں، جن سے علم و قدرت الٰہی پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

وَھُوَ ھٰذَا :-

لارڈ کرزن کی وائسرائلٹی کے زمانہ میں ۱۹۰۵ئہ میں گورنمنٹ آف انڈیا نے بمنظوری پارلیمنٹ صوبہ بنگال کو دو حصّوں میں تقسیم کردیا۔ ایک حصہ مشرقی بنگال قرار پایا، دوسرا مغربی۔ یہ تقسیم بنگالی ہندوؤں کو سخت ناگوارا اور اُن کے لئے سیاسی نقصان کا باعث تھی۔ جس کیوجہ سے اُن کے مفاد کو بڑا سخت دھچکہ پہنچتا تھا۔ اس زمانہ میں سر بمفائڈ فلر جیسا آہنی پنجہ و سخت گیر افسر بنگال کا گورنر تھا۔ بنگالیوں نے شور و غل سے سارے ہندوستان کو سر پر اُٹھا لیا، اور پارلیمنٹ تک میں زلزلہ ڈال دیا۔ لیکن ان کی مسلسل چند سالہ ایجی ٹیشن کا کچھ نتیجہ بر آمد نہ ہوا، اور بالآخر پارلیمنٹ نے اس کو امرِ فیصل شدہ تسلیم کرلیا، اور اس طرح معاملہ ختم ہوگیا۔ ایسے وقت میں جبکہ معاملہ قطعی طور پر طے شدہ تصور کیا جاتا تھا، اور جس کی اصلاح و ترمیم کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس علیم و خبیر نے جس کی جانب سے آپ مامور ہونے کے مدعی تھے، ۱۱ فروری ۱۹۰۶ئہ کو اطلاع دی کہ :-

"بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی۔"

یہ الہام کے الفاظ ہیں۔ الہام کے بعد ہی ہوا کا رُخ بدلنے لگا تفصیل اس اجمال کی اس طرح ہے کہ :-

بعض ناقابل اظہار وجوہ کی بناء پر جن کے متعلق کبھی کوئی سرکاری اطلاع شائع نہیں ہوئی۔ سر بمفائڈ فلر گورنر بنگال کو استعفیٰ دینا پڑا۔ یہ پہلی نیک فال تھی، جو بنگالیوں کی سخت مایوسی

کے بعد پیدا ہوئی۔ چنانچہ بنگالیوں کے مشہور اور مقتدر اخبار "امرتا بازار پتریکا" نے اُسی زمانہ میں سر بمفائلڈ فلر کے استعفاء پر ایک مضمون شائع کیا، جس کا ایک فقرہ یہ تھا:۔

"یہ اغلب ہے کہ فلر کا جانشین خاص دلجوئی کی پالیسی اختیار کرے گا۔"

(بحوالہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۰۶ء)

اس کے بعد پھر اُسی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور میں جو لاہور کا نیم سرکاری اخبار سمجھا جاتا ہے، ۲۴۔ اگست ۱۹۰۶ء کی اشاعت میں ایک ممتاز سولین نے چٹھی شائع کرائی۔ جس میں اُس نے بصراحت لکھا کہ:۔

"اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ فلر کے جانشین کو یہ حکم ملا ہے۔ اور اس نے اُسکو قبول کر لیا ہے کہ شر انگیز بابوؤں کے ساتھ دلجوئی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔"

اخبارات کے ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے، کہ نزول الہام الٰہی کے بعد اس الہام کی صدائے بازگشت اخباروں سے بھی بلند ہونے لگی۔ گویا اپنے پرائے سب الہام الٰہی کے الفاظ کو دُہرا رہے ہیں۔ یہ تو اس پُر عظمت الہام الٰہی کے الفاظ کا اثر ہے، جو نور بنکر ہندوستان کی سیاسی فضاء پر چھا گئے تھے۔ اصل منشاء اور مفہوم پیشگوئی اس سے بھی بڑھ کر، اس طرح پورا ہوا کہ حیرت ہوتی ہے۔

تقسیم بنگالہ کا حکم ۱۹۰۵ء میں ہوا۔ اور ساری دنیا یہ سمجھنے لگی، کہ اب یہ معاملہ دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ فروری ۱۹۰۶ء میں الہام الٰہی یہ خبر دیتا ہے کہ نہیں اب بنگالیوں کی دلجوئی کی جائے گی۔ الہام سننے والے حیران ہیں، کہ اب بنگالیوں کی دلجوئی کا کیا موقعہ اور محل باقی رہا۔ اور جب اصل معاملہ ختم اور قطعی ہو گیا، تو محض اوپر کی باتوں سے بنگالیوں کی دلجوئی کس طرح اور کیونکر ہو سکیگی؟ لیکن یہ دنیا کا علم تھا، دنیا کے تخمینے اور قیاسات تھے۔ علم الٰہی تک سوائے مامور من اللہ کے کس کی رسائی ہو سکتی تھی۔ اس لئے مامور من اللہ اپنی جگہ مطمئن تھا، کہ زمین و آسمان ٹل جائے، لیکن خدا کی بات ٹل نہیں سکتی۔ دلجوئی ہوگی اور ہو کر رہے گی، جس طرح سے ہو لیکن بہر حال بنگالیوں کی واقعی دل جوئی ہوگی۔

اس پر کئی سال گزر جاتے ہیں، اور الہام الٰہی کے روشن الفاظ اپنی جگہ جگمگ کر رہے ہیں۔

اندھی دنیا کی آنکھیں اس جگمگاہٹ سے خیرہ ہو رہی ہیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۱ء کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس عرصہ میں دنیا میں انقلاب ہوتا ہے۔ شاہ ایڈورڈ کی بجائے جارج پنجم شہنشاہ ہند تخت انگلستان پر قدم رکھتے ہیں، اور اُن کی توجہ ہندوستان کی طرف منعطف ہوتی ہے۔ ۱۹۱۱ء میں دارالسلطنت دہلی جواب بجائے کلکتہ کے دارالسلطنت قرار پائی۔ شہنشاہ کے جشن تخت نشینی کے لئے آراستہ کی جاتی ہے۔ شہنشاہ معظم سرزمین ہندوستان کو اپنے قدوم سے عزت بخشتے ہیں۔ ۱۹۱۱ء میں دہلی کا مشہور زمانہ دربار منعقد ہوتا ہے۔ دنیا اب تک بے خبر ہے کہ کیا ہونے والا ہے، کہ دفعتًہ اس دربار میں تقسیم بنگالہ کے حکم کو جس کو دنیا آپ رفتہ خیال کر چکی تھی، منسوخ کیا جاتا ہے۔ اور شہنشاہ خود اپنی زبان سے اس تنسیخ کا اعلان کرتا ہے۔ اے جَلِّ وَ صَلِّ۔

یہ ہے آیت مبارکہ "فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ"[۱] کی تفسیر بالواقعات، جو علم وارادہ الٰہی سے اس زمانہ کے مامور من اللہ کی زبان سے ظاہر ہوئی۔ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ[۲]۔

یہ مثال تو ہندوستان کے سیاسی معاملہ کی ہے جو علم الٰہی سے تعلق رکھتی ہے دوسری مثال اس سے بھی زیادہ شاندار اور ایسے علم غیب سے متعلق ہے، جو عام طور پر سیاسی دنیا اور خاص طور پر پڑوسی ملک افغانستان سے تعلق رکھتی ہے۔ اور وہ یہ ہے:-

۳ مئی ۱۹۰۵ء کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوتا ہے:-

"آہ نادر شاہ کہاں گیا!"

یہ الفاظ جن سے دو جملے بنتے ہیں۔ ایک۔ آہ۔ دوسرے نادر شاہ کہاں گیا۔ ایسی عجیب و غریب کیفیات اور آئندہ کی پیشگوئیاں اپنے ساتھ رکھتے ہیں جن کی تفصیل نزول الہام کے وقت کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ ان الفاظ کو جب پیش آمدہ واقعات کے ساتھ جواب ساری دنیا کی نظروں کے سامنے ہیں ملا کر دیکھا جائے، تو ان کی بے پناہ گہرائی اور بے انتہا بلندی اور

---

[۱] پس اللہ اپنے غیب پر اپنے پیارے رسولوں کے سوا اور کسی کو کثرت سے مطلع نہیں کرتا (پ ۲۹ ع ۱۲) [۲] پس تم کہاں بھٹکے جا رہے ہو۔

عظمت و وسعت کا کسی قدر صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جب وہ نازل ہوئے تھے، تو اُس وقت کوئی شخص یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا، کہ ان کا کیا منشاء ہے، اور یہ کب اور کس طرح پورے ہوں گے۔ یہی ایک سو باتوں کی ایک بات ہے، جس سے الفاظ مذکورہ بالا خدا کے مُنہ کے الفاظ ثابت ہوتے ہیں۔ ہر ایک انسانی دماغ ایسے الفاظ کی بناوٹ اور استعمال سے جن کے ساتھ آئندہ کے واقعات صحیحہ کا ایک طویل سلسلہ لپٹا ہو، قاصر و عاجز ہے۔ کوئی دنیاوی علم، کوئی نجوم، کوئی مہارت اور انسانی قوت ان چھوٹے چھوٹے الفاظ اور مختصر جملوں میں آئندہ زمانہ کی پوری صحیح تاریخ کو بھر نہیں سکتی۔ اور یہی معجزہ ہے، جو بارگاہ رب العزت سے اپنے پیاروں کو خاص طور پر عطا ہوتا ہے۔

یہ الہام ابتداءً اخبار بدر جلد ا نمبر ۴ ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد سلسلہ احمدیہ کی دوسری کتابوں میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

مکاشفات مطبوعہ ۱۹۱۳ء کے صفحہ ۴۔ اور البشریٰ جلد ۲ کے صفحہ ۹۷ ملاحظہ طلب ہیں۔

یہ الہام جلال و جمال دونوں شانوں اور علم و قدرت دونوں صفات الٰہیہ کا مظہر ہے۔ جو بالآخر واقعات پیش آمدہ پر اپنی پوری وسعت و عمق اور عظمت و بلندی کے ساتھ منطبق ہو گیا۔ اس الہام کے اس طرح پورا ہونے سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے، کہ یہ کلام انسانی تخیلات و توہمات کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس علیم و خبیر و قادر و توانا کا زندہ کلام ہے، جو "غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ"[۵۰] کا مصداق ہے۔ ایک انسانی تخیل یا وہم ۱۹۰۵ء میں ان تاریخی واقعات کو جو ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۳ء تک وقوع میں آئے، اس معجزانہ ایجاز و اختصار کے ساتھ قلمبند نہیں کر سکتا تھا۔ جس وقت یہ الہام ہوا۔ اُس وقت اور تو اور خود مہبط الہام بھی اس الہام کے اس اصل منشاء اور ان واقعات کے سمجھنے سے عاجز رہا، جو اپنے وقت پر ظاہر ہوئے۔ واقعات کا سلسلہ ۱۹۲۵ء میں شروع اور ۱۹۳۳ء میں ختم ہوا۔ اور صاحب الہام ۱۹۰۸ء میں دنیا سے گذر جاتا ہے۔ مگر جو کلام الٰہی اُس پر نازل ہوا تھا، وہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اور قدرت الٰہی اس کو پورا کرنے کے اسباب

---

[۵۰] غالب ہے اپنے امر پر۔

مہیا کرتی رہی - واقعات جو اس الہام کے بعد پیش آئے ، اور افغانستان کی تاریخ میں ایک عظیم الشان انقلاب کا باعث ہوئے ، ابھی تازہ اور موجودہ نسل کے ذہن میں موجود ہیں۔ سب جانتے ہیں ، کہ نادر خاں جو بالآخر نادر شاہ کے لقب سے تخت افغانستان کا مالک ہوا ، افغانستان کے شاہی خاندان سے تھا۔ لیکن تخت شاہی تک پہنچنے کی کوئی امید نہ رکھتا تھا - وہ ایک عرصہ دراز تک اپنے آبائی ملک افغانستان سے باہر فرانس میں مقیم رہا۔ حکومتِ افغانستان کا نمائندہ یا سفیر بھی رہا۔ مگر بہر حال اس تعلق کے بعد بھی وہ فرانس سے واپس افغانستان آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ عوارض اور ملکی حالات کی وجہ سے اس نے فرانس ہی کو اپنا مامن بنا لیا تھا۔

افغانستان میں امان اللہ خان براج رہے تھے ، اور اُن کا طوطی بول رہا تھا۔ ساری دنیا کی نظریں اُن کی طرف تھیں - اور معلوم ہوتا تھا ، کہ یہ اولوالعزم بادشاہ افغانستان کو زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دے گا - کہ دفعتہً ۱۹۲۹ء میں علم وارادہ الٰہی کی بدولت ایسی انقلابی سیاسی آندھی آئی - کہ امان اللہ خان جیسا مقتدر بادشاہ جو نہ صرف ملک میں بلکہ ملک کے باہر بھی ہر دلعزیز ہو رہا تھا ، تنکے کی طرح تخت شاہی سے اُٹھا کر قعر مذلت میں پھینک دیا گیا - اور اس طرح " نہ نادر بجا ماند نے نادری " کی پرانی مثل پوری ہو گئی - اور ایسے عالم پناہ بادشاہ کی جگہ ایک نہایت خوار و ذلیل شخص جو معمولی شریفانہ حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا ، یعنی بچہ سقہ اس ملک پر مسلط کر دیا گیا - ادھر افغانستان کے سٹیج پر یہ تماشا دنیا کے سامنے ہو رہا ہے ، ادھر ارادہ الٰہی مریض وفریش نادر خان کو جو فرانس میں گمنامی کی خاموش زندگی بسر کر رہا ہے ، اُبھار کر افغانستان کی سرحد تک پہنچا دیتا ہے - اور یہاں سے وہ ڈرتے ڈرتے افغانستان کی سرحد میں قدم رکھتا ہے ، اور وہ بند قفل جو امان اللہ خان کو باہر دھکیل کر تخت سلطنت پر لگا دیا گیا تھا ، خود بخود کھل جاتا ہے - اور نادر خان وہ نادر خان جو اس وقت ملک سے دُور بے یار و مددگار ایک مسکین کی زندگی بسر کر رہا تھا ، عالم الغیب کی زبان سے ۱۹۰۵ء میں نکلے ہوئے الفاظ کا تاج سر پر رکھکر ۱۹۲۹ء میں " نادر شاہ " بن جاتا ہے - اور اس طرح الہام الٰہی کی جمالی شان جو نادر شاہ کے الفاظ میں مضمر ہے ، اپنی پوری آب و تاب سے دنیا میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی واقف نہیں ہے ، کہ الہام کا جلالی حصہ جو الفاظ " آہ ـــــ کہاں گیا "

میں پوشیدہ ہے کب اور کس طرح پورا ہوگا، کہ یکایک ۸۔ نومبر ۱۹۳۳ء کی صبح نمودار ہو جاتی ہے اور یہ کلمہ الٰہی اپنی تکوینی صورت اختیار کرنے پہ آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور اب وہ نادر شاہ جو تخت افغانستان پر بڑے جاہ و جلال کے ساتھ متمکن تھا، اپنی ساری جبروت و جلال کے باوجود مجمع عام میں قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح "آہ نادر شاہ کہاں گیا" کے الفاظ سارے افغانستان و ہندوستان میں گونج جاتے ہیں۔ اور اس طرح وہ الفاظ جو مئی ۱۹۰۵ء میں قادیان کے ایک شخص پر نازل ہوئے تھے، جس کو دنیا دجال و کافر و ضال و مضل خیال کرتی تھی، اتنے مہیب تاریخی انقلاب کے بعد نومبر ۱۹۳۳ء میں پورے ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح پورے ہوتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، کہ کوئی لفظ زائد و بیکار و بے معنی نہیں رہا۔ اور ہر لفظ کے ساتھ واقعات کا ایک طویل سلسلہ وابستہ ہے۔ پس یہ ہے خدا کے کلام کی صفت، جس کی آنکھیں ہوں وہ دیکھے، جس کے سینے میں دل ہو وہ سمجھے۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ[1]"

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَالْعَظْمَۃِ وَالْھَیْبَۃِ وَالْقُدْرَۃِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَالْجَلَالِ وَالْجَمَالِ وَالْکَمَالِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْمَسْجُوْدِ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْمَوْجُوْدِ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْمَعْبُوْدِ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا۔ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ۔

پھر منجملہ اور پیشگوئیوں کے جو روز روشن کی طرح پوری ہوئیں، ایک پیشگوئی جنگ عظیم کی نسبت تھی۔ جو ان الفاظ میں کی گئی تھی:۔

"اِک نشاں ہے آنے والا آج سے کچھ دن کے بعد
جس سے گردش کھائیں گے دیہات و شہر و مرغزار
آئے گا قہر خدا سے خلق پر اک انقلاب
اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار

---

[1] کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ اہل ایمان کے دل خشوع کرتے ہوئے خدا کے حضور جھک جائیں۔ اس کی دراس نصیحت کی جسے کہ (پ ۲۷ ع ۱۸)

اک جھپک میں یہ زمیں ہو جائے گی زیر و زبر
نالیاں خوں کی چلیں گی. جیسے آبِ رود بار

رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگ یاسمن
صبح کر دے گی اُنہیں مثلِ درختانِ چنار

ہوش اڑ جائیں گے انساں کے پرندوں کے حواس
بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار

ہر مسافر پر وہ ساعت سخت ہے اور وہ گھڑی
راہ کو بھولیں گے ہو کر مست و بے خود راہوار

خون سے مُردوں کے کوہستان کے آبِ رواں
سُرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شرابِ انجبار

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
زار بھی ہو گا تو ہو گا اُس گھڑی باحالِ زار

اک نمونہ قہر کا ہو گا وہ ربّانی نشاں
آسماں حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار

ہاں نہ کر جلدی سے انکار اے سفیہِ ناشناس
اس پہ ہے میری سچائی کا سبھی دار و مدار

وحیٔ حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا
کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور بُردبار

یہ گماں مت کر کہ یہ سب بدگمانی ہے معاف
قرض ہے واپس ملے گا تجھ کو یہ سارا اُدھار"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۰)

یہ پیشگوئی ۱۹۰۵ء میں فرمائی گئی۔ اور اس تحدی کے ساتھ فرمائی گئی تھی کہ

ہاں نہ کر جلدی سے انکار اے سفیہ ناشناس
اس پہ ہے میری سچائی کا سبھی دار و مدار
وحئ حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا
کچھ دنوں کر صبر ہو کر متقی اور برد بار

۱۹۰۵ء میں پیشگوئی فرمانے کے تین سال بعد حضرت اقدس مرزا صاحب خود بھی دنیا سے رحلت فرما گئے۔ جولائی ۱۹۱۴ء سے پہلے تک عام ظاہری حالات پُرسکون تھے اور اس عالمگیر مصیبت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، جو مذکورہ بالا اشعار میں فرمائی گئی تھی۔ لیکن جولائی ۱۹۱۴ء میں بموجب اعلان "وحی حق کی بات ہے ہو کر رہے گی بے خطا" حالات نے پلٹا کھایا اور پیشگوئی کا ظہور شروع ہو گیا۔

یعنی جولائی ۱۹۱۴ء میں آسٹریا کا شہزادہ جو سرویا کے قریب اپنے ملک کی سرحد میں سیر کے لئے گیا ہوا تھا، پُراسرار طور پر قتل کر دیا گیا۔

آسٹریا نے انتقاماً سرویا پر حملہ کر دیا۔ سرویا نے روس کو مدد کے لئے بلایا۔ روس مع اپنے حلیف فرانس کے میدان جنگ میں آموجود ہوا۔ ادھر آسٹریا کی طرف سے جرمنی اور ترکی میدان میں آ کودے۔ ۴۔ اگست ۱۹۱۴ء کو انگریز بھی سرویا، روس اور فرانس کیساتھ شریک جنگ ہو گئے۔ رفتہ رفتہ دوسری حکومتیں بھی شریک ہوتی گئیں۔ جنگ نے عالمگیر صورت اختیار کر لی۔ کشتوں کے پشتے لگتے گئے۔ خون کی نالیاں بہ نکلیں۔ دریاؤں کے پانی سرخ ہو گئے۔ اربوں روپیہ، مال و دولت کے نقصان اور کروڑوں انسانوں کی تباہی پر جا کر جنگ ختم ہوئی لیکن لڑائی ابھی پورے طور پر ختم نہیں ہونے پائی تھی، کہ ۱۹۱۷ء میں روس میں بغاوت ہو گئی۔ زار روس جو اس وقت اپنی جبروت و عظمت میں یکتا تھا، اپنی ہی رعایا کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اُس کو ستانے کے لئے اس کی لڑکیوں کو بے عزت کیا گیا۔ پھر اس کے گھر کے تمام افراد کو ایک ایک کر کے اس کے سامنے قتل کیا گیا۔ ہر طرح سے ستانے اور دکھ دینے کے بعد نہایت ہی حالتِ زار میں زار کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ اور اس طرح پیشگوئی کا یہ حصہ بھی پورا ہو گیا کہ:-

"زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار"

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

جنگ کے خوفناک واقعات اور زار کی حالتِ زار نے پیشگوئی کی صداقت پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اب یہ آپ لوگوں کا کام ہے، کہ اس واقعہ سے عبرت حاصل کرکے صاحب پیشگوئی یعنی اس زمانہ کے مامور کی تصدیق کریں۔ ورنہ اسی پیشگوئی میں شک و بدگمانی کرنے والوں کے لئے بھی وعید موجود ہے ؎

یہ گماں مت کر کہ یہ سب بدگمانی ہے معاف
قرض ہے واپس ملے گا تجھ کو یہ سارا اُدھار

یہ تین پیشگوئیاں سیاسی اور تاریخی اور آئندہ پیش آنے والے واقعات پر مشتمل تھیں۔ اب ہم اُن پیشگوئیوں کو نمونتہً پیش کرتے ہیں، جو حوادث عالم یا موسمی تغیرات کے متعلق کی گئی ہیں۔

(۱) ایک الہام ۵۔مئی ۱۹۰۶ء کا ہے بایں الفاظ

"پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن"

اس الہام کی تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حسب ذیل فرمائی تھی

"ثلج کا لفظ عربی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں، کہ وہ برف جو آسمان سے پڑتی ہے، اور شدت سردی کا موجب ہو جاتی ہے، اور بارش اس کے لوازم میں سے ہوتی ہے۔ اس کو عربی میں "ثلج" کہتے ہیں۔ نیز اطمینان قلب کو بھی عربی میں "ثلج" کہتے ہیں — جو دلائل اور شواہد سے میسّر آ جائے" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۳۵)

یہ تو "ثلج" کے معنی ہیں۔ پیشگوئی کا جو مفہوم صاحب الہام نے کتاب محولہ بالا میں درج کیا ہے، اُس کی تفصیل یہاں ضروری نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ آپ نے لفظ ثلج کے دونوں مذکورہ بالا معنوں کو ملحوظ رکھ کر پیشگوئی کا یہ مفہوم بیان فرمایا ہے کہ:—

(۱) غیر معمولی آفتیں نازل ہوں گی اور برف اور اس کے لوازم کی شدت سردی اور کثرت بارش ظہور میں آئیں گی۔

(۲) ثلج کے دوسرے معنے اطمینان قلب حاصل کرنے کے ہیں۔ اور یہ لفظ کبھی خوشی اور راحت پر بھی استعمال کیا جاتا ہے، جو اطمینان قلب کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے پیشگوئی اس پر بھی حاوی ہے، کہ جو لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے ہیں، وہ بھی نشانات کی وجہ سے مطمئن ہو جائیں گے۔

الہام اور الہام کی یہ تشریح پیش نظر رکھ کر ان واقعات کو سنیئے، جو آئندہ موسم بہار میں پیش آئے۔ موسم بہار کا آغاز انگریزی مہینہ فروری سے ہوتا ہے۔ اس لئے آئندہ موسم بہار یعنی فروری ۱۹۰۷ء کے بعض اخبارات سے کچھ اقتباسات ذیل میں دئے جاتے ہیں، جن سے پیشگوئی کے پورا ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ موسم کی کیفیات کے متعلق اقتباسات پیش کئے جائیں، یہ ظاہر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ گورنمنٹ کے محکمہ نے جو موسموں کے متعلق ضروری اطلاعات شائع کرتا رہتا ہے، موسم بہار کے متعلق کیا اطلاع شائع کی تھی۔

پنجاب کا اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ جو لاہور سے شائع ہوتا ہے، اپنی ۱۶۔ دسمبر ۱۹۰۶ء کی اشاعت میں بحوالہ رپورٹ محکمہ مذکور لکھتا ہے کہ "معمولی بارش سے زیادہ نہ ہوگی" گورنمنٹ کے محکمہ موسم کی اس اطلاع و اعلان کے ساتھ پیشگوئی کے الفاظ ذہن نشین رکھئے۔

"پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن"

اب ایک طرف دنیاوی گورنمنٹ کے اعلان کو اور دوسری طرف آسمانی گورنمنٹ کی اطلاع کو پیش نظر رکھ کر اس زمانہ کے اخبارات کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) پیسہ اخبار لاہور مورخہ ۸۔ فروری ۱۹۰۷ء (ص)

"کئی دن سے بارش ہو رہی تھی۔ کل دوبارہ بڑے زور سے پانی پڑا۔ سردی ہو گئی ہے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ اور سڑکوں کی حالت تباہ ہے"

(۲) پیسہ اخبار لاہور ۱۵۔ فروری ۱۹۰۷ء ص۵ (آرہ کی خبر)

"چار روز سے برابر رحمت کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ پھر موسم برسات کی کیفیت نظر آتی ہے۔ مخلوق گھبرا رہی ہے اور دھوپ کو ترس رہی ہے"

(۳) اخبار جاسوس آگرہ ۱۵ فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۴

"۶- فروری ۱۹۰۷ء کو شام کے وقت کان پور میں سخت بارش ہوئی طوفان برق آیا اور ایسی ژالہ باری ہوئی کہ ریل بند ہو گئی۔"

(۴) رسالہ حکمت لاہور ۱۵- فروری ۱۹۰۷ء

"دارجیلنگ میں برابر بارش ہو رہی ہے اور طوفان رعد آیا۔"

(۵) اخبار آزاد انبالہ ۱۶- فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱

"دہلی میں برابر دس دن سے بارش ہو رہی ہے اور اولے بھی پڑے۔"

(۶) اخبار نیر اعظم مراد آباد ۱۹- فروری ۱۹۰۷ء

"ایک ہفتہ سے بارش ہو رہی ہے اولے بھی پڑے۔"

(۷) پبلک میگزین امرت سر فروری ۱۹۰۷ء

"امرت سر میں سردی کمال پر ہے اور سلسلہ برسنے کا شروع ہے۔"

(۸) اخبار عام لاہور ۲۱- فروری ۱۹۰۷ء (خلاصہ)

"لاہور میں یہ حال ہے کہ دو ہفتہ سے زیادہ عرصہ سے بادل پیچھے لگ رہے ہیں اور لوگوں کو بجائے خوش کرنے کے پریشان کر رہے ہیں۔ دو روز تک آسمان بارش سے خالی تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ شاید اب بس کرے گا۔ لیکن اتوار اور سوموار کی درمیانی رات کے پچھلے نصف حصہ میں بارش اس زور اور ایسے افراط سے ہوئی، کہ لوگ بستروں پہ لیٹے ہوئے توبہ الامان پکار رہے تھے۔ اور حیران تھے کہ کہیں خدانخواستہ بارش کی رحمت مبدل بہ زحمت نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ بجلی بھی خوب چمکی اور آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ اور اس کے ساتھ بادلوں کی گرج اور رعد کی کڑک دلوں کو دہلاتی تھی۔ اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، کہ خداوند کو کیا منظور ہے۔ یہ موسم اور یہ بارش زراعتی لحاظ سے نہایت مفید اور مبارک ضرور ہے۔ لیکن آخر اس کی کچھ حد ہے۔ مثل مشہور ہے کہ افراط ہر ایک اچھی چیز کو بھی خراب کر دیتی ہے . . . . . . . . اب تو سب لوگ چاہتے ہیں۔ کہ بارش بند ہو اور دھوپ کی صورت نظر آوے . . . . . . . . اب کوئی ضلع نہیں

جہاں زیادہ بارشوں کی ضرورت بیان کی جاتی ہے . . . . . . . . . اس قدر بارش سے شہر کے مکانات کے لئے بھی نقصان کا اندیشہ غالب ہے۔ سڑکوں کے پرخچے اُڑ گئے ہیں۔ کنکر کی سڑکیں کیچڑ سے دلدل ہو رہی ہیں۔ بدر روؤں میں پانی ہی پانی نظر آتا ہے . . . . . . . . . . . . ان ایام میں ایسی بارش سالہائے دراز کے بعد نصیب ہوئی ہے۔

## (۹) اخبار عام لاہور ۲۶۔فروری ۱۹۰۷ء (خلاصہ)

"اس ہفتہ میں موسم سرما نے ایسے تعجب انگیز حالات کبھی نہیں دکھائے تھے آخر جنوری سے اس وقت تک یہ حالت ہوئی کہ لوگ پناہ مانگ اُٹھے۔ کبھی بارش اور کبھی برف باری اور کبھی ژالہ زدگی۔ پھر بادلوں کا انبار ہر وقت بُرقع پوش نظر آتا تھا۔ سورج اور دھوپ دیکھنے کو لوگ ترس گئے ہیں۔ کوئی دن نہیں جاتا کہ برف نہ گرتی ہو۔ اولے نہ پڑتے ہوں۔ اگر یہ نہ ہو تو بارش تو ضرور ہوتی ہے۔

## (۱۰) اخبار نور افشاں (عیسائی) مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۰۷ء

" ہانگ کانگ میں اس شدت سے بارش ہوئی کہ دس منٹ کے اندر بندرگاہ کے آس پاس قریب ایک سو چھتیس (۱۳۶) آدمی ہلاک ہوئے "

## (۱۱) اخبار وکیل امرتسر ۷۔فروری ۱۹۰۷ء (صفحہ ۲)

" بعض ممالک یورپ میں امسال سردی کی ایسی شدت بیان کی جاتی ہے۔ کہ سنین ماضیہ میں اس کی کوئی نظیر شاید مل جائے۔ چنانچہ بلجیم میں مقیاس الحرارت صفر سے زیادہ نیچے چلا گیا۔ پیرس میں نقطہ انجماد سے تیرہ (۱۳) درجے نیچے بیان کیا جاتا ہے۔ آسٹریا و ہنگری میں ۲۰ درجے نیچے۔ اس شدید سردی سے کئی آدمی بھی مر چکے ہیں۔ برّ اعظم یورپ کی بعض ریلوے لائنوں کی آمد و رفت میں خلل پڑ گیا ہے۔ کیونکہ انجنوں کے نل پانی کے جم جانے سے پھٹ گئے۔ ڈینیوب اور اڈریسہ کی بندرگاہیں یخ بستہ ہو رہی ہیں۔ روس و برطانیہ میں مقیاس الحرارت اس قدر گر گیا ہے۔ کہ قبل ازیں کئی سال سے یہ نوبت نہ پہنچی تھی۔ روم اور نیپلز کے درمیان ٹرینوں پر اس قدر برفباری ہوئی

ہے کہ الاماں۔ قسطنطنیہ میں کئی کئی دن تک برف پڑی۔ آبنائے باسفورس میں جہازوں اور سٹیمروں کی آمد و رفت ملتوی ہو گئی ہے چینل میں آج کل جو جہاز ادھر اُدھر پہنچتے ہیں وہ بالکل برف سے مستور ہوتے ہیں۔ پیرس کے بازاروں میں غریب و غربا ٹھٹھر ٹھٹھر کر جاں بحق ہو رہے ہیں۔ اٹلی کی جھیلیں اور نہریں جمی ہوئی ہیں۔"

ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ ۵۔ مئی ۱۹۰۶ء کے الہام کے مبارک الفاظ کہ "پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن" کس طرح ساری دنیا پر چھا کر پورے ہو گئے۔ کیا کوئی نجومی۔ رمّال۔ ماہر آثار و حوادث ارضی تغیرات موسمی کی نسبت ایسی پیشگوئیاں کر سکتا ہے، جو اس طرح محکمہ اطلاعات موسمی کے اعلان کے خلاف ساری دنیا میں پوری ہو جائیں ؟ "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ[1]"

یہ تو موسمی حوادث و واقعات عالم کے متعلق علم و قدرت الٰہی کا بذریعہ مامور من اللہ کے ظہور تھا۔ زلازل وغیرہ کے متعلق بھی بہت سارے الہامات ہیں، جن کی تفصیل موجب طوالت ہوگی مختصر یہ کہ پہلے سے شائع کی ہوئی پیشگوئیوں کے مطابق ملک کے مختلف حصوں میں سخت سے سخت زلازل آئے اور دُنیا نے قیامت کا نمونہ دیکھ لیا۔

| | |
|---|---|
| کانگڑہ | اپریل ۱۹۰۵ء |
| بہار | جنوری ۱۹۳۴ء |
| کوئٹہ | مئی ۱۹۳۶ء |

کانگڑہ کے سوا کوئٹہ اور بہار کے زلزلے تو ابھی کل کی بات ہیں۔ اور ناظرین کے ذہن میں وہ تمام المناک واقعات ہوں گے، جو ان زلزلوں کے متعلق اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس لئے اُن کی تفصیل کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

کانگڑہ کے زلزلہ کے متعلق پہلا الہام ۱۹۰۳ء میں، اس کے بعد ۱۹۰۴ء میں ہوا دو مرتبہ۔ یعنی یکم جون و ۸۔ جون ۱۹۰۴ء کو۔ الہام کے الفاظ "عفت الدّیار محلّھا ومقامُھا" یہ مصرعہ دراصل سبعہ معلقہ کے قصائد میں سے لبید بن ربیعہ کے قصیدہ کا مصرعہ ہے۔

---

[1] اس میں سمجھنے والوں کے لئے نشانات ہیں (ملاحظہ)

جس کا پورا شعر یوں ہے :۔

عفت الدیار محلها ومقامها + بمنیٰ تابد اغولها فرجامها

اس میں کہنے کی بات صرف یہ ہے کہ اس مصرع کے الفاظ "محلها" و "مقامها" قابل غور ہیں محل اس مقام کو کہتے ہیں، جو مستقل سکونت کے لئے بنایا جائے۔ اور مقام عارضی سکونت کے مقام کو کہتے ہیں۔ کانگڑہ کے بعض حصوں کے مکانات کی یہی حالت تھی۔

کانگڑہ کے زلزلے کے بعد جو الہامات کا سلسلہ شروع ہوا ہے، وہ بجائے خود نہایت ہی زلزلہ انگیز ہے۔ الہامات پڑھتے ہی دل خوف سے بھر جاتا ہے۔ چنانچہ ایک نظم میں آپنے ان زلازل اور دنیاوی آفات کے پیش آنے والے واقعات کو اس طرح مرتب فرمایا ہے ؎

"وہ تباہی آئے گی شہروں پہ اور دیہات پر
جس کی دنیا میں نہیں ہے مثل کوئی زینہار

ایک دم میں غمکدہ ہو جائیں گے عشرت کدہ
شادیاں جو کرتے تھے بیٹھیں گے ہو کر سوگوار

وہ جو تھے اونچے محل اور وہ جو تھے قصر بریں
پست ہو جائیں گے جیسے پست ہو اک جائے غار

ایک ہی گردش میں گھر ہو جائیں گے مٹی کا ڈھیر
جس قدر جانیں تلف ہوں گی نہیں اُن کا شمار

تم سے غائب ہے مگر میں دیکھتا ہوں ہر گھڑی
پھرتا ہے آنکھوں کے آگے وہ زماں وہ روزگار"

ایک دوسری نظم میں فرماتے ہیں :۔

"پھر چلے آتے ہیں یارو زلزلہ آنے کے دن
زلزلہ کیا اس جہاں سے کوچ کر جانے کے دن

تم تو ہو آرام میں پر اپنا قصہ کیا کہیں
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے سخت گھبرانے کے دن

کیوں غضب بھڑکا خدا کا مجھ سے پوچھو غافلو
ہو گئے ہیں اس کا موجب میرے جھٹلانے کے دن

غیر کیا جانے کہ غیرت اس کی کیا دکھلائے گی
خود بتائے گا انہیں وہ یار بتلانے کے دن

وہ چمک دکھلائے گا اپنے نشاں کی پنج بار
یہ خدا کا قول ہے سمجھو گے سمجھانے کے دن"

یہ دو نظمیں ۱۹۰۵ء و ۱۹۰۶ء کی ہیں یعنی کانگڑہ کے زلزلہ کے بعد کی ہیں۔ اس کے بعد ۱۲۔ اگست ۱۹۰۶ء کو سان فرانسسکو اور فارموسا اور جنوبی امریکہ کے صوبہ چلی میں سخت ترین زلزلے آئے۔ جن میں ہزاروں جانیں تباہ ہوئیں، اور لاکھوں آدمی بے خانماں ہو گئے۔ تب آپ نے ایک مضمون میں جو حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۷ء کے صفحات ۲۵۶ و ۲۵۷ پر شائع ہوا ہے، یہ فرمانے کے بعد کہ یہ زلزلے آپ کے سابقہ الہامات کے مطابق آئے تھے، فرمایا کہ:-

"شاید نادان لوگ کہیں گے کہ یہ کیونکر نشان ہو سکتا ہے۔ یہ زلزلے تو پنجاب میں نہیں آئے۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ خدا تمام دنیا کا خدا ہے نہ صرف پنجاب کا۔ اس نے تمام دنیا کے لئے یہ خبریں دی ہیں نہ صرف پنجاب کے لئے۔ یہ بد قسمتی ہے کہ خدا تعالےٰ کی پیشگوئیوں کو ناحق ٹال دینا اور خدا کی کلام کو غور سے نہ پڑھنا اور کوشش کرتے رہنا کہ کسی طرح حق چھپ جائے۔ مگر ایسی تکذیب سے سچائی چھپ نہیں سکتی۔"

"یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے، ایسا ہی یورپ میں بھی آئے اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئیں گے اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہونگے اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہوں گے اور زمین پر اس قدر سخت تباہی آئے گی، کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا، ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی۔ اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی۔ اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین اور آسمان میں ہولناک صورت میں

پیدا ہوں گی یہاں تک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائیں گی۔ اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے کسی صفحہ میں اُن کا پتہ نہیں ملے گا۔ تب انسانوں میں اضطراب پیدا ہوگا کہ یہ کیا ہونے والا ہے۔ اور بہتیرے نجات پائینگے اور بہتیرے ہلاک ہو جائینگے وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں، کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی۔ اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہوں گی، کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے۔ یہ اس لئے کہ نوع انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا، تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی، پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا[1]۔ اور توبہ کرنے والے امان پائیں گے۔ اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں اُن پر رحم کیا جائے گا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہوگا۔ یہ مت خیال کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے۔ میں تو دیکھتا ہوں، کہ شاید ان سے زیادہ مصیبت کا مُنہ دیکھو گے۔ اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں، اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا۔ مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔ جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے، نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔ مگر

---

[1] اور نہیں ہم عذاب دینے والے یہاں تک کہ (پہلے) رسول کو بھیجیں۔

خدا غضب میں دھیما ہے، توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔ جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی۔ اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مُردہ ہے نہ کہ زندہ۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۶ و ۲۵۷)

ان تحریرات و اعلانات و الہامات کے بعد ۱۹۳۴ء میں بہار کا اور ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کا زلزلہ آیا اور ان دونوں زلزلوں کی جو تفاصیل اخبارات میں شائع ہوئی ہیں، ان کو ایک دفعہ پڑھ لینے کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کے مقتبسہ بالا مضمون کے حسب ذیل الفاظ بھی پڑھیے اور پھر پڑھیے تاکہ گرجتی ہوئی صدائے حق کو منمناتی ہوئی شیطانی آواز سے آپ تمیز کر سکیں۔

"پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے۔ ایسا ہی یورپ میں بھی آئے اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئیں گے۔ اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہوں گے۔ اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی اس موت سے چرند پرند بھی باہر نہیں ہوں گے۔ اور زمین پر اس قدر سخت تباہی آئیگی، کہ اُس روز سے کہ انسان پیدا ہوا، ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی۔ اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی۔ اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین اور آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہوں گی۔ یہاں تک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائیں گی۔ اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے کسی صفحہ میں ان کا پتہ نہیں ملیگا۔ .......... وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی۔ اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہوں گی۔ کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے ....... تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہوگا یہ مت خیال کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید ان سے زیادہ مصیبت کا منہ دیکھو گے۔ اے یورپ تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو کوئی مصنوعی خدا

تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔"

ان حوادث کی پیشگوئیوں کے بعد ہم بعض اقتداری پیشگوئیوں کا بھی نمونہ پیش کئے دیتے ہیں۔ اس قسم کی اقتداری پیشگوئیوں میں سے سب سے زیادہ اہم اور واضح پیشگوئی وہ ہے، جو خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات خاص کے متعلق ہے۔ الہام یہ ہے:۔

"یَعْصِمُكَ اللّٰهُ مِنْ عِنْدِہٖ وَلَوْ لَمْ یَعْصِمْكَ النَّاسُ"

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تجھ کو خود محفوظ رکھیں گے اگر انسان تجھ کو محفوظ رکھنا نہ چاہیں ؛

یہ پیشگوئی ۱۸۸۲ء کی مطبوعہ کتاب براہین احمدیہ میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد حضرت کا وصال ۱۹۰۸ء میں یعنی اس الہام کے ۲۶ سال کے بعد ہوا۔ ساری دنیا نے آپ کی مخالفت کی، مقدمات بھی قائم کئے، مارنے کی بھی فکریں کی گئیں، گالیاں بھی دی گئیں اور پتھر بھی پھینکے گئے، مگر اس قادر ذوالجلال کے حکم حفاظت کے سامنے کسی کی کچھ پیش نہ گئی۔ اگرچہ حضرت مسیح موعودؑ ساری دنیا کی نظروں میں خار کی طرح کھٹکتے رہے، لیکن بال بیکا نہ ہوا۔ اسی طرح دوسرا الہام یہ ہے:۔

"اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ"

یعنی تم پر اپنی محبت کا پرتوہ ڈالوں گا اور اپنی نظروں میں تجھے بناؤں گا یا تربیت کروں گا۔

دنیا جانتی ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ سے بحیثیت مسیح موعود ایک جمّ غفیر جماعت نے کس طرح اور کس والہانہ اور خادمانہ رنگ میں محبت کی اور اپنے جان و مال، عزت و آبرو کو ان کے قدموں پر نثار کر دیا۔ اس کے بعد قبولیت دعا کا بھی نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

"ہمارے حیدر آباد ہی کا ایک طالب علم عبدالکریم ولد عبدالرحمٰن نامی قادیان میں زیر تعلیم تھا۔ اس کو دیوانے کتے نے کاٹ کھایا، وہ علاج کے لئے کسولی بھیجا گیا۔ وہاں سے جب واپس آیا، تو پھر زہر عود کر آیا، اور خوفناک حرکات مریض سے وقوع میں آنے لگیں۔ کسولی کو لکھا گیا، تار کیا گیا، کہ اس کو علاج کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ جواب آیا کہ اب مرض لاعلاج ہے، افسوس ہے کہ کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ اس کی اطلاع حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کی گئی۔ آپ کو اس غریب الوطن بچے کی حالت پر رحم آیا، جو اپنے وطن سے دور غیر جگہ طلب علم میں

گیا تھا۔ اور اپنے والدین سے مہجور تھا۔ آپ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ آخر یہ دعا قبول ہوئی، عبدالکریم کو صحت کاملہ حاصل ہوگئی۔ اس خارق عادت واقعہ پر کسولی کے ایک ڈاکٹر نے حضرت مسیح موعودؑ کو لکھا کہ:-

"اُن آثار کے ظہور کے بعد جو عبدالکریم پر ظاہر ہوئے کبھی کوئی مریض جانبر نہیں ہوا یہ نہایت عجیب واقعہ ہے"

قبولیت دعا کے بے تعداد نمونے پیش کئے جا سکتے ہیں، جو وقتاً فوقتاً اخبارات و رسائل و کتب سلسلہ میں تفصیل سے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن اس مختصر رسالہ میں قبولیت دعا کے واقعات کی مزید تفصیل ضروری نہیں ہے۔ جو تفصیل دیکھنا چاہتا ہے، وہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب حقیقۃ الوحی میں دیکھ سکتا ہے۔

اس کے بعد مخالفین اسلام اور معاندین سلسلہ کے ساتھ جو مباہلے پیش آئے ہیں یا بددعاؤں کے جو اثرات ظاہر ہوئے، اُن کی طویل تفصیل بھی حقیقۃ الوحی اور حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیف کردہ دیگر کتب میں موجود ہے۔ صرف ایک نہایت ہی عجیب واقعہ آپ کی بددعا کے اثر کا جو ایک شدید ترین و اخبث الناس معاند اسلام کے ساتھ پیش آیا تھا اس موقعہ پر بیان کر دینا کافی ہوگا۔

اُنیسویں صدی کے آخر و بیسویں صدی کے آغاز میں ایک شخص ڈاکٹر جان الگزنڈر ڈوئی نے جو عقیدہ تثلیث کا پابند تھا، امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ جس کا ادعا یہ تھا کہ وہ عیسائیت کو دنیا میں پھیلانے اور اسلام کو دُنیا سے نابود کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے اُس کی جماعت کی جانب سے ایک اخبار 'لیوز آف ہیلنگ' کے نام سے امریکہ سے شائع ہوتا تھا۔ چنانچہ اس اخبار کے ۱۹- دسمبر ۱۹۰۳ء اور ۱۴- فروری ۱۹۰۴ء کی اشاعت میں یہ فقرے موجود ہیں:-

"میں خدا سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ دن آوے کہ اسلام دنیا سے نابود ہو جائے۔
اے خدا تو ایسا ہی کر، اے خدا اسلام کو ہلاک کر دے"

حضرت مسیح موعودؑ ڈوئی کے ان حالات سے مطلع تھے۔ اس لئے آپ نے ۱۹۰۲ء اور پھر ۱۹۰۳ء میں دو مرتبہ اس کو مباہلہ کے لئے چیلنج دیا، اور یہ چیلنج امریکہ کے اخبارات میں شائع

ہوا ہے۔ مباہلہ مذکور کا خلاصہ مضمون یہ تھا :۔

"اسلام سچا ہے اور عیسائی مذہب کا عقیدہ جھوٹا ہے۔ اور میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وہی مسیح موعود ہوں جو آخری زمانہ میں آنے والا تھا، اور نبیوں کے نوشتوں میں اس کا وعدہ تھا۔ ڈاکٹر ڈوئی اپنے دعویٰ رسالت اور تثلیث کے عقیدہ میں جھوٹا ہے اگر وہ مجھ سے مباہلہ کرلے تو میری زندگی میں بہت ہی حسرت اور دکھ کے ساتھ مریگا"

اس کے بعد تحریر فرمایا کہ :۔

"اگر مباہلہ نہ بھی کرے تب بھی وہ خدا کے عذابوں سے بچ نہیں سکتا ہے"

اس چیلنج کا کوئی جواب ڈوئی نے نہیں دیا۔ لیکن چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کا چیلنج امریکہ کے اخبارات میں شائع ہوچکا تھا، اس لئے وہاں اس کا چرچا اخبارات میں برابر ہوتا رہا۔ اور بالآخر ڈوئی نے مجبور ہوکر اپنے اخبار مذکور مورخہ ۲۶۔ ستمبر ۱۹۰۳ء میں یہ شائع کرایا :۔

"ہندوستان میں ایک بیوقوف محمدی مسیح ہے جو مجھے بار بار لکھتا ہے کہ یسوع مسیح کی قبر کشمیر میں ہے۔ اور لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو اس کا جواب کیوں نہیں دیتا۔ اور کہ تو کیوں اس شخص کا جواب نہیں دیتا ہے۔ مگر کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان مچھروں اور مکھیوں کو جواب دوں گا۔ اگر میں ان پر اپنا پیر رکھ دوں، تو میں ان کو کچل کر مار ڈالوں گا"

اس کے بعد ۱۹۔ دسمبر ۱۹۰۳ء میں لکھتا ہے :۔

"میرا کام یہ ہے کہ میں مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب سے لوگوں کو جمع کروں اور مسیحیوں کو اس شہر[1] اور دوسرے شہر میں آباد کروں۔ یہاں تک کہ وہ دن آجائے کہ مذہب محمدی دنیا سے مٹایا جائے۔ اے خدا ہمیں وہ وقت دکھلا"

ایسے بدترین معاند اسلام کی نسبت بد دعا کی گئی اور یہ لکھدیا گیا کہ :۔

"مباہلہ کرے یا نہ کرے ہر حال میں وہ خدا کے عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔ اور خدا جھوٹے اور سچے میں فیصلہ کرکے دکھلا دے گا"

---

[1] ڈوئی کا آباد کردہ صیحون نامی شہر۔

ان دعاؤں کا سلسلہ ۱۹۰۷ء تک جاری رہا۔ اور بالآخر ۹۔ فروری ۱۹۰۷ء کی دُعا کے جواب میں بارگاہِ الٰہی سے یہ الہام ہوا کہ

"اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی"[۱]

۲۰۔ فروری ۱۹۰۷ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ اعلان کیا کہ :۔

"عنقریب ایک تازہ نشان خدا کی طرف سے ایسا ظاہر ہوگا کہ جس میں فتح عظیم ہوگی"

اور اعلان میں صراحت فرمائی کہ :۔

"اس نشان کا ظہور صرف ہندوستان تک محدود نہ ہوگا۔ اور خدا کے ہاتھوں اور آسمان سے ہوگا۔ چاہیئے کہ ہر ایک آنکھ اس کی منتظر رہے کیونکہ خدا اس کو عنقریب ظاہر کرے گا تا کہ وہ یہ گواہی دے کہ یہ عاجز جس کو تمام قومیں گالیاں دے رہی ہیں۔ اس کی طرف سے ہے۔ مبارک وہ جو اس سے فائدہ اُٹھائے"

اس اعلان کے چند روز بعد یعنی مارچ ۱۹۰۷ء کے پہلے ہفتہ میں ڈاکٹر جان الگزنڈر ڈوئی جو اسلام کی بربادی کی فکر میں تھا، اس جہان سے ساری حسرتیں لے کر نامرادی اور ناکامی کے ساتھ دار البوار جہنم میں پہنچ گیا۔ یہ آخری اور خاتمہ کی تاریخ تھی۔ لیکن واقعات کی تفصیلات سے ظاہر ہوا کہ اس آخری مرحلہ سے پہلے ڈوئی اپنی قوم میں خائن اور شراب خوار ثابت ہو چکا تھا۔ حالانکہ اپنی تعلیم میں وہ شراب کو حرام ظاہر کر کے اپنے متبعین کو پینے کی ممانعت کرتا تھا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ ولد الزنا اور نہایت ہی بدمعاش آدمی تھا۔ اور جو خاص شہر صیحون نامی اس نے آباد کرایا تھا، اس سے خارج کیا گیا۔ اور اس کی ساری دولت اس سے چھین لی گئی۔

ان تمام ذلتوں اور ناکامیوں کے بعد اس پر فالج گرا، اور کچھ عرصہ فالج میں نیم جان رہ کر آخر ہفتہ مارچ ۱۹۰۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اعلان کے مطابق حق و باطل کو اپنی ناکامیوں کے ذریعہ سے دنیا پر ظاہر کر گیا۔

یہ اور اس قسم کی ہزاروں پیشگوئیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں میں بھری پڑی

---

[۱] بے شک تو ہی غالب رہے گا۔ (تذکرہ صفحہ ۶۹۳)

ہیں۔ صرف نمونتہً چند کا ذکر کر دیا ہے۔ تاکہ ناظرین یہ سمجھ سکیں، کہ اس معیار کے مطابق جس کا ذکر ہم نے باب پنجم میں کیا ہے، حضرت مرزا صاحب صادق ہی قرار پاتے ہیں لیکن جناب برنی صاحب نے اپنے رسالہ "قادیانی مذہب" میں ایک خاص پیشگوئی کو مستہزیانہ انداز میں اس قدر طوالت کے ساتھ بیان کیا ہے، کہ کتاب کی پوری آٹھویں فصل کو اس کیلئے وقف کر دیا ہے۔ فصل مذکور کا آغاز "اراکین خاندان" کے عنوان سے کر کے اراکین خاندان کے نام نہیں بلکہ حضرت مرزا صاحب اور محمدی بیگم کے بعض اعزہ یا متعلقین کے نام ایک ڈرامہ نویس کی طرح اس انداز میں لکھے ہیں، کہ گویا ایک ڈرامہ لکھا جا رہا ہے۔ جس میں آنے والے ناموں کی شخصیت سے ناظرین کو روشناس کرایا جاتا ہے۔ اور پھر اس نہایت ہی غیر شریفانہ طریقۂ تالیف کو زیادہ شر انگیز کرنے کے لئے فصل کو ایسے رکیک عنوانات سے مزین کیا گیا ہے، جن سے ہماری دلآزاری کے ساتھ جناب برنی صاحب کی شریفانہ حیثیت کی بھی پردہ دری ہو جاتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ برنی صاحب کا طرز گفتگو خواہ بازاری ہو یا غیر شریفانہ، لیکن بہر حال جس مضمون سے متعلق ہے، اُس کا جواب دینا ہمارے لئے ضروری ہے۔ اس لئے برنی صاحب کے جمع کئے ہوئے مزبلہ کا لحاظ کئے بغیر ہم کو راستہ طے کرنا ہی پڑیگا۔

ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے، کہ ایک مدعی نبوت و ماموریت کے دعاوی و دلائل کو ہر پہلو سے جانچے اور اس کی تردید و تغلیط کرے، اس لئے کہ پیشگوئیاں ہر حال میں بطور ایک معیار صداقت کے مستوجب تنقید ہوتی ہیں۔ لیکن احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے کسی مدعی نبوت و ماموریت کو مقررہ اور مسلمہ معیار پر پرکھنا ایک چیز ہے، اور شرارت نفس و خُبث باطن کو تسکین دینے کے لئے بے جا زبان درازی دوسری چیز ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی برادری کی ایک لڑکی محمدی بیگم بنت احمد بیگ کی نسبت ایک پیشگوئی کی تھی، کہ اگر بعض حالات پیش آئیں، تو اُن کے باعث وہ میرے نکاح میں آئے گی۔ اور بالآخر آن حالات کے پیش نہ آنے کے باعث وہ حضرت مسیح موعودؑ کے نکاح میں نہیں آئی۔ ہر شخص اس پیشگوئی کی صداقت پر بحث کر سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ چونکہ بظاہر پیشگوئی پوری نہیں ہوئی، اس لئے مسلمہ معیار کے مطابق حضرت مرزا صاحب

کا دعویٰ ماموریت صحیح نہیں ہے۔ اور اس کا جواب ہم احمدیوں کے ذمہ ہے۔ لیکن جب غرض احقاق حق یا ابطال باطل نہ ہو، تو اس صاف اور سیدھے طریقہ کو چھوڑ کر ہر ایک کوشش کیجاتی ہے، کہ پہلے اس پیشگوئی کا مضحکہ اڑایا جائے، اور اس کے بعد پیشگوئی کے نا تمام و نامکمل اجزاء پیش کر کے ان واقعات سے قطع نظر کر لی جائے، جو پیشگوئی کی صداقت کو واضح کر دیتے ہیں، اور جن سے پیشگوئی کی صداقت کو تسلیم کر لینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ہم اپنے جواب میں اول اس پیشگوئی اور اس کے مالہٗ وماعلیہ کو بالصراحت بیان کر کے اس کی اصل حقیقت کو واضح کریں گے۔ "انشاء اللہ تعالیٰ"

پیشگوئی پر کوئی بحث بطور ایک معیار صداقت کے اسی صورت میں ہو سکتی ہے، جب وہ بادعائے الہام الٰہی کی جائے۔ اگر بغیر ادعائے الہام الٰہی کوئی پیشگوئی کی جائے یا حکم دیا جائے تو وہ بطور ایک معیار صداقت کے قابل استناد نہیں ہے۔ اصل چیز الہام الٰہی ہے اور قابل بحث ادعاء الہام الٰہی ہی ہوا کرتا ہے۔ جس کو ہم بالتفصیل باب پنجم میں بیان کر چکے ہیں۔

کیونکہ دعویٰ ماموریت کے معنی ہی یہ ہیں، کہ وہ مدعی اپنے ادعاء کے بموجب خدا کی جانب سے اصلاح دنیا کیلئے مامور ہوا ہے۔ اور اس کو حکم دیا گیا ہے، کہ دنیا میں اس کا اعلان کرے، اس لئے اس دعویٰ کی صداقت اس کے پیش کردہ الہامات کی صداقت پر منحصر ہے۔ پس جب ہم کہتے ہیں کہ پیشگوئیاں بھی مامور من اللہ کی صداقت کا معیار ہو سکتی ہیں، جیسا کہ باب پنجم میں اس کی صراحت کی گئی ہے، تو اس کا منشاء یہی ہوتا ہے، کہ وہ الہامات جو مغیبات کی نسبت مامور من اللہ کی زبان پر جاری ہوئے، وہ اس کی صداقت کا ثبوت ہیں۔ پس جب کبھی پیشگوئی پر بحث مطلوب ہو، تو اصل الہامات ہی جن پر پیشگوئی مبنی ہے، محل نقد و نظر ہو سکتے ہیں، نہ کہ وہ مفہوم جو اس الہام کا سمجھا گیا، خواہ اس مفہوم کا بیان کرنے والا خود صاحب الہام ہی کیوں نہ ہو۔ ہماری اس تقریر سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے، کہ مامور من اللہ کا بیان کردہ مفہوم الہام کسی صورت میں بھی قابل لحاظ نہیں ہوتا۔ کیونکہ احکامات اور تعلیم دینی کی نسبت تو وہ قطعی ہوتا ہے، لیکن مغیبات کی نسبت اس کا بیان سب سے اعلیٰ وارفع واولیٰ بالتسلیم ہونے کے باوجود ضروری نہیں ہے، کہ ہمیشہ صحیح اور مطابق منشاء الہام کے ہی ہو۔

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ قرآن پاک میں آچکا ہے۔ جس سے ظاہر ہے، کہ حضرت نوح علیہ السلام جیسا اولوالعزم اور مقرب ترین نبی۔ الہام الٰہی "قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ" کا یہی مفہوم اور مقصود سمجھتا رہا، کہ وہ خود اور اُس کے جملہ متعلقین اہل بیت اور اولاد عذاب الٰہی یعنی طوفان سے محفوظ رہے گی۔ اس لئے جب کنعان آپ کا لڑکا آپ کے ساتھ کشتی پر سوار نہ ہوا، اور غرق ہونے لگا، تو آپ شفقت پدری سے بیتاب ہو کر پکار اُٹھے "وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ" یعنی اے میرے رب میرا بیٹا تو میرے اہل سے ہے، اور تیرا وعدہ کہ (اہل بچائے جائیں گے ان کو کشتی میں بٹھا لے) سچا ہے، اور تو سب حاکموں سے بڑا اچھا حکم دینے والا ہے۔ اس چیخ و پکار اور دعا پر فوراً حکم ہوا "قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ" یعنی اللہ تعالےٰ نے فرمایا، کہ اے نوح وہ (کنعان) تیرے گھر والوں سے نہیں ہے، اس کا عمل صالح نہیں ہے۔ پس جو چیز تجھ کو معلوم نہیں ہے، اس کے متعلق ہم سے سوال مت کر۔ الہام الٰہی کی اس وضاحت پر حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم ہوا، کہ وہ غلطی سے یہ خیال کرتے رہے، کہ اُن کے سب گھر والے عذاب سے بچائے جائیں گے۔ الہام الٰہی کے الفاظ تو اس بارہ خاص میں یہ تھے کہ "وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ"۔ لیکن نوح علیہ السلام سبق علیہ۔ القول کے الفاظ کا خیال کئے بغیر اپنے لڑکے کو گھر والوں میں سمجھتے رہے۔ اور معمولی طور پر ہر شخص یہی سمجھے گا۔ کیونکہ ما سبق علیہ القول میں کوئی صراحت نہ تھی۔ اور محض اجمال کی وجہ سے یہ خیال نہیں کیا جا سکتا، کہ منجملہ اولاد یا گھر والوں کے بعض افراد پہلے ہی سے مستحق عذاب قرار پا چکے ہیں۔ پس اگر حضرت نوح علیہ السلام کے سمجھے ہوئے مفہوم الہام پر بحث کی جائے، تو نعوذ باللہ یہ ماننا پڑے گا، کہ آپ کی پیشگوئی غلط تھی۔ حالانکہ الہام الٰہی

---

ہم نے کہا اس پر (یعنی کشتی پر) ہر ایک چیز کے جوڑے کو چڑھا لے اور اپنے گھر والوں کو سوائے اس کے جس پر پہلے حکم (عذاب) لگ چکا ہے اور مومنوں کو ۔ اور اپنے اہل کو مگر جس پر پہلے حکم (عذاب کا) لگ چکا ہے (پ ۱۲ ع ۴)

میں الفاظ " اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ" کے موجود ہیں، جن کے معنی الہام الٰہی کے واقع ہوجانے اور کنعان پسر نوح علیہ السلام کے غرق ہوجانے کے بعد کھل گئے۔ اس سے پہلے ان الفاظ کی وجہ سے خود صاحب الہام مہبط وحی حضرت نوح علیہ السلام وہ نہ سمجھ سکے جو واقعہ ہوا۔ پس پیشگوئی کا وہ مفہوم جو صاحب الہام کی طرف سے بیان کیا جائے، بعض اوقات صحیح نہیں ہوتا۔ مگر یہ ذہن نشین رہنا چاہیئے، کہ یہ اصول ہم صرف پیشگوئی کے مفہوم کے متعلق بیان کر رہے ہیں۔ ورنہ اعمال و عقائد سے متعلقہ احکام کی یہ صورت نہیں ہے کیونکہ وہ اصل دین ہیں اور وہ محکمات ہوتے ہیں۔ نیز دین عملی حیثیت سے بھی انبیاء کو سکھایا جاتا ہے، اس لئے احکام متعلقہ اعمال و عقائد میں کسی تعبیر و تاویل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ احکام متشابہات نہیں ہوتے۔ متشابہات یا الہامات جو مغیبات آئندہ کے متعلق ہوتے ہیں، وہ بعض اوقات ذوالوجوہ ہوتے ہیں، جن کے کئی معانی و مفاہیم ہوسکتے ہیں بعض وقت وہ صاحب الہام کی رسائی و فہم سے بھی بالاتر ہوتے ہیں، اور اُن کا مفہوم اسی وقت کھلتا ہے، جب وہ واقعہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہی تو غیب الغیب ہے، جس پر اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی دوسرا حاوی نہیں ہوسکتا۔ خواہ وہ نبی ہو یا ولی۔ ہاں اللہ تعالےٰ کے خاص ارادے سے صرف اس حد تک جس حد تک انبیاء علیہم السلام کو بتا دیا جاتا ہے، وہ علم غیب کا اظہار کرسکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت نوح کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ بھی اسی قسم کا ایک واقعہ گذرا ہے، جس کا اشارہ قرآن پاک کی سورۃ یونس رکوع ۱۰ کی آیۃ " فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" میں اور سورۃ صافات رکوع ۵ کی آیت " وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۝ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۝ لَلَبِثَ فِي

---

سلہ پس قوم یونس (کی بستی) کے سوا کوئی اور بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ (نزول عذاب سے پہلے) ایمان لے آتی۔ اور اُن کو ایمان لانا فائدہ دیتا کہ (یونس کی قوم کے لوگ) جب (عذاب آتا دیکھا) ایمان لے آئے تو ہم نے دنیا کی دارس، زندگی میں اُن سے رسوائی کے عذاب کو دفع کر دیا ؎

بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ٥ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ٥ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ٥ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ٥ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ[1] ٥" میں ملتا ہے۔ اور مفسرین نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے

حضرت یونس علیہ السلام زمانہ قدیم میں نینوہ میں مبعوث فرمائے گئے تھے۔ واقعہ حضرت کا یوں ہے، کہ جب قوم نے اُن کی دعوت کو قبول نہ کیا اور اُن سے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا، تو حضرت یونسؑ نے عذاب سے ڈرایا، اور چالیس دن عذاب آنے کیلئے مقرر کر دئے۔ لیکن جب آثار و علامات عذاب کے نظر نہ آئے، تو اس کوفت میں کہ قوم دلیر ہو کر الزام دیگی، کہ پیشگوئی جھوٹی نکلی اور ہم محفوظ رہے، شہر سے جنگل کو بھاگ گئے۔ اور یہ معلوم کر کے کہ عذاب حسب وعدہ نہیں آیا جہاز پر سوار ہو گئے تاکہ وہاں سے کہیں اور جگہ چلے جائیں۔ لیکن راستہ میں اُن کو دریا میں ڈال دیا گیا، جہاں انہیں مچھلی نگل گئی۔ اور بالآخر مچھلی کے پیٹ سے اُن کو نجات دی گئی۔ قرآن کریم کی سورہ انبیاء۔ صافات و یونس میں اس واقعہ کا مختصر سا ذکر آتا ہے، مفسرین نے یہ پورا واقعہ لکھا ہے۔ اس قصہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت یونس علیہ السلام نے عذاب کی پیشگوئی قوم کے لئے مقررہ تاریخ اور دن کی کی تھی، مگر عذاب نہیں آیا۔ وجہ عذاب نہ آنے کی یہ تھی، کہ قوم نے توبہ استغفار کر لیا تھا، اور اپنی کرتوتوں سے باز آ گئی تھی۔ لیکن نہ تو حضرت یونس علیہ السلام کو اس کی اطلاع تھی، نہ پیشگوئی میں اس کی کوئی شرط تھی۔ اس لئے محض اس وجہ سے کہ عذاب وحی الٰہی کی بنیاد پر کی ہوئی پیشگوئی کے مطابق نہیں آیا، حضرت یونسؑ یہ محسوس کرنے لگے، کہ اب یہ قوم پیشگوئی کو غلط اور مجھے جھوٹا

---

[1] بیشک یونس (بھی) پیغمبروں میں سے ہیں۔ کہ جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے۔ اور وہاں (اہل کشتی کے ساتھ) قرعہ ڈالا (چونکہ قرعہ میں ان کا نام نکلا) اس لئے (دریا) میں پھینک دئے گئے۔ پس مچھلی نے انکو نگل لیا اس وقت وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ اُس وقت خدا کی تسبیح کرنیوالوں میں سے نہ ہوتے، تو اُس دن تک جبکہ لوگ اُٹھا کھڑے کئے جائینگے (قیامت تک) مچھلی ہی کے پیٹ میں رہتے۔ ہم نے اُنکو (مچھلی کے پیٹ سے نکالکر) کھلے میدان میں ڈالدیا۔ اُس وقت وہ (بوجہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے) نڈھال ہو گئے تھے۔ اور پھر ہم نے اُن پر ایک بیلدار (کدو کا) پودا اُگایا۔ اور ہم نے رسول بنا کر بھیجا اُنکو ایک لاکھ بلکہ اس سے زیادہ کیطرف۔ (ب) وہ ایمان لے آئے (تو) ہم نے اُنکو ایک خاص وقت تک فائدہ پہنچایا ÷

قرار دے گی۔ اس لئے قوم سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ واقعہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے، کہ عذاب کی پیشگوئی یا وعید بعض اوقات ٹل جایا کرتی ہیں۔ خصوصاً جب وہ قوم جس پر وعید کی گئی ہے نادم و متنبہ ہو کر جناب الٰہی کی طرف رجوع کر لیتی ہے۔ اور گو پیشگوئی میں ایسی کوئی شرط نہ ہو، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ صاحب پیشگوئی کو اس کی اطلاع دی جائے۔

ان دو مثالوں کے بعد تیسری مثال خود حضرت ختمی مآب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس خواب سے ملتی ہے، جو صلح حدیبیہ کا باعث ہوئی۔ صلح بھی ایسی صلح جس سے اگر ایک طرف ظواہر بین اشخاص کے ایمان متزلزل ہو گئے، تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو جو مسلمانوں کی کمزوری کا مرقع و مظہر سمجھی جاتی تھی، فتح مبین کے نام سے پر شوکت الفاظ میں اس طرح یاد فرمایا ہے۔ " اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۙ وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا ۞[1] " واقعات جو شان نزول اس سورۃ مبارکہ کے ہیں مختصراً یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ مبارک میں یہ خواب دیکھا، کہ ہم مکہ میں امن امان کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کر کے حلق و قصر کیا۔ چونکہ نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے اس لئے آپ معہ چودہ پندرہ سو مومنوں کے بغرض عمرہ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور قربانیوں کے لئے جانور بھی ساتھ لے لئے۔ ادھر مسلمان بر بنائے رؤیائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو در اصل وحی تھی، مدینہ منورہ سے برآمد ہوئے، اُدھر کفار قریش کو خبر لگی، تاآنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے جاں نثاروں کے موضع حدیبیہ تک پہنچ گئے۔ جو مکہ سے تین میل ہے، جس کو آج کل شمیسیہ کہتے ہیں۔ اور وہیں قیام فرمایا اور باہمی نامہ و پیام اور گفت و شنید کے بعد حسب ذیل شرائط پر کفار قریش سے صلح فرمائی۔

---

[1] تحقیق ہم نے تمکو کھلی کھلی فتح دی تاکہ اللہ ڈھانپ دے تمہاری پہلی اور پچھلی کمزوریوں کو۔ اور تم پر اتمام نعمت کرے اور تجھے صحیح صحیح طریقہ کی رہنمائی (یعنی فتح مکہ کے طریقہ کی) کرے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہاری بہت غالب مدد کرے گا (پ ۲۶ ع ۸۔ شروع سورۂ فتح)

۱۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کے واپس جائیں۔ ہاں اگلے سال آئیں مگر تین دن سے زیادہ مکّہ میں قیام نہ کریں۔

۲۔ مکّہ میں جو مسلمان ہیں، اُن کو ساتھ نہ لے جائیں اور آپ کے ساتھی مسلمانوں میں سے جو مکّہ میں رہنا چاہیں۔ اُن کو نہ روکا جائے۔

۳۔ مکّہ والوں سے جو شخص مدینہ جائے تو مسلمان اس کو واپس کر دیں۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکّہ چلا جائے تو واپس نہ کیا جائے گا۔

۴۔ یہ صلحنامہ دس سال تک نافذ رہے گا۔

ان شرائط سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ مسلمان صلح دب کر کر رہے ہیں، اور اس وقت سے اب تک برابر اس صلح کا ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں پر یہ امر شاق تھا لیکن پاس ادب نبویؐ سے دم نہ مار سکتے تھے۔ منافقین بغلیں بجاتے تھے، اور مسلمانوں میں بُرے خیالات پھیلاتے تھے۔ خواب کی ظاہری صورت جس کے بھروسہ پر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چودہ پندرہ سو متبعین مدینہ سے بقصد عمرہ روانہ ہو گئے، ایسی ہی تھی، کہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مسلمانوں نے عمل کیا، لیکن بالآخر ثابت یہ ہوا، کہ اس سال مسلمانوں کی قسمت میں عمرہ نہ تھا۔ اس لئے بظاہر بے نیل مرام واپس آنا پڑا۔ اور یہ صورت کیوں واقع ہوئی؟ صرف اس لئے کہ خواب میں زمانہ کا تعیّن نہ تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہؓ نے یہی سمجھا، کہ شاید یہ نعمت اس سال حاصل ہو جائے گی۔ اس لئے شوق میں بھر کر سفر کی زحمت گوارا فرمائی۔ لیکن آخری منزل پر پہنچ کر معلوم ہوا، کہ ابھی اس خواب کی تعبیر پورا ہونے کا وقت نہیں آیا۔ اس لئے صلح کر کے واپس تشریف لائے۔ اور گو صلح بظاہر دب کر کی، لیکن بہر حال خواب کی تعبیر کے پورا ہونے کے لئے ایک راستہ صاف ہو گیا۔ یعنی یہ کہ کفار قریش کی رضامندی کے ساتھ اگلے برس عمرہ کیا جا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ کی یہ بظاہر دب کر کی ہوئی صلح بھی فتح مبین ہی تھی، جو آئندہ کے پیش آمدہ واقعات کی وجہ سے واقعی فتح مبین ہی ثابت ہوئی۔ وہ اس طرح کہ یہ صلح اگرچہ دس برس کے لئے کی گئی تھی، اس لئے آئندہ دس برس تک بظاہر

مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے یا اس کے فتح کرنے کی توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس صلح نامہ سے دو برس کے اندر ہی اندر مسلمانوں کو ایسا موقع ہاتھ آگیا، جس کی وجہ سے وہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے شہر مکہ میں فاتحانہ داخل ہوگئے، اور اس طرح مکہ دو برس کے اندر اندر واقعی طور پر فتح ہوگیا۔ اور حضرت ختمی مآب صلعم کی وہ وحی رؤیا جو صلح حدیبیہ سے پہلے نازل ہوئی تھی، کامل طور پر پوری ہوگئی؛

انبیاء علیہم السلام کے ان واقعات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، کہ بعض اوقات وحی الٰہی متعلقہ مغیبات و واقعات آئندہ کی تفہیم میں انبیاء اولوالعزم بھی تجاوز کر جاتے ہیں۔ اور وحی کے مبینہ مغیبات ان کے بتائے ہوئے طریقہ یا تفصیل کئے ہوئے واقعات کی بجائے دوسرے طریقہ پر یا ایسے واقعات کے ذریعہ ظہور میں آتے ہیں جو صاحبِ الہام و وحی کے مبینہ یا مفہومہ واقعات کے مطابق نہیں ہوتے۔ اور جب اس طرح کوئی وحی یا الہام امکانی یا واقعی طور پر تا حد مغیبات پورا ہو جائے، تو پھر صاحب وحی و الہام کے بیان کردہ مفاہیم پر استدلال کر کے اس وحی یا الہام الٰہی کے الفاظ سے قطع نظر کر کے کوئی ایسا اعتراض یا اعراض صحیح نہ ہوگا، جو وحی یا الہام کی صداقت کے خلاف ہو۔ یہی ایک مستحکم اور قابل عمل اصول کسی مامور الٰہی کی پیشگوئی کے جانچنے کا ہوسکتا ہے، جو قرآن پاک، احادیث نبوی اور ہر ایک علمی و عملی معیار کے مطابق ہے، اور تمثیلات بالا سے اس کی کامل تائید ہوتی ہے۔

پس ان مشکلات کو پیش نظر رکھ کر پیشگوئی کی صداقت و صحت پر بحث ہمیشہ اس الہام الٰہی کے الفاظ اور منشاء کلی کے مطابق ہونی چاہیئے، جس پر پیشگوئی مبنی ہے۔ تفصیلات مذکورہ سے ہم کو مسئلہ تأویل الاحادیث یا تعبیرات پیشگوئی میں ایسی کافی ہدایت ملتی ہے، جو صراط مستقیم تک پہنچا دیتی ہے۔ اور جس سے واضح ہو جاتا ہے، کہ ایمان کی حفاظت اسی میں ہے، کہ الہام کے اجمال و تفصیل۔ اعلان و اخفاء تبیین و سکوت، ہر ایک پہلو پر کافی غور و احتیاط سے توجہ کی جائے۔ اس لئے وہی فریق احق بالامن ہوسکتا ہے جو الہام الٰہی کو اس کے امکانی حدود تاویل و تعبیر تک واقعات پیش آمدہ پر منطبق کر سکتا ہے۔

اور اگر کسی تاویل یا تعبیر سے شرح صدر حاصل نہیں ہوتا، تو کم از کم اس وقت تک اس کی تکذیب و انکار پر مبادرت نہیں کرنا چاہیئے، جب تک قطعیت کے ساتھ یہ یقین نہ ہو جائے، کہ یہ الہام الٰہی نہیں بلکہ افتراء علی اللہ ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم محمدی بیگم کی پیشگوئی کے متعلق اِن جملہ الہامات کو اور اُن کے متعلقہ واقعات یعنی شیُونِ نزول کو اس جگہ جمع کر دیتے ہیں، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس بارہ میں ہوئے تھے، اور جن پر یہ پیشگوئی مبنی ہے۔ تاکہ ہمارے دلائل جو ہم اس پیشگوئی کی صداقت اور صحت کے متعلق بیان کریں گے بآسانی سمجھ میں آسکیں۔

(۱) سب سے پہلی بات جو اس سلسلہ میں ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ محمدی بیگم کے نکاح کے لئے الٰہی تحریک کب اور کیونکر شروع ہوئی؟ اس سلسلہ کی ابتداء جس طریقہ پر ہوئی ہے، اس کا تذکرہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" میں ملتا ہے اس تفصیلی بیان کو ہم اپنی زبان میں اصل عربی سے لے کر خلاصتہً ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"اللہ تعالےٰ نے میرے جدی و ننہالی بھائیوں اور قریبیوں کو دیکھا، کہ وہ مہلک امور میں منہمک ہیں (احمد بیگ ننہالی قرابت داروں میں تھا) **اور اللہ تعالیٰ کے وجود سے منکر اور مفسد لوگ ہیں** اور لوگوں کو بدیوں اور شرارتوں کی طرف بلاتے اور نیکی کے کاموں سے روکتے ہیں۔ اپنے جذبات نفس کے تابعدار اور رسومات قبیحہ میں گرفتار ہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور استخفاف پر دلیر اور آزاد ہیں۔

اسی اثناء میں اللہ تعالےٰ نے مجھے خلعت تجدید دین سے سرفراز اور مکالمات والہامات سے ممتاز فرمایا۔ اس کی اطلاع ان اشخاص (یعنی احمد بیگ وغیرہ قرابتداروں) کو بھی ہوئی۔ تو انہوں نے حسد و غضب سے مغلوب ہو کر سرکشی و تمسخر اختیار کیا اور کہا کہ ایسے معبود کا کوئی وجود نہیں، جو کسی سے کلام کرتا ہو اور وہ اسی قسم کے خیالات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کی نسبت بھی رکھتے تھے۔ اور اُن کی قوم اُن کے ساتھ تھی۔ اور ان کو اس معاملہ میں منع نہیں کرتی تھی۔ بالآخر دن بدن اُنکی سرکشی

بڑھتی گئی یہاں تک کہ وہ علانیہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے تھے۔ اور قرآن کی نسبت بدزبانی کرتے اور خدا کے وجود سے منکر تھے، اور ان خیالات کی اشاعت کرتے تھے۔ اور انھوں نے ایک اشتہار شائع کیا۔ جب مجھے یہ اشتہار ملا، تو میں نے دیکھا کہ اس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسے الفاظ لکھے تھے، کہ اس سے مومنوں کے دل پھٹ جائیں، اور مسلمانوں کے جگر کٹ جائیں اسلئے میں بیتاب ہو کر آستانۂ الوہیت پر گر گیا۔ اور میں نے اپنے حجرہ کا دروازہ بند کر کے دعا کی کہ:—

"یَا رَبِّ انْصُرْ عَبْدَكَ وَاخْذُلْ اَعْدَآءَكَ۔ اِسْتَجِبْنِیْ یَا رَبِّ اسْتَجِبْنِیْ۔ اِلَامَ یُسْتَهْزَءُ بِكَ وَبِرَسُوْلِكَ۔ وَحَتَّامَ یُكَذِّبُوْنَ كِتَابَكَ وَیَسُبُّوْنَ نَبِیَّكَ۔ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا مُعِیْنُ"[1]

تب میرے رب نے میری گریہ وزاری و میری آہوں کو سنکر رحم فرمایا اور مجھے ندا دی کہ:—

"اِنِّیْ رَاَیْتُ عِصْیَانَهُمْ وَطُغْیَانَهُمْ فَسَوْفَ اَضْرِبُهُمْ بِاَنْوَاعِ الْاٰفَاتِ اُبِیْدُهُمْ مِنْ تَحْتِ السَّمٰوٰتِ وَسَتَنْظُرُ مَا اَفْعَلُ بِهِمْ وَكُنَّا عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَادِرِیْنَ۔ اِنِّیْ اَجْعَلُ نِسَاءَهُمْ اَرَامِلَ وَاَبْنَاءَهُمْ یَتَامٰی وَبُیُوْتَهُمْ خَرِبَةً لِیَذُوْقُوْا طَعْمَ مَا قَالُوْا وَمَا كَسَبُوْا۔ وَلٰكِنْ لَا اُهْلِكُهُمْ دَفْعَةً وَاحِدَةً بَلْ قَلِیْلًا قَلِیْلًا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ وَیَكُوْنُوْنَ مِنَ التَّوَّابِیْنَ۔ اِنَّ لَعْنَتِیْ نَازِلَةٌ عَلَیْهِمْ وَعَلٰی جُدْرَانِ بُیُوْتِهِمْ وَعَلٰی صَغِیْرِهِمْ وَكَبِیْرِهِمْ

---

[1] اے میرے رب اپنے بندہ کی نصرت فرما اور اپنے دشمنوں کو ذلیل اور رسوا کر۔ اے میرے رب میری دعا سن اور اسے قبول فرما۔ کب تک تجھ سے اور تیرے رسول سے تمسخر کیا جاتا رہیگا اور کس وقت تک یہ لوگ تیری کتاب کو جھٹلاتے اور تیرے نبی کے حق میں بدکلامی کرتے رہیں گے۔ اے ازلی ابدی خدا میں تیری رحمت کا واسطہ دے کر تیرے حضور فریاد کرتا ہوں۔ (تذکرہ صفحہ ۱۵۵ و ۱۵۶)

وَنِسَآءِهِمْ وَرِجَالِهِمْ وَنَزِيْلِهِمُ الَّذِيْ دَخَلَ اَبْوَابَهُمْ - وَكُلُّهُمْ كَانُوْا مَلْعُوْنِيْنَ - اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَطَعُوْا تَعَلُّقَهُمْ مِنْهُمْ وَبَعُدُوْا مِنْ مَجَالِسِهِمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنَ الْمَرْحُوْمِيْنَ[1]"

اس الہام کے دو فقرے ذہن نشین رکھنے کے قابل ہیں، جن سے آئندہ کے الہامات اور واقعات پیش آمدہ کے سمجھنے میں مدد ملے گی - ان میں سے پہلا فقرہ " وَلٰكِنْ لَّا اُهْلِكُهُمْ دَفْعَةً وَّاحِدَةً بَلْ قَلِيْلًا قَلِيْلًا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ وَيَكُوْنُوْنَ مِنَ التَّوَّابِيْنَ" دوسرا فقرہ یہ ہے " اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَطَعُوْا تَعَلُّقَهُمْ مِنْهُمْ وَبَعُدُوْا مِنْ مَجَالِسِهِمْ " پہلے فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ غرض اس تنبیہ کی اصلاح حال ہے۔ یہی وہ الفاظ ہیں، جو آل فرعون کے انذاری عذابات کے نزول کے ذکر میں قرآن پاک نے استعمال فرمائے ہیں، جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں - پس مسیح موعودؑ کے ان الہامی الفاظ کا صاف منشاء یہ ہے، کہ اگر یہ لوگ اپنی حرکات سے باز نہ آئے، تو یکے بعد دیگرے رفتہ رفتہ ہلاک کئے جائیں گے - تاکہ ایک واقعہ کے بعد دوسروں کو توبہ اور رجوع کا موقعہ مل سکے - کہ وہ توبہ اور رجوع کے ذریعہ سے اس ہلاکت سے بچ کر اصلاح حال کر سکیں - دوسرے فقرے کا مطلب یہ ہے، کہ جو لوگ ایمان لے آئیں گے، اور نیک اعمال کریں گے، اور ان مغضوب علیہم سے

---

[1] میں نے اُن کی نافرمانی اور سرکشی کو دیکھا ہے میں ان پر طرح طرح کی آفات ڈال کر انہیں آسمان کے نیچے سے نابود کر دونگا اور تم جلد دیکھو گے کہ میں اُن کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں - اور ہم ہر ایک بات پر قادر ہیں - میں ان کی عورتوں کو بیوہ اور اُن کے بچوں کو یتیم اور اُن کے گھروں کو ویران کر دوں گا - اور اس طرح سے وہ اپنی باتوں کا اور اپنی کارروائیوں کا مزہ چکھیں گے - لیکن میں انہیں یکدم ہلاک نہیں کروں گا بلکہ تدریجاً - تاکہ انہیں رجوع اور توبہ کا موقعہ ملے - میری لعنت ان پر، ان کے گھروں پر، ان کے چھوٹوں اور اُن کے بڑوں پر، ان کی عورتوں اور مردوں پر، اور اُن کے اُس مہمان پر جو اُن کے گھر میں داخل ہوگا، پڑے گی اور ان تمام پر لعنت برسے گی - سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے - اور ان سے اپنے تعلقات کو منقطع کر لیا - اور ان کی مجالس سے دوری اختیار کر لی - پس وہی لوگ ہیں جن پر رحم کیا جائے گا - (تذکرہ صفحہ ۱۵۶ و ۱۵۷)

قطع تعلق کرلیں گے، وہ بھی محفوظ رہیں گے۔ گویا اس طرح قطع تعلق اور علیحدگی کی ہدایت ہے (اس الہام کو ہم آئندہ الہام اوّل کہیں گے۔ اپنے استدلال میں جہاں کہیں الہام اول کا لفظ ہم نے آئندہ استعمال کیا ہے، اس سے یہی الہام مراد ہے۔ مؤلف) اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"میں نے اللہ تعالےٰ کے اس الہام سے ان لوگوں کو مطلع کر دیا، مگر ان کو اس سے کچھ خوف نہ ہوا۔ اور نہ اس کی انہوں نے تصدیق کی۔ بلکہ انکار و سرکشی میں اور بڑھ گئے۔ اور دشمنان دین کی طرح تحقیر و استہزاء کا طریقہ اختیار کر لیا۔ تب اللہ تعالےٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ "اِنَّا سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتٍ مُّبْكِيَةً وَّنُنَزِّلُ عَلَيْهِمْ هُمُوْمًا عَجِيْبَةً - وَاَمْرَاضًا غَرِيْبَةً - وَنَجْعَلُ لَهُمْ مَعِيْشَةً ضَنْكًا - وَنَصُبُّ عَلَيْهِمْ مَصَائِبَ فَلَا يَكُوْنُ لَهُمْ اَحَدٌ مِّنَ النَّاصِرِيْنَ"[1]

پس اسی طرح اللہ تعالےٰ نے اُن کے ساتھ سلوک کیا۔ غموں اور قرضوں اور حاجات کے بوجھ سے اُن کی پیٹھیں توڑ دیں۔ اور اُن پر قسم قسم کے مصائب اور آفات نازل ہوئے اور موت فوت کے دروازے اُن پر کھول دئے۔ تاکہ وہ اپنی حرکات سے باز آئیں اور خدا کی طرف رجوع ہوں۔ لیکن اُن کے قلوب سخت ہو گئے۔ پس وہ نہ سمجھے، نہ بیدار ہوئے اور نہ ہی اُنہیں خوف لاحق ہوا۔"

انہیں ایام میں احمد بیگ والد محمدی بیگم نے ارادہ کیا کہ اپنی ہمشیرہ کی زمین کو جس کا خاوند کئی سال سے مفقود الخبر تھا، اپنے بیٹے کے نام ہبہ کرائے۔ لیکن بغیر ہماری مرضی وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ ہمارے چچازاد بھائی کی بیوہ تھی۔ اس لئے احمد بیگ نے ہماری جانب بعجز و انکسار رجوع کیا۔ قریب تھا کہ ہم اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیتے لیکن حسب عادت استخارہ کیا، تو حسب ذیل الہام ہوا:۔

---

[1] ہم انہیں رُلانے والے نشان دکھلائیں گے۔ اور ان پر طرح طرح کے ہموم و امراض نازل کریں گے۔ اور ان کی معیشت تنگ کر دیں گے۔ اور ان پر مصائب (کا انبار) ڈالیں گے۔ پس کوئی انہیں بچانے والا نہیں ہوگا (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۹۔ مترجمہ ص۱۵۶)

یہ امر قابل توجہ ہے کہ الہام ماقبل میں ان لوگوں سے علیحدہ رہنے اور قطع تعلق کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں، کہ میں احمد بیگ کے ساتھ اس سلوک پر کچھ مائل بھی ہوا تھا، کہ اپنی عادت کے مطابق معاملہ کی اہمیت کے مدنظر استخارہ مسنونہ کیا تو الہام ہوا۔ جس کو آپ نے اس طرح ذکر فرمایا ہے:۔

"فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيَّ اَنِ اخْطُبْ صَبِيَّتَهُ الْكَبِيْرَةَ لِنَفْسِكَ وَقُلْ لَهٗ لِيُصَاهِرَكَ اَوَّلًا ثُمَّ لِيَقْتَبِسْ مِنْ قَبَسِكَ۔ وَقُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ لِاَهَبَكَ مَا طَلَبْتَ مِنَ الْاَرْضِ وَاَرْضًا اُخْرٰى مَعَهَا وَاُحْسِنَ اِلَيْكَ بِاِحْسَانَاتٍ اُخْرٰى عَلٰى اَنْ تُنْكِحَنِيْ اِحْدٰى بَنَاتِكَ الَّتِيْ هِيَ كَبِيْرَتُهَا۔ وَذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ۔ فَاِنْ قَبِلْتَ فَسَتَجِدُنِيْ مِنَ الْمُتَقَبِّلِيْنَ۔ وَاِنْ لَّمْ تَقْبَلْ فَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَخْبَرَنِيْ اَنَّ اِنْكَاحَهَا رَجُلًا اٰخَرَ لَا يُبَارِكُ لَهَا وَلَا لَكَ فَاِنْ لَّمْ تَزْدَجِرْ فَيُصَبُّ عَلَيْكَ مَصَائِبُ وَاٰخِرُ الْمَصَائِبِ مَوْتُكَ فَتَمُوْتُ بَعْدَ النِّكَاحِ اِلٰى ثَلَاثِ سِنِيْنَ۔ بَلْ مَوْتُكَ قَرِيْبٌ وَيَرِدُ عَلَيْكَ وَاَنْتَ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔ وَكَذٰلِكَ يَمُوْتُ بَعْلُهَا الَّذِيْ يَصِيْرُ زَوْجَهَا اِلٰى حَوْلَيْنِ وَسِتَّةِ اَشْهُرٍ۔ قَضَاءً مِّنَ اللّٰهِ فَاصْنَعْ مَا اَنْتَ صَانِعُهٗ وَاِنِّيْ لَكَ لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ۔ فَعَبَسَ وَتَوَلّٰى وَكَانَ مِنَ الْمُعْرِضِيْنَ"[1] (آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۳)

اس الہام کے ذریعہ سے احمد بیگ کے ساتھ سلوک کی اجازت حضرت مسیح موعودؑ کو اس شرط پر دی گئی، کہ وہ اپنی بڑی لڑکی کو آپ کے حبالہ عقد میں دیدے۔ یہی ابتدائی الہام محمدی بیگم کی

---

[1] ترجمہ:۔ پس اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اس شخص کی بڑی لڑکی کے رشتہ کے لئے تحریک کر اور اسے کہہ کہ پہلے وہ تم سے دامادی کا تعلق قائم کرلے۔ اور اس کے بعد تمہارے نور سے روشنی حاصل کرے۔ نیز اس سے کہہ مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ زمین جو تُو نے مانگی ہے وہ میں تجھے دے دونگا اور اس کے علاوہ کچھ اور زمین بھی۔ نیز تم پر کئی اور رنگ میں میں احسانات کروں گا۔ بشرطیکہ تم اپنی بڑی لڑکی کا رشتہ مجھ سے کردو۔ اور یہ تمہارے اور میرے درمیان ایک عہد و پیمان ہے،

خواستگاری کے بارہ میں ہے ۔ ان پورے واقعات سے ظاہر ہوگیا کہ محمدی بیگم کی خواستگاری کا الہام حضرت مسیح موعودؑ کی اپنی کسی ذاتی غرض اور خواہش اور آرزو کے مطابق نہ تھا، بلکہ مرزا احمد بیگ اور اُن کے حامیوں کی بے دینی اور طغیان کی وجہ سے جو عذابات اُن پر آنے والے تھے ، اُن سے بچنے کے لئے علاج کے طور پر بارگاہ الٰہی سے یہ رعایت احمد بیگ کے حق میں کی گئی تھی ، تا کہ اگر وہ اس رعایت سے فائدہ اُٹھائے ، تو آفات سے محفوظ رہے ۔ ورنہ جو امور اس کے متعلق لاحق حال ہو چکے ہیں جن کا ذکر پہلے الہامات میں ہے ، اُن کا آماجگاہ بن جائے پس محمدی بیگم کی خواستگاری یا نکاح کے معاملہ کی ابتداء اس الہام سے ہوتی ہے (اس الہام کو ہم آئندہ الہام ثانی کہیں گے) اور اس الہام کے بموجب بصورت قبولیت خواستگاری اس کے ساتھ مراعات کی اجازت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہے ، نہ صرف اس رعایت کیلئے جو احمد بیگ طلب کرتا ، بلکہ اس کے علاوہ بھی رعایت کا اس کو امیدوار کیا گیا ۔ اور بصورت عدم قبولیت خواستگاری ارشاد ہُوا کہ :-

"وَإِنْ لَّمْ تَقْبَلْ فَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَخْبَرَنِيْ أَنَّ إِنْكَاحَهَا رَجُلًا آخَرَ لَا يُبَارَكُ لَهَا وَلَا لَكَ فَإِنْ لَّمْ تَزْدَجِرْ فَيُصَبُّ عَلَيْكَ مَصَائِبُ وَآخِرُ الْمَصَائِبِ مَوْتُكَ فَتَمُوْتُ بَعْدَ النِّكَاحِ إِلٰى ثَلَاثِ سِنِيْنَ ۔ بَلْ مَوْتُكَ قَرِيْبٌ وَيَرِدُ عَلَيْكَ وَأَنْتَ مِنَ الْغَافِلِيْنَ ۔ وَكَذٰلِكَ يَمُوْتُ بَعْلُهَا الَّذِيْ يَصِيْرُ زَوْجَهَا إِلٰى حَوْلَيْنِ وَسِتَّةِ أَشْهُرٍ ۔ قَضَاءٌ مِّنَ اللّٰهِ فَاصْنَعْ مَا أَنْتَ صَانِعُهٗ وَإِنِّيْ لَكَ لَمِنَ النَّاصِحِيْنَ" (آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۳ ۔ تذکرہ ص۱۵۹)

---

بقیہ حاشیہ :- جسے اگر تم قبول کرو گے تو مجھے بہترین طور پر اسے قبول کرنیوالا پاؤ گے ۔ اور اگر تم نے قبول نہ کیا تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اس لڑکی کا کسی اور شخص سے نکاح ، نہ اس لڑکی کے حق میں مبارک ہوگا نہ تمہارے حق میں ۔ اور اگر تم اس ارادے سے باز نہ آئے تو تم پر مصائب نازل ہونگے اور آخر میں تمہاری موت ہوگی ۔ پس تم نکاح کے بعد تین سال کے اندر مر جاؤ گے بلکہ تمہاری موت قریب ہے ۔ جو تم پر غفلت کی حالت میں وارد ہوگی ۔ اور ایسا ہی اس لڑکی کا شوہر بھی اڑھائی سال کے اندر مر جائیگا ۔ یہ قضاء الٰہی ہے ۔ پس جو تم چاہو اختیار کرو ۔ میں نے تمکو نصیحت کردی ہے ۔ پس اُس نے عبث جانا اور مُنہ پھیرا ، اور وہ مُنہ پھیرنے والوں سے تھا ۔

یعنی اگر منگنی کو قبول نہ کیا، تو یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے خبر دی ہے اکہ دوسرے شخص سے اس لڑکی کا نکاح نہ لڑکی کے لیے مبارک ہو گا نہ تیرے لئے۔ اگر اس پر بھی تم باز نہ آئے، تو تم پر مصائب نازل ہوں گے اور ان مصائب کے آخر تیری موت ہوگی۔ اور تم نکاح کے بعد تین سال کے اندر مر جاؤ گے بلکہ تمہاری موت قریب ہے۔ اور وہ تم پر اس حالت میں وارد ہوگی کہ تم اس سے بالکل غافل رہو گے۔ اور اسی طرح اس لڑکی کا ہونے والا شوہر بھی اڑھائی سال میں مر جائے گا۔ یہ خدائی حکم ہے، تم جو چاہو کرو، میں تو صرف تم کو نصیحت کرنے والا ہوں۔

یہ اصل الہام ہے جو محمدی بیگم کے معاملہ نکاح سے متعلق اور نکاح والی پیشگوئی کی بنیاد ہے۔ اب اس کو جانچئے کہ اس الہام کے مطابق واقعات کیا پیش آئے۔ ہم ذیل میں الہام کے الفاظ کو علیحدہ علیحدہ لے کر اس کے متعلقہ واقعات بیان کر دیتے ہیں:۔

(۱) الہام تھا کہ احمد بیگ کی لڑکی کا پیغام دو۔

(۱) واقعہ ۔ پیغام دیا گیا۔

(۲) اس کو کہو کہ اگر پیغام کو قبول کرو گے تو تمہارے ساتھ رعایت اور سلوک کیا جائیگا۔

(۲) واقعہ ۔ نہیں قبول کیا۔

(۳) اگر پیغام کو قبول نہ کرو گے اور دوسرے سے نکاح کرو گے تو یہ نکاح نہ تمہارے لئے بابرکت ہوگا نہ لڑکی کے لئے۔

(۳) واقعہ ۔ احمد بیگ نے پیغام نکاح قبول نہ کیا اور سلطان محمد سے نکاح کر دیا۔ نکاح کے چار مہینہ کے بعد احمد بیگ مر گیا۔ اس لئے اس کے حق میں یہ نکاح مبارک نہ ہوا۔ اور پیشگوئی کا یہ اہم ابتدائی حصہ پورا ہوگیا (الہام کے الفاظ اخرا لمصائب موتک ذہن نشین رکھئے۔

خود سلطان محمد محمدی بیگم کا شوہر دسمبر ۱۹۱۴ء میں جنگ فرانس کو چلا گیا۔ مئی ۱۹۱۵ء تک وہاں رہا۔ اس عرصہ میں زخمی ہوگیا جو ابھی تک بیساکھیوں پر چلتا ہے اور فالج سے بھی متاثر ہے۔ پس یہ

| | |
|---|---|
| | نکاح نہ احمد بیگ کے لئے مبارک ہوا نہ محمدی بیگم کے لئے۔ |
| (۴) تم تین سال کے اندر بلکہ قریب زمانہ میں فوت ہو جاؤ گے کہ موت کا کوئی گمان بھی نہ ہوگا۔ اور تمہاری موت ہی آخری مصیبت ہوگی۔ | (۴) واقعہ دنیا نے دیکھ لیا کہ تین سال کے اندر بلکہ بہت جلدی یعنی چھ ماہ کے اندر ایسی حالت میں کہ کوئی شدید علالت نہ تھی احمد بیگ پیشگوئی کی میعاد ہی میں فوت ہوگیا اور وہی اُس کی آخری مصیبت تھی۔ پھر اس خاندان میں کوئی اور شخص بلحاظ احمد بیگ کی آخری مصیبت کے نہ مر سکتا تھا نہ مرا۔ |
| (۵) اسی طرح لڑکی کا ہونے والا شوہر بھی ۲½ سال کے عرصہ کے اندر فوت ہو جائیگا یہ حکم خدا ہے۔ | (۵) واقعہ۔ شوہر فوت نہیں ہوا۔ اب بھی زندہ ہے۔ لیکن جس طرح زندہ ہے، اُس کا اشارہ اوپر کیا جا چکا ہے اور مزید صراحت بعد میں کی جائیگی ؎ اور اس کے ساتھ ہی الہام اوّل کا یہ فقرہ پڑھ لیجئے کہ لَا اُهْلِكُهُمْ دَفْعَةً وَّاحِدَةً بَلْ قَلِيْلًا قَلِيْلًا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ وَيَكُوْنُوْنَ مِنَ التَّوَّابِيْنَ۔ (مؤلف) |

اس الہام کے ساتھ اس کے بہت پہلے کا ایک الہام جو جنوری ۱۸۸۶ء میں ہوا، حسب ذیل ہے :-

"رَئَيْتُ هٰذِهِ الْمَرْاَۃَ وَاَثَرُ الْبُكَاءِ عَلٰى وَجْهِهَا فَقُلْتُ اَيَّتُهَا الْمَرْاَۃُ تُوْبِىْ تُوْبِىْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ وَالْمُصِيْبَةَ نَازِلَةٌ عَلَيْكِ يَمُوْتُ وَيَبْقٰى مِنْهُ كِلَابٌ مُتَعَدِّدَةٌ" (تذکرہ صفحہ ۱۳۷)

---

؎ میں انکو یکدم ہلاک نہیں کرونگا بلکہ آہستہ آہستہ کرونگا۔ تاکہ وہ رجوع لائیں اور توبہ کرنے والوں میں سے ہوں۔

جس کا پورا ترجمہ یہ ہے کہ:-

میں نے اس عورت (احمد بیگ کی ساس اور محمدی بیگم کی نانی) کو دیکھا اور اس کے منہ پر گریہ و بکا کے آثار کو دیکھ کر اُسے کہا، کہ اے عورت توبہ کر توبہ کر کیونکہ موعودہ بلا تیری نسل کے سر پر کھڑی ہے۔ اور یہ مصیبت تجھ پر نازل ہونے والی ہے۔ وہ ایک شخص (احمد بیگ) ہوگا اور کئی اُس کے ہم رنگ جو سگ سیرت ہونگے پیچھے رہیں گے۔

الہام اور واقعات کی اس تجزی سے یہ واضح ہو گیا، کہ الہام الٰہی کے مطابق محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کر دینے کے چند ماہ کے اندر ہی احمد بیگ اس کا والد تو فوت ہو گیا، البتہ اُس کا شوہر سلطان محمد زندہ رہا۔ مگر کیا سلطان محمد کا بعد وفات احمد بیگ کے اس طرح زندہ رہنا الہام الٰہی کے منشاء کے خلاف ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ الہام مذکور کے الفاظ کی تجزی اور تتبع سے تو یہ معلوم ہوتا ہے، کہ مرزا احمد بیگ کی موت آخری مصیبت ہوگی۔ اور اس کے چند ہم رنگ سگ سیرت لوگ اس کے بعد باقی رہ جائیں گے۔ اور الہام اوّل کے مطابق احمد بیگ کے خاندان کے اکثر ممبروں کو رجوع اور توبہ کا موقعہ ملے گا۔ پس الہام اوّل کے منشاء کو پیش نظر رکھ کر اس الہام ثانی کے الفاظ "وَكَذٰلِكَ يَمُوْتُ بَعْلُهَا الَّذِيْ يَصِيْرُ زَوْجَهَا اِلٰى حَوْلَيْنِ وَ سِتَّةِ اَشْهُرٍ" پر غور کرنا چاہیئے۔ اوّل تو الہام اوّل کے الفاظ صاف ہیں۔ نیز جیسا کہ ہم اس باب کے ابتداء میں صراحت کر چکے ہیں، وعید کی پیشگوئی یا عذاب الٰہی، استغفار اور رجوع الی اللہ سے ملتوی یا منسوخ ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کے وقت میں ہوا تھا۔ اور غرض اس انذار الٰہی کی یہ نہیں تھی، کہ خواہ مخواہ محمدی بیگم یا اُس کے شوہر کا کوئی تعاقب کیا جائے، اور شوہر محمدی بیگم کی موت پر کوئی حتم و جزم یا اصرار کیا جائے۔ بلکہ صرف یہ غرض تھی کہ وہ لوگ جو اللہ اور اللہ کے رسول اور اس کی کتاب و تعلیم سے پھر چکے ہیں، پھر اس کی طرف رجوع ہو جائیں۔ ورنہ اس عذاب الٰہی کے مستوجب ہوں گے، جس سے ڈرایا گیا ہے۔ پس اگر محمدی بیگم اور اس کے شوہر نے اس عام شرط معافی و اعلان رحمت الٰہی سے فائدہ اُٹھا کر خدا کی جانب رجوع کر لیا ہو، تو کیا وہ اس نجات و غفران کے مستحق نہ ہوں گے، جو قوم یونسؑ کو عطا فرمائی گئی۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ احمد بیگ یا اس کے ممبران خاندان سے حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے ردّ و قبول کی نسبت کوئی تنازعہ نہ تھا۔ اصل امر مابہ النزاع اُن لوگوں کا اسلام اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیزاری کا اظہار تھا۔ اس لئے احمد بیگ یا اُس کے ممبران خاندان کا رجوع و توبہ صرف اسی حیثیت سے مطلوب تھا۔ کہ وہ خدا کی جانب رجوع ہو جائیں، اور دین کے ساتھ استہزاء کرنے سے باز آجائیں۔

اور اس امر کے متعلق کہ مرزا سلطان محمد شوہر محمدی بیگم اور خود محمدی بیگم اس پیشگوئی سے کس درجہ متاثر ہوئے، اور کس طرح انہوں نے رجوع الی اللہ کیا، ہمارے سلسلہ کے اشتہارات و اخبارات و رسائل میں مضامین لکھے گئے ہیں۔ ان سب کو اس جگہ جمع کر دینا ناممکن ہے، اس لئے صرف مرزا سلطان محمد صاحب کے دو بیانات کا حوالہ دے دینا کافی ہوگا۔ پہلا بیان اُن کے ایک خط سے نقل کیا جاتا ہے، جس کا عکس ہمارے سلسلہ کے اخبارات و کتابوں میں متعدد مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ اس میں جناب مرزا سلطان محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"میں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک، بزرگ، اسلام کا خدمتگزار
شریف النفس، خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔"

رسالہ [illegible]
20/3/13

بسمہ [illegible]

جناب [illegible] یاد دہی کا مشکور ہوں
السلام علیکم۔ نوازش نامہ آپکا پہونچا [illegible]
مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک۔ بزرگ۔ اسلام کا خدمتگزار
شریف النفس خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں
مجھے اونکے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے مگر افسوس
کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے اونکی زندگی میں
اون سے مشرف حاصل نہ کر سکا

نیازمند سلطان محمد از [illegible]

کیا یہ الفاظ اس شخص کی عظمت کو ظاہر نہیں کرتے ہیں، جس نے مرزا سلطان محمدؐ اور اُن کی بیوی کی نسبت یہ پیشگوئی شائع کی، اور اس کے پورا ہونے پر اصرار کیا۔ اور کیا ان الفاظ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا، کہ مرزا سلطان محمدؐ صاحب کا دل حضرت مرزا صاحب کی جانب رجوع ہو چکا تھا۔ یہ الفاظ حضرت مرزا صاحب کی وفات کے پانچ سال بعد شائع ہوئے۔ حضرت مرزا صاحب اپنی زندگی میں مرزا سلطان محمد صاحب کی وفات حسب پیشگوئی ۲½ سال کے اندر نہ ہونے کی نسبت مخالفین کو یہ چیلنج کر چکے ہیں کہ :-

"فیصلہ تو آسان ہے۔ احمد بیگ کے داماد سلطان محمدؐ کو کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے پھر اُس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں۔ . . . . . . . . . . . . . . اور ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اُس سے تھمی رہے جب تک کہ وہ گھڑی آجائے جو اُس کو بیباک کر دے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے تو اُٹھو اور اُس کو بیباک اور مکذب بناؤ اور اس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔" (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۳۲)

اب انصاف ناظرین کے ہاتھ میں ہے۔ ایک شخص مامور من اللہ مسیح موعود اور مہدی ہونے کا اور خدا کی طرف سے الہام پاکر پیشگوئیوں کا دعویٰ کرتا ہے۔ ایک خاص شخص اور اُس کی بیوی کے متعلق پیشگوئی کرتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ وہ شیر مرد لکھتا ہے کہ جس کے متعلق پیشگوئی کی گئی تھی، اس سے پوچھ لو کہ آیا اُس نے رجوع الی اللہ کر لیا یا نہیں۔ اگر نہیں کیا تو اس سے اشتہار دلاؤ کہ میرے مقابلہ میں پیشگوئی غلط نکلی، تو پھر خدا کی قدرت کا تماشا نظر آجائے گا۔ ان حالات میں اس تحدی کے بعد علماء کے پورا زور لگا لینے پر بھی مرزا سلطان محمد حضرت مسیح موعودؑ یا آپ کے الہامات کے خلاف ایک لفظ نہیں لکھتا۔ اگر لکھتا ہے تو یہ لکھتا ہے، کہ حضرت مرزا صاحب مرحوم کو نیک، بزرگ، اسلام کا خدمتگذار، شریف النفس، خدا یاد سمجھتا ہوں اور سمجھتا تھا۔

اب یہ تصفیہ ناظرین کی رائے پر منحصر ہے۔ کہ آیا یہ الفاظ مخالفانہ ہیں یا مطیعانہ؟ اگر یہ الفاظ مطیعانہ ہیں تو کیا اس سے رجوع الی اللہ کی کیفیت کا ثبوت نہیں ملتا؟

مرزا سلطان محمدؐ صاحب کی یہ تحریر مورخہ ۲۱- مارچ ۱۹۱۳ء کی ہے۔

دوسرا بیان اخبار الفضل مورخہ ۹و۱۳ جون ۱۹۲۱ء یعنی ۹-جون اور ۱۳-جون کے مشترکہ پرچہ میں بصفحہ ۱۱ شائع ہوا ہے۔ یہ بیان ہمارے ایک مبلغ نے شائع کرایا ہے جس نے جناب مرزا سلطان محمد صاحب سے مل کر یہ گفتگو کی تھی۔ اس بیان کے چند اقتباسات ناظرین کی توجہ کے قابل ہیں۔ نامہ نگار مذکور لکھتا ہے۔ کہ عند الملاقات میں نے (مرزا سلطان محمد صاحب سے) سوال کیا کہ:۔

"اگر آپ بُرا نہ منائیں تو میں حضرت مرزا صاحب کی نکاح والی پیشگوئی کے متعلق کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ آپ بخوشی بڑی آزادی سے دریافت کریں"

اس کے بعد نامہ نگار مذکور نے سوالات کئے۔ اور جناب مرزا سلطان محمد صاحب نے جوابات دیئے جنکا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"میرے خُسر مرزا احمد بیگ صاحب واقعہ میں عین پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ غفور الرحیم بھی ہے اپنے دوسرے بندوں کی بھی سنتا اور رحم کرتا ہے۔ (یعنی ہماری دعاؤں کو بھی سنکر عذاب ٹال دیتا ہے)

نامہ نگار موصوف لکھتے ہیں کہ۔ پھر میں نے سوال کیا:۔

"آپ کو حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی پر کوئی اعتراض ہے یا یہ پیشگوئی آپ کے لئے کسی شک و شبہ کا باعث ہوئی؟

جس کے جواب میں مرزا سلطان محمد صاحب نے کہا کہ:۔

"یہ پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے بھی شک و شبہ کا باعث نہیں ہوئی"

پھر میں نے سوال کیا کہ:۔

"اگر پیشگوئی کی وجہ سے آپ کو حضرت مرزا صاحب پر کوئی اعتراض یا شک و شبہ نہیں ہے تو کیا کوئی اور اُن کے دعویٰ کے متعلق آپ کو اعتراض ہے، جس کی وجہ سے آپ ابھی تک بیعت کرنے سے رُکے ہوئے ہیں؟

اس پر اُنہوں نے خدا تعالےٰ کو حاضر و ناظر کر کے یہی جواب دیا کہ :-

"مجھے کسی قسم کا بھی اُن پر اعتراض نہیں ہے"

اس کے بعد میں نے اُنسے پوچھا کہ جب آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے، تو پھر آپ بیعت کیوں نہیں کرتے ؟ جس کے جواب میں اُنہوں نے کہا کہ :-

"اس کے وجوہات کچھ اور ہی ہیں جن کا اس وقت بیان کرنا میں مصلحت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ بہت چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ قادیان جاؤں۔ کیونکہ مجھے حضرت میاں صاحب (موجودہ امام جماعت احمدیہ) کی ملاقات کا بہت شوق ہے۔ اور میرا ارادہ ہے کہ اُنکی خدمت میں حاضر ہو کر تمام کیفیت بیان کروں۔ پھر چاہے وہ شائع بھی کر دیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ مگر گولی لگنے کی وجہ سے مجھے لاٹھیوں (بیساکھیوں) پر چلنے کی دقت ہے یہ وہاں جانے میں روک ہو جاتی ہے۔ خیال آتا ہے کہ اس ہیئت کیساتھ میں کہاں جاؤں۔ باقی رہی بیعت کی بات۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان اور اعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر ہے میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں، اتنا نہیں ہو گا۔"

مرزا سلطان محمد صاحب کے اس بیان سے اُنکے رجوع الی اللہ ہونے کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ یہ امر کہ انہوں نے بیعت نہیں کی امر دیگر ہے جس کا پیشگوئی سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں آگے چل کر مرزا صاحب موصوف بیان کرتے ہیں کہ :-

"میرے دل کی حالت کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے وقت آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا، تا میں کسی طرح مرزا صاحب پر نالش کروں۔ اگر وہ روپیہ میں لے لیتا، تو امیر کبیر بن سکتا تھا مگر وہی ایمان اور اعتقاد تھا۔ جس نے مجھے اس فعل سے روکا۔"

یہ حصہ بیان مرزا سلطان محمد صاحب کا بہت وزنی اور تصفیہ کن ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس چیلنج کے بعد ہوا کہ :-

"اگر جلدی کرنا ہے تو اُٹھو اور اس کو (سلطان محمد کو) بیباک اور مکذب بناؤ۔ اور اس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو" (انجام آتھم ص۳۲)

اسی سلسلہ میں نامہ نگار مذکور محمدی بیگم سے بہ اجازت مرزا سلطان محمد صاحب ملا۔ تو محمدی بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ:۔

"جس وقت فرانس سے ان کو (سلطان محمد صاحب کو) گولی لگنے کی اطلاع مجھے ملی۔ تو میں سخت پریشان ہوئی۔ اور میرا دل گھبرا گیا۔ اس تشویش میں مجھے رات کے وقت مرزا صاحب (مسیح موعود) رؤیا میں نظر آئے۔ ہاتھ میں دودھ کا پیالہ ہے اور مجھے کہتے ہیں۔ کہ اے محمدی بیگم یہ دودھ پی لے اور تیرے سر کی چادر سلامت ہے تو فکر نہ کر۔ اس سے مجھے ان کی خیریت کے متعلق اطمینان ہوگیا"

یہ مرزا سلطان محمد صاحب کی کہانی ہے جو خود ان کی زبانی ناظرین کے غور و فکر کے لئے پیش ہے۔

دنیا کے سارے مخالفین احمدیت یعنی نہ صرف آریہ اور عیسائی جو اسلام کے خلاف ہیں، اس راہ سے ایک سخت حملہ کا موقع پا سکتے تھے، بلکہ خود مسلمان بھی جو احمدیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں، ان دونوں میاں بیوی کو ہاتھ میں لیکر احمدیت کے خلاف کتنا بڑا اور سخت حملہ کر سکتے تھے لیکن باوجود اس کے یہ دونوں اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف ایک انگلی بھی نہیں اٹھا سکتے۔ کیا یہ خدائی تصرف نہیں ہے؟ کیا یہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی دلیل نہیں ہے؟ کیا اس سے ان تمام الہامات کی صداقت واضح نہیں ہو جاتی، جو محمدی بیگم کے نکاح کے بارے میں شائع ہو چکے ہیں؟

ناظرین نے اصل الہام اول و ثانی کے الفاظ ملاحظہ فرمالئے۔ محمدی بیگم کی خواستگاری کا حکم الٰہی ملاحظہ فرمایا، اور خواستگاری کی منظوری یا نامنظوری کی جزا سزا کی صراحت بھی ملاحظہ فرمائی، اور سزاؤں کی تعمیل و التواء کا منظر بھی پیش نظر رکھا۔ کہ احمد بیگ اپنی میعاد کے اندر مطابق الہام الٰہی فوت ہو گیا۔ اور احمد بیگ کا داماد محمدی بیگم کا شوہر معہ محمدی بیگم جس حالت عجز و انکسار و معذوری میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عقیدت کے ساتھ زندہ ہے، کیا وہ مطابق احکام سزا مندرجہ الہام ثانی کے الفاظ "قَضَاءٌ مِّنَ اللّٰہِ"[۱] کے مطابق نہیں ہے؟

---
[۱] قضاء الٰہی

ہے اور یقینیؔ تاہے۔ قضاء الٰہی کے سمجھ میں آجانے کے بعد آپ کو اس الہام کی صحت اور اس کے مطابق واقعات کے پیش آنے کی نسبت کوئی شک نہیں رہے گا۔ قضاء الٰہی قرآن کی سورۃ انفال میں اس طرح بیان کی گئی ہے " مَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ "[1]۔ پس ان حالات میں کوئی شخص دل میں انصاف اور دماغ میں عقل رکھنے کے بعد اتنا بے خوف اور بے حیا نہیں ہو سکتا ہے کہ الہام مذکور کے پورا ہونے اور واقعات پیش آمدہ کو مطابق الہام تسلیم کرنے سے انکار کرنے کی جرأت کر سکے۔ فَھُوَالْمُرَادُ۔

اس طرح اصل الہام درباره پیشگوئی نکاح محمدی بیگم کی وضاحت کے بعد جملہ واقعات پیش آمدہ کا سلسلہ الہامات سے چسپاں ہو جاتا ہے۔ اور واقعات پیش آمدہ اور الہامات میں کوئی تباین و تضاد باقی نہیں رہتا لیکن دو الہامات مابعد کی غلط توجیہات نے اصل الہام اور اس کی ضرورت کو اس طرح پس پشت ڈال دیا ہے کہ ہمارے مخالفین محمدی بیگم کی پیشگوئی پر اعتراض کرتے وقت اس کا مطلقاً کوئی لحاظ نہیں رکھتے۔ وہ دو الہامات مابعد یہ ہیں:-

۱۔ " کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِءُوْنَ۔ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَیَرُدُّھَا اِلَیْکَ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ۔ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ اَنْتَ مَعِیْ وَاَنَا مَعَکَ۔ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ یعنی انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا اور وہ پہلے سے ہنسی کر رہے تھے۔ سو خدا تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لئے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا۔ اور انجام کار اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ تیرا رب وہ قادر ہے کہ جو کچھ چاہے وہی ہو جاتا ہے۔ تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور عنقریب وہ مقام تجھے ملے گا۔ جس میں تیری تعریف ہوگی (تذکرہ صفحہ ۱۶۱)

۲۔ " وَیَسْتَنْبِئُوْنَکَ اَحَقٌّ ھُوَ۔ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّہٗ لَحَقٌّ وَمَآ اَنْتُمْ

---

[1] اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بات بعید ہو کہ وہ اُن کو عذاب دے ایسے حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔ (سورۃ انفال ع ۴)

بِمُعْجِزِیْنَ۔ زَوَّجْنَاکَهَا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ۔ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ (ترجمہ) اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے۔ کہہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے۔ کہ یہ سچ ہے۔ اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود اس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا۔ اور نشان دیکھکر منہ پھیر لیں گے اور قبول نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ یہ کوئی پکا فریب یا پکا جادو ہے (تذکرہ ص۱۹۹)

ان الہامات مابعد کے الفاظ (۱) ''یَرُدُّھَا اِلَیْکَ۔ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ (۲) وَزَوَّجْنٰکَهَا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ'' زیادہ تر معترضین کیلئے باعث ضد و شقاق بن گئے ہیں۔ لیکن اس امر پر مطلقاً کوئی غور نہیں کیا جاتا۔ کہ یہ الہامات مابعد اصل الہامات مذکورہ بالا کے سلسلہ میں ہیں۔ اور پورے سلسلہ الہامات کو پیش نظر رکھ کر ہی کوئی صحیح نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ایک الہام کو دوسرے سے علیحدہ کر کے مستقل طور پر ایک ہی الہام سے کوئی نتیجہ اخذ کیا جانا موصل الی الحق[۵۱] نہ ہوگا۔

یہ جملہ چھ الہامات ہیں۔ جو محمدی بیگم کی نکاح کی پیشگوئی کی ابتدا و انتہا دونوں پر حاوی ہیں۔ خواستگاری نکاح والے الہام ثانی سے پہلے جو الہامات ہوئے اُن سے ظاہر ہوتا ہے، کہ احمد بیگ اور اس کے ہمرنگ اشخاص اللہ تعالیٰ کی نظر میں مغضوب تھے۔ اُن کی اصلاح حال کے لئے ان کو تنبیہات ہوئیں مگر اثر نہ ہوا۔ بلکہ وہ اُلٹے ایک دنیاوی معاملہ میں حضرت مسیح موعود سے طالب امداد ہوئے۔ اس لئے مشیت الٰہی نے یہ پسند فرمایا کہ ایسے بددماغ اور مغرور اشخاص کا جو خدا اور خدا کے رسول کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، غرور اس طرح توڑ دیا جائے، کہ اُن کی لڑکی کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر لڑکی دے دیں تو ناک نیچی ہو کر ظاہری کفر بھی ٹوٹے گا، اور اصلاح حال کی امید بھی ہو جائے گی۔ ورنہ ان پر مصائب توڑ کر اُن کو دوسروں کے لئے باعث عبرت و موجب اصلاح بنا دیں گے۔ اور یہی اصل جواب حضرت مسیح موعودؑ کی دعا کا ہو سکتا تھا۔ جو آپ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت سے بیتاب ہو کر

---
[۵۱] حق تک پہنچانے والا۔

داعیہ نشان طلبی کے متعلق فرمائی تھی جس کا ذکر صفحہ ۱۹۰ باب ہذا میں کیا گیا ہے۔

ان الہامات ماقبل الہام خطبہ نکاح سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے، کہ فی نفسہ مسیح موعودؑ کو کوئی حاجت اس رشتہ کی نہ تھی۔ نہ بلحاظ صاحب اولاد ہونے کے اور نہ بلحاظ اپنے سن و سال اور مشاغل دینیہ کے۔ چنانچہ اس زمانہ میں جب اس رشتہ کے متعلق الہامات الٰہی کا نزول ہو رہا تھا، حسب منشاء الٰہی خطبہ کے لئے خط لکھے جا چکے تھے، تو آپ نے اشتہار مورخہ ۱۵۔جولائی ۱۸۸۸ء میں شائع کیا کہ:۔

"ہمیں اس رشتہ کی درخواست کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ سب ضرورتوں کو خدا تعالیٰ نے پورا کر دیا تھا۔ اولاد بھی عطا کی اور ان میں وہ لڑکا بھی ہے جو دین کا چراغ ہوگا۔ بلکہ ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا جس کا نام محمود احمد ہوگا۔ اور اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔"

اس طرح خطبہ نکاح والے الہام ثانی کے ساتھ ماقبل کے تینوں الہامات کو بیک نظر دیکھنے سے جملہ الہامات اور خواستگاری محمدی بیگم کی غرض و غایت ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس سے صرف احمد بیگ اور اس کے حامیوں کی اصلاح مدنظر تھی، کہ وہ کم از کم ایک مسلم کی حیثیت معروف کے مطابق ہو جائیں لیکن ان جملہ الہامات میں احمد بیگ اور اس کے داماد کی نسبت تصریحات وارشادات موجود ہونے کے باوجود خود محمدی بیگم کے متعلق کوئی خفیف سا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ اُس کا کیا حشر ہوگا۔ سوائے اس کے کہ پیغام والے الہام میں یہ کہا گیا ہے، کہ یہ نکاح اس کے حق میں باعث برکت نہ ہوگا۔ پس مابعد کے دونوں الہامات میں جن پر مخالفین کے سارے اعتراضات کی بنیاد ہے، محمدی بیگم کی آئندہ حالت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی دو حالتیں ہو سکتی تھیں:۔

(۱) اوّل یہ کہ وہ بیوہ ہو جائے اور اس کا شوہر مر جائے۔

(۲) دوم یہ کہ وہ بیوہ نہ ہو اور اس کا شوہر زندہ رہے۔ اگر اس کا شوہر زندہ رہے تو اس کی آئندہ حالت کے متعلق اور کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی، اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ بتایا جانا ضروری تھا، کہ اگر اس کا شوہر مر جائے تو پھر محمدی بیگم کا کیا حال و نتیجہ ہوگا۔

اس لئے اس نتیجہ کو الہام مابعد نمبر (۱) میں بایں الفاظ بیان کر دیا گیا کہ "یردھا الیک" یعنی شوہر کے مرجانے پر وہ آپ کی جانب واپس کی جائے گی۔ اور اس کی اس طرح کی واپسی میں جس طرح کہ ایک منکوحہ بیوہ عورت کی شرعاً واپسی ہو سکتی ہے، کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ "لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہ" یعنی اے مخاطب آپ بالکل مطمئن رہیئے کہ محمدی بیگم بیوہ ہو جانے کے بعد یقیناً یقیناً آپ کی جانب واپس کی جائے گی۔ یعنی آپ کے سوا کسی اور طرف نہیں جا سکتی، اس میں کچھ شبہ نہیں۔ پھر محمدی بیگم کی نسبت اس بیانی حالت آئندہ کی توثیق آخری الہام مطبوعہ مورخہ ۱۰۔ جولائی ۱۸۸۸ء میں بایں الفاظ فرمائی گئی۔ "زَوَّجْنَا کَھَا لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ" اور یہ تاکید اور توثیق صیغہ ماضی کے استعمال کے ساتھ فرمائی گئی ہے یعنی یہ کہ یہ واقعہ ہو چکا ہے، اس کے اب انتظار کی ضرورت نہیں۔ وہ آپ کے نکاح میں پہلے ہی آ چکی ہے، آپ کے سوا کسی دوسری جگہ بعد بیوگی اس کا نکاح نہ ہوگا۔

پس ان دونوں آخری الہامات میں محمدی بیگم کی حالت بھی واضح کر دی گئی، کہ اگر اس کا شوہر زندہ رہا، تب تو اس کی حالت کی نسبت کوئی سوال ہی نہیں، البتہ اس کے شوہر کی وفات پر وہ حضرت مسیح موعودؑ کی جانب واپس کی جائے گی۔ یہی دو آخری الہامات معرض بحث میں آ گئے اور محمدی بیگم کے متعلق جملہ پیشگوئیوں کا مبنی و معاد یہی دو الہامات قرار پا گئے۔

الہامات کی اس صراحت سے بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے، کہ جملہ چھ الہامات میں سے دو الہامات مرزا احمد بیگ اور ان کے شرکاء کی تنبیہ و تادیب و تذکیر کے لئے ہیں۔ اور ایک الہام ۱۸۸۶ء کا احمد بیگ کی ساس کی اس حالت کے متعلق ہے، جو اس کو بزمانہ آئندہ بوجہ اپنے داماد احمد بیگ کی وفات کے پیش آنے والی تھی۔ اور اس میں اس کو توبہ اور رجوع کرنے کی ہدایت ہے۔ اس کے بعد دو الہام ثانی ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو احمد بیگ کی لڑکی کا پیغام دینے کے متعلق ارشاد ہوا۔ اس الہام کے ورود و نزول تک محمدی بیگم سے نکاح کرنے یا ہونے یا ہو جانے کی نسبت مطلقاً کوئی ذکر نہیں۔ احمد بیگ کو محمدی بیگم کے لئے پیغام دینے اور اس کی قبولیت و عدم قبولیت

کے نتائج کے سوا کوئی ذکر محمدی بیگم کے آئندہ نکاح ہونے یا نہ ہونے کے متعلق نہیں ہے۔
اور یہی اصلی الہامات ہیں، جن سے اُن الہامات کی ضرورت و غرض و غایت سب واضح ہو جاتی
ہیں۔ لیکن ان الہامات اور اُن کی ضرورت اور غرض و غایت سب کو لوگوں نے بھلا دیا ہے۔
صرف دو آخری الہامات جن میں محمدی بیگم کی آئندہ حالت کی اطلاع دی گئی ہے، پکڑ لیئے گئے
ہیں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ اصل الہامات پر کبھی غور و فکر نہیں کی جاتی۔ صرف اُن تشریحات
اور تفہیمات پر زور دیا جاتا ہے، جو خود مرزا صاحب یا آپ کی جماعت کی جانب سے
کبھی بیان کئے گئے تھے۔ الہامات موجود ہیں، اور اُن میں کسی شک و شبہ کی گنجائش
نہیں ہے۔ واقعات جو الہامات کے سلسلہ میں پیش آئے وہ بھی محفوظ اور دنیا کی آنکھوں
کے سامنے ہیں۔ الہامات کو واقعات کے سامنے رکھ کر دیکھ لو کہ آیا الہامات اپنی پوری
شان و شوکت کے ساتھ پورے ہوئے یا نہیں۔ اور آیا وہ غرض جو الہامات سے تھی،
کاملاً حاصل ہو گئی یا نہیں۔ اصلی الہامات اور اُن کے الفاظ اور اُن کی غرض و غایت کو ملحوظ
رکھ کر واقعات پیش آمدہ کو جانچ لو، اور پھر خدا لگتی کہو، کہ آیا الہامات میں آئندہ کے
ان پیش آمدہ واقعات کا علم مندرج ہے یا نہیں؟ اور آیا پیش آمدہ واقعات پر
الہامات کے الفاظ احاطہ کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر الہامات کے الفاظ معمولی و مسلّمہ طریقہ
تاویل و تعبیر کے مطابق واقعات پیش آمدہ پر منطبق ہو جائیں تو اُن کی صداقت و صحت
میں شک و شبہ کا کیا محل ہے؟ اور یہ امر کہ واقعات کے پیش آنے سے پہلے ان الہامات
کی نسبت خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا آپ کی جماعت نے کیا سمجھا تھا قابل استدلال
اور لائق تمسک نہیں ہے۔

کیونکہ ہم اس سے پہلے حضرت نوح اور حضرت یونس علیہما السلام کے واقعات بیان
کر کے اور صلح حدیبیہ کی تمثیل دے کر بتلا چکے ہیں، کہ بعض اوقات الہامات کے محمل
یا معنی کا تعیین کرنا قبل از وقوع الہامات غلط ہو جاتا ہے۔ اس لئے الہامات کی صداقت
اور صحت کا تصفیہ بعد از وقوع پیش آمدہ واقعات کو ملحوظ رکھ کر صحیح طور پر کیا جا سکتا ہے۔
جیسا کہ حضرت نوح اور حضرت یونس علیہما السلام کے زمانہ میں اور خود ہمارے آقا سردار دو عالم

کے زمانہ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر عمل میں آیا۔

محمدی بیگم کے متعلقہ الہامات کی تقریباً یہی کیفیت ہے، کہ قبل از وقوع ان الہامات کے مفاہیم و حدود ظہور و شرائط تکمیل کے سمجھنے اور متعین و مقرر کرنے میں نہ صرف دشواری پیش آئی، بلکہ پیچیدگی سی پیدا ہو گئی۔

پیغام نکاح والے الہام ثانی اور اس الہام سے پہلے کے نہ صرف الہامات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، بلکہ ان واقعات اور حالات کو ذہن نشین نہیں رکھا جاتا، جن حالات میں یہ الہامات نازل ہوئے۔ تاکہ ان الہامات کی غرض و غایت معلوم ہو سکے، کہ ہر کلام کی غرض و غایت معلوم ہونے کے بعد ہی اس کے اطلاق کی وسعت اور مفاہیم کے پہلو معلوم ہو سکتے ہیں۔ بغیر غرض و غایت اور ضرورت کلام معلوم کرنے کے محض الفاظ بلحاظ لغت و محاورہ و اختلاف استعمال قائل و متکلم کے منشاء کے خلاف تصور ہی کر سکتے ہیں۔ مخالفین جماعت احمدیہ اس معاملہ خاص میں یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے منازعت کرنے کے معاملہ میں اور پھر اس منازعت کے ذیل میں خاص کر تاویل احادیث و تفسیر کلام کے متعلق اور تاویل احادیث اور تعبیر کلام کے ضمن میں خاص کر حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں اور الہامات کی تعبیر و اطلاق کی نسبت اتنی زیادتی کرتے ہیں، کہ جملہ مسلمہ اور معمولی اصول تعبیر و تاویل کو ہمارے مقابلہ میں فراموش کر جاتے ہیں۔ ہماری بات کو ہمیشہ کاٹ کر اور اینچ پینچ سے بیان کرتے ہیں۔ اصلی، صاف اور سیدھی بات کو ٹیڑھا اور کج کر کے کچھ کا کچھ کر دکھاتے ہیں۔ اور جو معاندین معمولی سی بات میں رنگ آمیزی کر کے پر کا کوا بنا دیتے ہیں، وہ اس محمدی بیگم کی پیشگوئی کے بارہ میں جو کچھ کریں تھوڑا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر تصریح کر چکے ہیں، کہ یہ پیشگوئی مختلف الاوقات الہامات اور واقعات سے تعلق رکھتی ہے، جن کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ جب تک ان جملہ واقعات کو سلسلہ وار متعلقہ الہامات کے ساتھ یکجائی طور پر نہ سمجھ لیا جائے، اس پیشگوئی اور اس کے ان اثرات و نتائج و صحت و صداقت کا سمجھنا دشوار ہے، جو ان الہامات اور ان کے متعلق واقعات پر مبنی ہیں۔ اس وقت تک باوجود اس کے کہ مرکزی جماعت قادیان کی جانب سے

اس خاص پیشگوئی کے متعلق کثیر الحجم لٹریچر مختلف اوقات میں شائع ہو چکا ہے۔ ابھی تک معاندین اور معاندین کی تحریرات کی بناء پر سادہ دل عوام صرف یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنے نفس کی خواہش پر ایک نوجوان لڑکی کے اپنے نکاح میں آنے کی پیشگوئی کر دی تھی، جس پر مرتے دم تک قدغن رہا۔ مگر مرزا صاحب فوت ہو گئے، لیکن وہ لڑکی نکاح میں نہ آنا تھا نہ آئی۔ اور یہ ایسی پیشگوئی تھی، جس کو خود مرزا صاحب نے اپنی صداقت کا معیار قرار دیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ من الهفوات۔ اور چونکہ یہ پیشگوئی مزعومہ طور پر پوری نہیں ہوئی، لہذا مرزا صاحب کے تمام دعاوی باطل اور کذب کا طوفان ہیں۔

یہی وہ نتیجہ ہے جو جناب برنی صاحب نے اپنی پوری فصل نمبر ۸ کے عنوانات اور اقتباسات و حوالہ جات سے اخذ کیا ہے۔ جیسا کہ وہ عنوان نمبر ۲۳ کے ذیل میں طبع چہارم کے صفحہ ۳۸۱۔ اور طبع پنجم کے صفحہ ۴۸۸ و ۴۸۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"مگر قابل لحاظ یہ امر ہے کہ سب پیشگوئیاں اپنی قوت، اہمیت اور صراحت میں یکساں نہیں ہوتیں۔ یہ شادی کی پیشگوئی بہر صورت پوری ہو جاتی کہ اس کی تکمیل آسمان پر اور تشہیر زمین پر بخوبی ہو چکی تھی۔ اور خود مرزا صاحب نے اس کو اپنے صدق و کذب کا معیار قرار دیا تھا۔"

یہی نتیجہ انہوں نے کسی قدر اختصار سے عنوان نمبر ۲۹ کے تحت طبع چہارم ص۳۸۵، و طبع پنجم صفحہ ۴۹۶ میں بھی ظاہر فرمایا ہے۔

پیشگوئیوں کی جانچ کے لئے جو اصول ہم نے اوپر بیان کئے ہیں، اور جو حضرت نوح، حضرت یونس علیہما السلام اور خود ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالوں سے واضح کئے گئے ہیں، اُن کے مطابق رسالہ "قادیانی مذہب" کی فصل ۸ کے جملہ عنوانات اور ان کے حوالہ جات اور جناب برنی صاحب کے اخذ کردہ نتیجہ کو جب پرکھتے ہیں، تو ظاہر ہوتا ہے کہ عنوان نمبر ۲-۶-۷-۱۶-۱۷-۱۸ میں حضرت مسیح موعودؑ کے بیانات کے جو اقتباسات دئے گئے ہیں، اُن سے صرف وہ منشاء اور مفہوم معلوم ہوتا ہے، جو حضرت علیہ السلام الہامات الٰہی کے نزول کے وقت لیکن قبل وقوع واقعات سمجھتے تھے۔ ممکن ہے،

کہ آپ کے خیال کئے ہوئے مفہوم کے مطابق جو آپ کے حوالجات مندرجہ عنوانات مذکور سے ظاہر ہوتا ہے، الہامات پورے نہ ہوئے ہوں لیکن اس میں کیا شک ہے کہ الہامات اپنے محمل کے لحاظ سے قطعی طور پر پورے ہو چکے ہیں۔

چنانچہ عنوانات نمبر ۴ و ۵ کے حوالجات سے ظاہر ہے، کہ حضرت مسیح موعود نے بھی الہامات کا وہی صحیح مفہوم بیان فرمایا ہے، جس کی صراحت ہم اوپر کر چکے ہیں، اور اسی مفہوم کے مطابق وہ اپنے وقت پر پورے ہو گئے۔

اور عنوان نمبر ۱۲ "قادیانی مذہب" طبع چہارم صفحہ ۳۷۹ و ۳۸۰ طبع پنجم صفحہ ۸۷، ۸۸ میں تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۲ سے جو حوالہ درج ہے، اس سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ اپنے الہامات کو بعض شرائط سے مشروط سمجھتے تھے۔ اور واقعات مابعد نے اس وضاحت کی صحت کو ثابت کر دیا، جس کے مطابق واقعات وقوع میں آئے۔ اس لئے ان مفاہیم پر کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

عنوان نمبر ۸ - ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۴ - ۱۵ - ۲۴ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس سعی و کوشش کا ذکر ہے، جو وہ الہامات الٰہی کے مطابق الہامات کی تکمیل کے لئے کر رہے تھے۔ یہ ویسی ہی کوشش ہے، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے الہامات کی تکمیل اور ظاہری مطابقت کے لئے کی تھی۔

اس قسم کی کوشش نہ شرعاً ممنوع و ناجائز و قابل اعتراض ہے نہ اخلاقاً۔ اگر اس قسم کی کوشش و سعی کو ناجائز و قابل اعتراض سمجھا جائے، تو شائد معترضین بنی اسرائیل کے اس جواب کو قابل تعریف قرار دیں گے، جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا۔ "فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ"[1] جس کا ذکر سورۂ مائدہ میں آتا ہے۔ پوری آیات اس واقعہ کے متعلق یہ ہیں:-

"يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝ قَالُوا يَا مُوسَىٰ

---

[1] پس تُو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور لڑائی کرو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ (پ ۶ ع ۸)

إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ ۝ وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا ج فَإِنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ۝ قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ج فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۝ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ۝

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بطور انعام کے اطلاع دی تھی کہ ارض مقدسہ تمہارے لئے لکھدی گئی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل کے لئے ارض مقدسہ کا بطور انعام کے وعدہ کیا ہے۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کہا :-

"کہ اے قوم ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔ جو تمہاری تقدیر میں لکھدی گئی ہے۔ اور دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ مت پھیرنا ورنہ تم اُلٹے گھاٹے میں آجاؤ گے۔ انہوں نے جواب دیا، کہ اے موسیٰ اس ملک میں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں، جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم تو اس ملک میں قدم رکھتے نہیں۔ ہاں وہ نکل جائیں، تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔ ان میں سے خدا کا ڈر ماننے والے دو آدمیوں نے جن پر خدا کا کرم تھا کہا، کہ ہاں، ہاں چلو دروازوں میں گھس جاؤ، پھر تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تم کو خدا پر ایمان ہے، تو اس پر بھروسہ کرو۔ انہوں نے جواب دیا، کہ اے موسیٰ ہم اس ملک میں ہرگز بھی داخل نہ ہونگے۔ تو اور تیرا رب جس نے وعدہ دیا ہے (اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ) دونوں جاؤ اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہینگے" (نتیجہ کے منتظر)

اس واقعہ سے جس کو قرآن پاک بیان کرتا ہے، مفہوماً ظاہر ہوتا ہے، کہ جب خدا کے مرسلین و فرستادوں کو کوئی الہام کسی انعام کا ہوتا ہے، تو وہ اس انعام کے حاصل کرنے کے لئے خود کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے متبعین کو حکم دیتے ہیں، کہ اس وعدۂ الٰہی کے پورا کرنے کے لئے کوشش کرو، ایسی کوشش کہ جانوں سے بھی دریغ نہ کرو۔ لیکن

یہ مولانا لوگ، جیسے ہمارے برقی صاحب ہیں، اس کو بہت ہی برا اور خلاف اخلاق سمجھکر نہایت ہی سنجیدگی سے غور وفکر کے بعد مذہبی پیشوائی کے جامہ کے اندر سے بول اٹھتے ہیں، کہ یہ شریفانہ و سنجیدہ طریق نہیں ہے۔جس کو کوئی معقول شریف تعلیم یافتہ کبھی گوارا نہ کرے گا۔ چہ جائیکہ پیغمبر و نبی۔مرسل و مامور الٰہی ایسی حرکات کرے۔

مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی، قرآن مترجمہ مولانا محمود حسن دیوبندی کے حاشیہ پر ان آیات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو جواب دیا، گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ:۔

"مقابلہ کی ہمت ہم میں نہیں ہے۔ ہاں بدوں ہاتھ پاؤں ہلائے پکی پکائی کھالیں گے۔ آپ معجزہ کے زور سے انہیں نکال دیں" (قرآن مذکور صفحہ ۱۴۷ حاشیہ نمبر ۱۰)

اس کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"اسباب مشروعہ کو ترک کرنا توکل نہیں۔ "توکل" یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے۔ پھر اس کے مثمر و منتج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے۔اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں تعطل ہے" (قرآن مذکور ص۱۴۷ زیر عنوان فوائد صفحہ ہذا ف۲)

پس اگر مرزا صاحب نے کسی کو انعام کا وعدہ دیا (قادیانی مذہب عنوان نمبر ۱ طبع چہارم ص۳۷۱ و طبع پنجم ص۴۷۷) یا کسی کو اس معاملہ میں مدد کے لئے لکھا یا اپنے اعزہ و قرابت داروں بیٹوں، بہوؤں اور بیوی کو اس معاملہ میں امداد کے لئے لکھا۔یا امداد نہ دینے کی صورت میں قطع تعلق کا ڈر دکھایا یا بالآخر قطع تعلق کرلیا (عنوان نمبر ۴ طبع چہارم صفحہ ۳۷۳ و ۳۷۴ و طبع پنجم صفحہ ۴۸۰ و ۴۸۱۔ و عنوان نمبر ۵ طبع چہارم صفحہ ۳۷۵ و طبع پنجم صفحہ ۴۸۲۔ و عنوان نمبر ۲۴ طبع چہارم صفحہ ۳۸۲ و طبع پنجم صفحہ ۴۸۹) تو اس میں کونسا فعل اس کوشش و جہاد سے متجاوز ہے، جو بقول مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی محشی قرآن اصل منشاء توکل کے مطابق جائز و روا و ناقابل گرفت ہے۔اور کیا ان اعمال و افعال سے اصل الہام کی صحت میں کوئی شبہ پیدا ہوسکتا ہے، جس کی تعمیل و تکمیل کے لئے کوشش کی گئی تھی۔اے کاش لوگ اس پر

غور کر کے قرآن کے نور سے روشنی حاصل کرتے، اور اپنی تیرہ درونی کا علاج کرتے۔ یہ اُس شخص کی کوشش ہے، جو نہ محمدی بیگم کا عاشق تھا، نہ اس کے لئے کوئی دنیوی اور نفسانی خواہش رکھتا تھا۔ جیسے کہ خود بزیصاحب کے مقتبسہ حوالہ از آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۳ و ۵۷۴ کی آخری عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، جو عنوان نمبر ۶ کے ذیل میں کتاب " قادیانی مذہب میں دیا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ حضورؑ کی عمر کہولت کو پہنچ گئی تھی، بیوی اور بچے موجود تھے۔ اور آپ دل سے یہ چاہتے تھے، کہ یہ امر الٰہی کسی طرح ملتوی ہو جائے۔ چنانچہ اس زمانہ میں جبکہ یہ الہامات ہو رہے تھے، اور ابھی تک قطعی طور پر الہامات سے منشا الٰہی یہ نہیں سمجھا گیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ کو جو سب سے زیادہ مسیح موعود علیہ السلام کے رازدان تھے، اپنے خط مورخہ ۲ جولائی ۱۸۸۶ء (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲ ص) میں حسب ذیل تحریر فرمایا ہے:۔

"مخدومی مکرمی اخویم مولوی نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز نے جو آپ کی طرف لکھا تھا۔ وہ صرف دوستانہ طور پر بعض اسرار الہامیہ پر مطلع کرنے کی غرض سے لکھا گیا۔ کیونکہ اس عاجز کی یہ عادت ہے، کہ اپنے احباب کو اُن کی قوت ایمانی بڑھانے کی غرض سے کچھ کچھ امور غیبیہ بتا دیتا ہے۔ اور اصل حال اس عاجز کا یہ ہے کہ جب سے اس تیسرے نکاح کے لئے اشارہ غیبی ہوا ہے، تب سے خود طبیعت متفکر و متردد ہے۔ اور حکم الٰہی سے گریز کی جگہ نہیں۔ مگر بالطبع کارہ ہے اور ہر چند اوّل اوّل یہ چاہا کہ یہ امر غیبی موقوف ہے۔ لیکن متواتر الہامات و کشوف اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ تقدیر مبرم ہے۔ بہر حال عاجز نے یہ عہد کر لیا ہے۔ کہ کیسا ہی یہ موقع پیش آوے، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے صریح حکم سے اس کے لئے مجبور نہ کیا جاؤں، تب تک کنارہ کش رہوں۔ کیونکہ تعدد ازدواج کے بوجھ اور مکروہات از حد زیادہ ہیں، اور اس میں خرابیاں بہت ہیں اور وہی لوگ ان خرابیوں سے بچے رہتے ہیں، جن کو اللہ جلشانہٗ اپنے ارادہ خاص سے اور اپنی کسی خاص مصلحت سے اور اپنے خاص اعلام و الہام سے اس بارگراں کے اُٹھانے کے لئے مامور کرتا ہے۔ تب اس میں بجائے مکروہات کے سراسر برکات ہوتے ہیں۔ . . . . والسلام"

اس خط کے ایک حصہ کو خود جناب برقی صاحب نے عنوان نمبر ۲ کے ذیل میں طبع چہارم ص۳۸۵ و طبع پنجم ص۴۹۳ میں نقل کیا ہے۔ جو ایک رازدار کو بصیغہ راز لکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اشتہار مورخہ ۱۰۔ جولائی ۱۸۸۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۱۸ میں جس کا حوالہ برقی صاحب نے فصل ۸ عنوان نمبر ۴ طبع چہارم صفحہ ۳۶۲ و ۳۶۳ و طبع پنجم صفحہ ۴۶۸ و ۴۶۹ پر دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :-

"پہلی پیشگوئی اس زمانہ کی ہے کہ جبکہ ہنوز وہ لڑکی نابالغ تھی اور جبکہ یہ پیشگوئی بھی اس شخص کی نسبت ہے، جس کی نسبت اب سے پانچ برس پہلے کی گئی تھی۔ یعنی اس زمانہ میں جبکہ اُس کی یہ لڑکی آٹھ یا نو برس کی تھی۔ تو اس پر نفسانی افتراء کا گمان کرنا اگر حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔"

پس نہ تو حضرت مسیح موعودؑ کے بیان کردہ مفاہیم کی بناء پر اصلی الہامات متعلقہ پیشگوئی نکاح محمدی بیگم پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے نہ اس وجہ سے کہ آپ نے الہامات الٰہی کے پورا ہونے کے لئے کامل ترکوشش اور بلیغ ترین سعی فرمائی تھی، الہامات کی صحت میں کوئی شک و شُبہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی منشاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر مندرجہ حقیقۃ الوحی ص۱۹۱ کا ہے جس کا حوالہ جناب برقی صاحب نے عنوان نمبر ۳ طبع چہارم ص۲۷۳ و طبع پنجم ص۴۹ میں دیا ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بالکل وہی بیان فرمایا ہے، جو آیات مذکورہ اور مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کے حاشیہ محولہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح سے رسالہ "قادیانی مذہب" کی فصل ۸ کے عنوانات ۲ و ۴ تا ۱۱۔ اور ۱۳ و ۱۴ تا ۱۸ و ۲۱ تا ۲۴ کا مختصر سا مگر معقول جواب ہو جاتا ہے ؎

اگر در خانہ کس است حرفے بس است

باقی رہے عنوانات ۱ و ۳ - ۱۲ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۲ - ۲۳ و ۲۵ تا ۳۱۔ انکی کیفیت یہ ہے کہ عنوان نمبر ۱ میں محض ڈرامہ کی تقلید میں کل خاندان کی فہرست دی گئی ہے۔ نمبر ۳ میں ایک حدیث نبوی کی تعبیر ہے، جو حضرت مسیح موعودؑ کے نکاح کے متعلق ہے۔ اور جسکو حضرت مرزا صاحب نے محمدی بیگم کے نکاح کے متعلق خیال فرمایا ہے۔ اس لئے یہ عنوان بھی

گویا حضرت مسیح موعودؑ کے اپنے اخذ کردہ مفہوم کے مطابق ہے۔ جس کا کوئی اثر اصلی الہامات پر باقی نہیں رہتا۔

عنوان نمبر ۱۲ کا حوالہ ایک اعتراض کے جواب میں ہے۔ اعتراض یہ تھا۔ کہ مرزا سلطان محمد بیگ کو محمدی بیگم سے نکاح ہو جانے کے بعد طلاق کیلئے فہمائش کی گئی تھی۔

جواب حضرت مرزا صاحب کا یہ ہے کہ یہ محض افتراء ہے۔ اس موقع پر ایک لطیف بات قابل غور ہے، کہ معترضین ایسی حالت میں کہ مرزا سلطان محمد و محمدی بیگم نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت نہیں کی، یہ وساوس پیدا کرتے رہے، کہ حضرت مرزا صاحب نے سلطان محمد کو یہ فہمائش کی اور ڈرایا، کہ وہ محمدی بیگم کو طلاق دے دے۔ اگر فی الحقیقت مرزا سلطان محمد و محمدی بیگم دونوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لیتے، اور از راہ عقیدت الہامات الٰہی کے اس مفہوم کو پورا کرنے کے لئے جو حضرت مسیح موعودؑ کے بیانات سے معترضین اخذ کرتے ہیں، وہ دونوں آپس میں بذریعہ طلاق جدا ہو جاتے، تو ناظرین خیال فرمائیں، کہ کتنا شدید فتنہ مخالفین کے لئے پیدا ہو جاتا، جو شاید کسی طرح کسی تاویل و معذرت سے رفع نہ ہو سکتا۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے، کہ الٰہی مصالح کے مطابق ان دونوں نے بیعت نہیں کی، گو کافی اعتقاد حضرت مسیح موعودؑ، اُن کے خلفاء، اور جماعت کی نسبت رکھتے ہیں یہانتک کہ اپنی اولاد و والدہ اور دیگر اقرباء و اعزہ کو حضرت مسیح موعودؑ اور اُن کے بعد خلفاء کی بیعت کی اجازت دی اور بلا مزاحمت بیعت ہو جانے دیا۔

عنوان نمبر ۱۹ کو جناب برنی صاحب نے "ناکامی کی تلخی" سے قائم فرمایا ہے۔ اور اس میں دو حوالے حاشیہ و ضمیمہ انجام آتھم کے دئے ہیں، اور ایک حوالہ تبلیغ رسالت حصہ سوم صفحہ ۱۸۷ کے اشتہار کا دیا ہے۔ ان حوالوں سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے، وہ اعتماد و اطمینان ہے، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے الہامات پر خدا کی جانب سے عطا ہوا تھا۔ کیا کسی مامور و مرسل کا اپنے الہامات پر حتم و جزم کے ساتھ اعتماد کوئی قابل اعتراض چیز ہے؟

یہ امر کہ آپ اپنے الہامات کا کیا منشاء سمجھتے تھے، اس اعتماد کے مخالف نہیں ہے۔ یہ اعتماد ہی صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دلیل ہے۔ کسی وقت اور کسی حالت

تک بھی اس اعتماد میں تزلزل پیدا نہیں ہؤا۔ یہاں تک کہ حسب عنوان نمبر ۲۰ جب علالت میں آخری وقت سمجھ کر اطمینان قلب کی ضرورت ہوئی، تو پھر "اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ" کہہ کر جناب الٰہی نے اس اعتماد کو مضبوط کر دیا۔ آپ کو اپنے الہامات پر جو اعتماد تھا، اُس کے مطابق واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے۔ یہ امر کہ جو مفہوم آپ ان الہامات کا سمجھتے رہے، وہ بظاہر واقعات پیش آمدہ پر حاوی نہیں ہے، یہ بالکل ہی ایک علیحدہ بات ہے جس کے متعلق ہم بڑی وضاحت سے اوپر بیان کر چکے ہیں۔

عنوان نمبر ۲۲ و ۲۳ میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل مولانا نور الدین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کے بیانات اس پیشگوئی کے متعلق ہیں۔ اگر کسی کی آنکھوں میں معرفت کا نور ہو تو وہ جان سکتا ہے، کہ یہ تاویلات و بیانات اُس عرفان کو ظاہر کرتے ہیں، جو ایک مومن کو خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ "اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ" کے مطابق اگر متقیانہ بصیرت ہو، تو اُن ہزارہا پیشگوئیوں کو دیکھ کر جو پوری ہو چکی ہیں، خدا کے خوف سے حصّہ لیا جا سکتا ہے۔ لیکن جہاں خدا کا ڈر نہ ہو، وہاں ابلیسانہ زیرکی ہر عاشقانہ و والہانہ کلام کو خرد کی ترازو میں تولنا چاہتی ہے ؎

دانند آنکہ نیک بخت و محرم است ؎ زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی کی نسبت اس اصرار کے جوابات کہ :-

"یہ شادی کی پیشگوئی بہرصورت پوری ہو جاتی کہ اس کی تکمیل آسمان پر اور تشہیر زمین پر بخوبی ہو چکی تھی"

اُوپر کافی طور پر دئے جا چکے ہیں۔ کہ کسی امر کے آسمان پر لکھے جانے اور تقدیر میں نوشت ہو جانے اور زمین پر اس کی تشہیر ہو جانے کے کیا معنے ہوتے ہیں۔ نیز حدیث شریف میں آتا ہے۔

"زوجنی مریم بنت عمران و کلثوم اخت موسیٰ وامراۃ فرعون"[1] (فتح البیان جلد ...)

[1] (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) اللہ تعالےٰ نے میرا نکاح مریم بنت عمران موسیٰ کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی سے پڑھ دیا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے، کہ آسمان پر نکاح کردیئے جانے کے کیا معنی ہوتے ہیں ضروری نہیں ہے، کہ جب آسمان پر نکاح ہو جائے، تو اُسی وقت زمین پر بھی اس کے مطابق وقوع میں آئے۔

عنوانات نمبر ۲۵ و ۲۶ و ۲۷ بظاہر کچھ قابل جواب معلوم نہیں ہوتے۔ یہ امر کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بیوی یا بہوؤں کے لئے کیا کیا مہر مقرر کیا، اور اپنی لڑکیوں کے لئے کیا اہتمام کیا، یا آپؑ کی کتنی اولاد ہوئی۔ ہماری موجودہ بحث یا محمدی بیگم کے معاملہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

اٹھارواں عنوان "تیسری شادی کی آرزو" ہے۔ اس کے مندرجہ حوالجات سے ہماری اس بات کی صاف تائید ہوتی ہے، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بالطبع محمدی بیگم یا کسی دوسری عورت کے آرزومند نہ تھے۔ بلکہ بخلاف اس کے وہ چاہتے تھے، کہ اس بوجھ سے سبکدوش رہیں، لیکن امر الٰہی کی تعمیل سے مجبوری تھی۔

عنوان نمبر ۲۹ میں "خواتین مبارکہ" کی پیشگوئی کا ذکر ہے۔ اور جناب برنی صاحب کا اعتراض یہ ہے، کہ کوئی خواتین مبارکہ سوائے موجودہ بیوی کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نکاح میں نہ آئیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اصل الہام وہی ہے، جو تبلیغ رسالت جلد اول صہ ۶ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے۔ یعنی "خواتین مبارکہ سے جنہیں تو بعض کو اس کے بعد پائیگا، تیری نسل بہت بڑھے گی۔" اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے، کہ یہ خواتین خود آپ ہی کے نکاح میں آئیں گی۔ اور اگر کوئی مفہوم ایسا سمجھا بھی گیا ہے جیسا کہ بعد کے حوالہ میں درج ہے، تو وہ بھی اصل الہام اور اُس کے منشاء کے تابع ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی حضرت مولانا نور الدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وہ توضیح جو عنوان نمبر ۲۲ کے ذیل میں درج ہے، اس الہام پر بدرجہ اولیٰ منطبق ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ عنوانات کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ اس لئے ان پر تفصیل سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تیسواں ۳۰ عنوان "محک امتحان" ہے۔ ہم اس باب کے آغاز اور محمدی بیگم کی

پیشگوئی کی صراحت کرنے کے قبل ہی اس محک امتحان کے متعلق تفصیل سے لکھ چکے ہیں، کہ پیشگوئی کیوں اور کس طرح محک امتحان ہوسکتی ہے۔ اور پیشگوئی کے محک امتحان ہونے کا کیا مطلب و منشاء ہے۔ اس لئے زیادہ لکھنے کی اب ضرورت نہیں ہے مختصر یہ ہی کہ پیشگوئی کے متعلق اس الہام الٰہی کو جانچا جائے، جس پر پیشگوئی مبنی کی جاتی ہے۔ اگر الہام الٰہی اپنے الفاظ و مجمل کے مطابق واقعات پیش آمدہ پر منطبق ہو جائے، تو اس کی صحت میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ گو خود مہبط وحی والہام کی بیان کردہ تفصیلات، واقعات پیش آمدہ پر منطبق نہ کی جاسکیں۔ پس پیشگوئی اس حیثیت سے محک امتحان ہوسکتی ہے۔ اور یہی منشاء حوالہ زیر بحث کا بھی ہے۔ پس اس متنازعہ پیشگوئی کو قرآن پاک کے معیار کے مطابق محک امتحان پر رکھنے کے بعد جو نتیجہ پیدا ہوسکتا ہے، اُس کو ہم بالصراحت اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اور اس کے جو روحانی اثرات سلطان محمد و محمدی بیگم کے خاندان پر پڑے ہیں، اُن کی صراحت حسب ذیل ہے۔ محمدی بیگم کے آبائی اور شوہری حسب ذیل رشتہ دار ہیں اور تھے :-

| | |
|---|---|
| ۱۔ احمد بیگ | والد محمدی بیگم |
| ۲۔ | والدہ محمدی بیگم |
| ۳۔ مرزا محمد بیگ | محمدی بیگم کا بھائی |
| ۴۔ مرزا محمود بیگ | محمدی بیگم کا بھتیجا |
| ۵۔ محمودہ بیگم | ہمشیرہ محمدی بیگم |
| ۶۔ عنایت بیگم | ہمشیرہ محمدی بیگم |
| ۷۔ مرزا محمد احسن بیگ | محمدی بیگم کا بہنوئی |
| ۸۔ مرزا سلطان محمد | شوہر محمدی بیگم |
| ۹۔ محمد اسحاق بیگ | پسر محمدی بیگم |

نمبر (۱) یعنی والد حسب پیشگوئی فوت ہوگیا۔ ۲ تا ۷، ۹ نے احمدیت قبول کرلی۔

جماعت احمدیہ کردی ہے۔ خود محمدی بیگم اور اُس کے شوہر کی نسبت ہم صفحات ۱۹۴ تا ۲۰۲ پر بیان کر چکے ہیں۔ محمدی بیگم کے پسر محمد اسحق بیگ نے اخبار الفضل مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۳۳ء میں ایک تفصیلی خط اپنے اعلان احمدیت کے متعلق شائع کرایا ہے۔ جس میں اس پیشگوئی کی صداقت اور اُس کے اثرات و نتائج کو بوضاحت بیان کر کے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی نسبت اس طرح بحلف اعلان کیا ہے :۔

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ یہ وہی مسیح موعود ہیں جن کی نسبت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ اور ان کا انکار . . . . . . . . نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہی درست فرمایا ہے :۔

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے

ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

اک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا

پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

خاکسار مرزا محمد اسحاق بیگ پٹی۔ ضلع لاہور۔ حال وارد چک نمبر ۱۶۵-۲ بی"

(منقول از "الفضل" ۲۶- فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۹)

اس کیفیت اور حالات کو مدنظر رکھ کر خود ناظرین اس کا تصفیہ کر سکتے ہیں۔ کہ جن اغراض اور مقاصد کے مدنظر یہ الہامات ہوئے تھے، آیا وہ بدرجہ اتم پورے ہوئے یا نہیں۔

جب خود محمدی بیگم، اُس کی والدہ، اُس کا شوہر مرزا سلطان محمد، اس کی اولاد و ہمشیرگان اس کے بھائی اور بھتیجے سب کے سب ان پیشگوئیوں اور ان کے نتائج کو قبول کرتے ہیں۔ تو سوائے سخت ترین معاند کے جس کو حق و انصاف سے کوئی واسطہ نہ ہو، اور کون اس پیشگوئی کی صحت سے انکار کر سکتا ہے ؟

# خاتمہ

دنیا کے تمام مشہور مذاہب اس آخری زمانہ میں ایک مصلح مامور من اللہ کے منتظر ہیں اور ان میں سے ہر ایک اہل مذہب اس امر کا مدعی ہے کہ وہ مصلح مامور من اللہ اُسی کے مذہب کی حمایت اور تائید کے لئے آئے گا۔ جو دیگر جملہ مذاہب کو صفحۂ عالم سے مٹا کر ایک اُسی کے مذہب کو ساری دنیا میں پھیلا دے گا۔ مذاہب عالم کے اس رُجحان کی جانب ہم باب چہارم میں اشارہ کر چکے ہیں۔

اسلام میں اس اعتقاد کی بنیاد چند احادیث پر ہے۔ جن کے اشارے قرآن پاک میں بھی ملتے ہیں۔ وہ احادیث اتنی مشہور ہیں کہ اُن کے تفصیلی تذکرہ کی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں کا بہت بڑا حصّہ مہدی اور مسیح اور ہر صدی پر اصلاح اُمت کے لئے مجددین کی آمد کا منتظر ہے۔ گذشتہ تیرہ صدیوں میں ہر صدی میں مجددین آتے رہے ہیں۔ جو اہل سنت والجماعت کے کثیر حصہ کے نزدیک مقبول اور مسلّم ہیں۔

اسی طرح حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے الہام الٰہی کی بناء پر اس زمانہ کی مذہبی اصلاح کے لئے مامور و مُرسل من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور وہ اپنے اس دعویٰ کی تائید میں اہل اسلام کے لئے ان احادیث کو پیش کرتے ہیں جو ہر صدی میں مجدّد کی آمد اور مہدیؑ منتظر اور مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کے متعلق مسلّمہ اور مقبولہ اہل سُنت والجماعت ہیں چونکہ اس دعویٰ کو اُنھوں نے تمام مذاہب کے "مصلح" ہونے کی حیثیت سے پیش کیا ہے اس لئے تمام مذاہب کی متعلقہ پیشگوئیوں سے بھی استدلال کرتے ہیں لیکن سب سے زیادہ مخالفت اس دعویٰ کی مسلمانوں کی جانب سے کی گئی ہے اور کی جاتی ہے گویا وہ نہیں چاہتے کہ تمام مذاہب عالم کا "مصلح" اُنکے درمیان سے اُٹھے۔ بلکہ وہ بڑی سختی اور اصرار کے ساتھ خود ابنی اور اُمت کی اصلاح کے لئے بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی آمد کے منتظر اور اس معنے میں عیسائیوں کے ہم خیال ہیں کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام جو اب تک آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ نہ صرف اسلام بلکہ دیگر تمام مذاہب کی اصلاح کیلئے خلیفۃ اللہ ہو کر اس دنیا میں

تشریف لائیں گے۔ امتِ محمدیہ اب اس قابل نہیں رہی، نہ رسول کریم سردار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روحانیت میں (نعوذ باللہ) یہ قوت باقی رہی ہے کہ آپؐ کا کوئی متبع جو آپ کی محبت میں درجہ فنائیت حاصل کر چکا ہے اس مقام اصلاح پر کھڑا ہو سکے۔ یہی عقیدہ ہے جو احمدی اور غیر احمدی میں وجہ اختلاف بن گیا ہے۔ اور اس نے اتنی شدت اختیار کر لی ہے کہ اصل عقائد اور علمی وجوہ اختلاف پر لوگوں کے لئے غور کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ اس اختلافی شور وشغب کا ایک نمونہ رسالہ "**قادیانی مذہب**" ہے۔ جس کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ ہم نے اپنے جواب میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے مخالفین اصل امور تنقیح طلب کو نظر انداز کر کے ایسے جزئیات پر زور دینا چاہتے ہیں جو فیصلہ کن نہیں ہیں۔ اور پھر ان جزئیات کو کسی اصول کے تحت جانچنے کی بھی زحمت گوارا نہیں فرماتے۔ صرف من مانے اعتراضات پر ساری بحث کی بنیاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن وحدیث اور اُمم سابقہ کے حالات انبیاء گذشتہ کے سوانح ہی کسی اسلامی "مذہبی" تحریک کے تصفیہ کیلئے صحیح معیار ہو سکتے ہیں ان سے قطع نظر کر کے کوئی بحث ایسے مذہبی مسائل وعقائد کی نسبت جو تحریک احمدیت کے لئے پیش آتے ہیں فیصلہ کن اور قابل اطمینان نہیں ہو سکتی۔

احمدیت اور بانیٔ احمدیت کی "تردید وتکذیب" کے موضوع پر اس وقت تک جتنے مضامین یا رسائل لکھے گئے یا آئندہ لکھے جائیں گے۔ اُن میں بہرحال مرکز "ایراد وتعریض" حضرت مرزا **غلام احمد** صاحبؑ قادیانی کا دعویٰ مسیحیت ومہدویت ہی ہو گا۔ اس سے الگ ہو کر نہ کسی کو اعتراض کی ضرورت ہے نہ ہم کو جواب کی۔ احمدیت کی تردید ہو یا تصدیق ہر حال میں ان کی غرض یہی ہوتی ہے۔ اور ہونی بھی چاہیئے کہ "پبلک" پر یہ مذہبی تحریک اپنے پورے مالہٗ وما علیہ کے ساتھ واضح ہو جائے۔ اور وہ اپنی اُخروی ذمہ داری کو محسوس کر کے اس کے ردّ وقبول پر اقدام کرے۔

اس غرض کے لئے حضرت مرزا صاحب کے دعاوی ودلائل کے ساتھ ضرورت ہے کہ عام اسلامی عقائد ومسلّمات بھی پبلک پر واضح کئے جائیں۔ لیکن مخالفین خصوصاً مولانا سلاح الدین برنی صاحب جیسے مشہور وبہادر ذی علم حضرات اسلامی مسلّمہ عقائد کو اپنے خاص مصالح کی بناء پر پبلک پر ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ اس لئے ہم نے گذشتہ ابواب میں اِنہی امور کو ملحوظ

رکھ کر حضرت مرزا صاحب کے دعاوی و دلائل کو بیان کرتے وقت عام اسلامی عقائد، مسائل (امر متنازعہ فیہ کے متعلق) جا بجا بیان کر دیئے ہیں۔ اور احمدیت کے عقائد کو سامنے رکھکر پبلک کو صحیح رائے قائم کرنے کے لیئے کافی مواد جمع کر دیا ہے۔ تاکہ فروعات و جزئیات سے قطع نظر کر کے اصلی تنقیح طلب امور کے تصفیہ کے لیئے ضروری اور کافی معلومات ناظرین کے سامنے آجائیں۔ اور جب اصلی تنقیح طلب امور کی نسبت کوئی آخری رائے قائم ہو جائیگی تو جزئیات و فروعات کی نسبت خود بخود بآسانی فیصلہ کیا جاسکے گا۔ دراصل احمدیت خالص اسلامی تحریک ہے۔ جس کا اس سے زیادہ کچھ [illegible] ہے کہ اسلام کا وہ اصلی چہرہ اور اُس کا وہ آب و رنگ جس نے اپنی ابتدائی صدیوں میں دُنیا کے قلوب کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ علمی و عملی دونوں حیثیتوں سے دنیا کے سامنے آجائے۔ اس لیئے ہم نے پچھلے ابواب میں صرف یہی کوشش کی ہے۔ کہ "احمدیت" کا اصل ڈھانچہ ناواقف پبلک کے سامنے آجائے۔ جس کو ہمارے مخالفین پبلک کی نظر سے پوشیدہ رکھکر یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ احمدیت کو اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ بلکہ احمدیت محض الحاد و زندقہ کی ایک مذہبی نمائش کا نام ہے۔ لیکن الحاد و زندقہ و کفر و بدعت کے غیر موزون خطابات کو خود عطا کنندگان کے لیئے محفوظ رکھکر جماعت احمدیہ اپنے پیش نظر مقصد کو لیکر دیوانہ وار ساری دنیا میں اس لیئے منفرق تا و منتشر ہوگئی ہے کہ کسی طرح دنیا کو پھر اس راستہ پر لاکر متحد کر سکے۔ جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر قرآن پاک کی روشنی میں دکھایا گیا تھا۔ اور جس پر چل کر دنیائے اسلام نے وہ عروج حاصل کیا جو آج بھی ضرب المثل ہے۔

یہ جماعت نسبتاً تھوڑی اور کمزور ہی سہی۔ لیکن وہ اپنی کمزوری اور قلت کو خیال میں لائے بغیر اس حیّ و قیوم و قادر و توانا کے آستانہ پر پڑ گئی ہے۔ جس نے بنی اسرائیل جیسی ذلیل ترین قوم کے نوزائیدہ کمزور بچہ کو نیل جیسی قہار دریا سے نکال کر اور اپنی حفاظت میں لے کر موسیٰ علیہ السلام بنا دیا۔ اور فرعون جیسے جبّار و قہّار صاحب شان و شوکت و خدائی کے دعویدار بادشاہ کو اُسی دریا میں غرق کر دیا۔ اور جس نے آمنہ کے جائے عبداللہ کے یتیم (صلے اللہ علیہ وسلم) بے کس و بے بس کمزور بچّہ کو یتیمی کے گرد و غبار سے پاک و صاف کر کے اور ان درندگان عرب سے محفوظ

رکھ کر جن کے نزدیک انسانی خون بھیڑ بکری کے خون سے بھی زیادہ سستا تھا اتنا نوازا کہ ۲۳ برس کی قلیل مدت میں سارے سرکشان عرب کو اس یتیم کے قدموں پر لا ڈالا۔

اب ہماری (احمدیوں کی) لاج بھی اسی کے ہاتھ ہے جس کا نام لیکر ہم دنیا کے مختلف ممالک میں پھیل گئے ہیں۔ تاکہ اس کے اور اس کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اپنے آپ کو قربان کر کے دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کا نام بلند کر دیں ؎

جان و دلم فدا برہِ دینِ مصطفٰے

این است کام دل اگر آید میسرم (وَمَا توفیقنا الّا باللہ)

کھانے کو روٹی پہننے کو کپڑا اور سفر کے لئے زاد بھی پورا نہیں ہے مگر دل اس لگن سے مست ہے کہ ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم ؎ گر کفر این بود بخدا سخت کافرم

اگر مخالفین کو ہماری یہ خدمت یہ دیوانگی ناپسند ہے تو ؎

گر تو نمے پسندی تغییر کن قضا را

اس جماعت کی تعداد اور مالی کمزوری کو دیکھئے۔ اور اس کے حوصلہ کا اندازہ لگائیے تو بے اختیار منہ سے نکل جائے گا ؎

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی[1]

نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

اگر درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اگر انسان کے اندرونہ کا حال اس کے اعمال و حرکات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ تو ہماری ان کوششوں کو دیکھکر ہمارے اندرونہ کا حال معلوم کیجئے اور اس سے ہمارے عقائد کا استنباط کیجئے۔ خالی یہ کہہ دینے سے کہ "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں دکھانے کے اور" رسالہ قادیانی مذہب طبع چہارم ص۳۹ و طبع پنجم ص۴۳ واقعات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ خود جناب برنی صاحب نے رسالہ زیر جواب طبع چہارم ص۴۷ و طبع پنجم ص۸۲ پر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ایک تقریر بہ مندرجہ اخبار الفضل مورخہ ۱۲ جون ۱۹۲۵ء

---

[1] یہ ہے سر ڈاکٹر محمد اقبال کا فلسفہ۔ اُن کے مدّاح اس فلسفہ پر غور کریں!

سے ایک جُملہ نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے :۔

" تم سے (احمدیوں سے) اگر کوئی پوچھے کہ اسلام کی زندگی کی کیا صورت ہے۔
تو تمہاری طرف سے اس کا ایک ہی جواب ہونا چاہیئے۔ کہ ہماری موت! موت!! موت!!!
پس تم اس کے لئے تیار ہو جاؤ "

کیا اسلام کے لئے موت قبول کرنا کسی کافر و مرتد اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو جانیوالے کا کام ہے؟ کیا یہ حوصلہ ایمان کے بغیر برنی صاحب اور اُن کے حامی ظاہر کر سکتے ہیں؟

اس وقت پانچ براعظموں کے حسب ذیل ممالک میں ہمارے مستقل تبلیغی مشن قائم ہیں :۔

(۱) **ایشیا**:۔ ہندوستان کے مشنوں کا سب کو علم ہے۔ اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے بقیہ ممالک ایشیاء کی جہاں ہمارے مشن قائم ہیں یا مبلغ بھیجے جا چکے ہیں تفصیل حسب ذیل ہے :۔

کولمبو (سیلون) بٹاویہ (جاوا) پیڈانگ۔ میدان (سماٹرا) کیوبے (جاپان) سنگاپور (ملایا) ہانگ کانگ۔ کینٹن (چین) حیفا (فلسطین)

(۲) **افریقہ**۔ قاہرہ (مصر) نیروبی (کینیا) لیگوس (نائیجیریا) سالٹ پانڈ (گولڈ کوسٹ) دار السلام (ٹانگانیکا) کمپالہ (یوگنڈا) روز ہل پورٹ لوئی (ماریشس)

(۳) **یورپ**۔ لنڈن (انگلستان) روما (اٹلی) بوڈاپسٹ (ہنگری) بلگریڈ (یوگوسلیویا) وارسا (پولینڈ)

(۴) **شمالی امریکہ** نیویارک شکاگو فلیڈلفیا۔ ڈیٹرائٹ۔ انڈیانا پولس ڈیٹس برگ، پنسلونیا۔

**جنوبی امریکہ**۔ بیونس آئرس (ارجنٹائن)

۵ **آسٹریلیا**۔ پرتھ۔ ملیبارن۔

اس طرح دنیا کے لاکھوں انسانوں کو اسلام کا پیغام پہنچایا جا رہا ہے اور سینکڑوں آدمی اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اور ہزاروں قبول کر چکے ہیں۔ اور جنہوں نے ہمارے مبلغوں کے ذریعے سے اسلام قبول کیا ہے اُن میں سے ایک یہودی کی چٹھی کا اقتباس درج کرتا ہوں جو اس نے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو لکھی تھی۔ تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ کس قسم کی رُوح ان نومسلموں میں پیدا ہو رہی ہے۔ وہ لکھتا ہے :۔

"میں وہ شخص تھا کہ شاید ہی کسی کے دل میں میرے دل سے بڑھکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دشمنی ہو۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے ہی مجھے اشتعال پیدا ہو جاتا تھا لیکن آپکے مبلغین سے اسلام کی خوبیاں سن کر اب میری یہ حالت ہو گئی ہے۔ کہ میں رات کو نہیں سوتا جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیج لوں" اللھم صل علی محمد و آلہ) (اخبار الفضل ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء)

اور کچھ بھی نہ ہو تو صرف اس ایک شخص کی اس طرح قلب ماہیت ہی ہماری ساری تبلیغی محنت و سعی کا بہترین صلہ ہو سکتی ہے۔ ایک شدید ترین معاند ایک دشمن کے منہ و قلب و روح کو کلمہ طیبہ سے پاک کر کے اپنے آقا پر درود کا سن لینا ہی ہماری مراد کا پورا ہونا ہے۔ فالحمد للہ علی احسانہ۔

ہمارے ان مشنوں کے کام کی رپورٹ بھی وقتاً فوقتاً اخبار الفضل قادیان میں شائع ہوتی رہتی ہے۔ اور دوسرے اخبارات تو ان رپورٹوں کو شائع نہیں کرتے جو شائع بھی کرنا چاہتے ہوں گے وہ اس ڈر کے مارے شائع نہ کرتے ہونگے کہ پبلک ان کو بھی "قادیانی نواز" سمجھ لیگی۔ ان رپورٹوں میں سے صرف ایک رپورٹ کا نمونہ ذیل میں دیا جانا کافی ہوگا۔

مثلاً اخبار الفضل مورخہ ۲۷۔ مارچ ۱۹۳۷ء ص۵ پر بعنوان "تحریک جدید کے ماتحت تبلیغ اسلام" ایک مختصر رپورٹ بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء شائع ہوئی ہے۔ بقدر ضرورت اس کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

"تبلیغ بیرون ہند۔ مولوی محمد الدین صاحب ہمارے ان مجاہدین میں سے ہیں۔ جن کو تبلیغی میدان تلاش کرنے کے لئے سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ احباب یہ سن کر خوش ہونگے۔ کہ ان کے ذریعہ **یوگوسلیویا** میں اللہ تعالیٰ نے ایک نئی جماعت کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس وقت تک متعدد اشخاص احمدیت قبول کر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک دوست ہوٹل کے مالک ہیں جنہوں نے ایک رویاء کی بناء پر بیعت کی ہے۔"

"بوڈاپسٹ:۔ اس وقت تک بوڈاپسٹ میں جماعت احمدیہ کی تعداد مرد اور عورتیں شامل کر کے ۱۲۰ تک پہنچ چکی ہے۔ نومبائعین .... نہایت جوش اور اخلاص کے ساتھ اسلامی تعلیم پر کاربند ہو چکے ہیں۔"

"ارجن ٹائن:۔ مولوی رمضان علی صاحب مولوی فاضل لٹریچر اور ملاقاتوں کے ذریعہ تبلیغ

کر رہے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اس عرصہ میں مولوی صاحب نے سپینش زبان کا مطالعہ بھی شروع کر رکھا ہے ۔ جس میں بہت حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے ۔"

سنگاپور :۔ مجاہدین سنگاپور بدستور ٹریکٹ اور اشتہارات اور ملاقاتوں کے ذریعہ تبلیغ کر رہے ہیں ۔ عرصہ زیر رپورٹ میں سات اشخاص داخل سلسلہ عالیہ احمدیہ ہوئے ۔"

ہماری ان خدمات کو ہندوستان کے جملہ فرقے جانتے ہیں ۔ اور ان میں کے شریف خیال لوگ گو عقائد میں ہماری کتنی ہی مخالفت کریں ۔ لیکن ہمارے خلوص و سعی کو سراہتے ہیں ۔ چنانچہ شیعہ اخبار " سرفراز " جو لکھنؤ سے نکلتا ہے اپنی یکم جون ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ :۔

" مذہبی حیثیت سے ہمیں قادیانیوں سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو ۔ لیکن ہم ان کے اس جوش قومی و مذہبی کی قدر کئے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ جو ان کی طرف سے اپنے جماعتی مفاد کو تقویت دینے کے لئے آئے دن ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے ۔"

چوہدری افضل حق صاحب احراری نے جو احرار کے ڈکٹیٹر ہیں ملکانوں کے ارتداد پر ایک کتاب " فتنہ ارتداد اور پولٹیکل قلا بازیاں " کے نام سے لکھی ہے ۔ اس کے ص۴۶ پر جماعت احمدیہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ :۔

" آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بیجان تھا ۔ جس میں تبلیغی حس مفقود ہو چکی تھی ۔ سوامی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بدظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چوکنا کر دیا ۔ مگر حسب معمول جلد خواب گراں طاری ہو گئی ۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کیلئے پیدا نہ ہو سکی ۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوا ، تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا ۔ جو نہ صرف مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے لئے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے ۔" ( بحوالہ الفضل ۱۸ ۔ اگست ۱۹۳۶ء )

معزز اخبار " مشرق " گورکھپور نے اپنی اشاعت مورخہ ۸ ۔ جولائی ۱۹۲۷ء میں زیر عنوان " حضرت امام جماعت احمدیہ " لکھا تھا کہ :۔

"یہ ہم لکھ چکے ہیں۔ اور اس کا ہم کو بے خوفِ تردید دعویٰ ہے۔ کہ اس وقت اسلام کی سچی خدمت احمدی حضرات سے بہتر کوئی فرقہ نہیں کر رہا ہے۔ سب میں کچھ نہ کچھ کمی نظر آتی ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور جماعت احمدیہ اسی کی عامل ہے۔ اور اسی خصوصیت کی وجہ سے وہ میدان عمل میں ترقی کر رہی ہے۔"

مصر کا سخت ترین معاند اخبار "الفتح" اپنی ۲۰۔ جمادی الآخر کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ:۔

"والذی یری اعمالہم المدھشۃ ویقدر الامور حتی قدرھا لا یملک نفسہ من الدھشۃ والاعجاب بجھاد ھذا الفرقۃ القلیلۃ التی عملت مالم تستطعہ مائۃ الملایین من المسلمین وقد جعلوا جھادھم ھذا ونجاحھم اکبر معجزۃ تدل علی صدق ما یزعمون وساعدھم علی ذالک موت غیرھم ممن ینتسب الی الاسلام۔" (الفتح نمبر ۵۱۳ مورخہ ۲۰۔ جمادی الآخر ۱۳۵۱ھ بحوالہ الفضل ۷۔ مئی ۱۹۳۷ء)

یعنی ہر وہ شخص جو احمدیوں کے حیرت انگیز کارناموں کو دیکھکر ان کا صحیح اندازہ کرے گا۔ وہ اس چھوٹی سی جماعت کے جہاد سے ضرور متعجب ہوگا۔ اس جماعت نے وہ کام کئے ہیں جو کروڑوں مسلمانوں سے نہ ہوسکے۔ ان لوگوں نے اپنے اس جہاد اور اس کامیابی کو اپنے دعاوی کی صداقت پر معجزہ گردانا ہے۔ دیگر اسلامی فرقوں کی مُردنی نے ان کے بیان کو بہت تقویت پہنچائی ہے۔"

یہ چند اقتباسات صرف نمونۃً اس غرض سے درج کئے گئے ہیں کہ ناظرین کو اس امر کا اندازہ ہو جائے کہ ہماری اسلامی تبلیغی خدمات ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں مسلّمہ ہیں۔ اور وہ ایسی نمایاں ہیں۔ کہ معاندین بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہو گئے ہیں۔

اس طرح سے ہمارے عقائد و اعمال پبلک کے سامنے آجاتے ہیں جن سے صحیح نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ یہی اعمال و عقائد ہیں جن پر پردہ ڈالنے کی مخالفین کی جانب سے بڑی شد و مد سے کوشش کیجاتی ہے۔ تاکہ پبلک حقیقت حال اور احمدیوں کی ان قربانیوں اور حوصلے سے واقف نہونے پائے۔ جو وہ اسلام اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی حفاظت کیلئے کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس طرح حقیقت حال ظاہر ہو جانے سے وہ تار و پود جو مخالفین نے جال کی طرح پھیلایا ہے بکھر جائیگا۔ اور خدا کا خوف و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اسلام کا درد رکھنے والے

قلوب بے اختیار احمدیت کی جانب رجوع ہو جائیں گے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ وہ اصل "متنازعہ فیہ مسائل" پر کوئی معقول و مستند بات کہیں یا لکھیں۔ اور ہم سے اس کا جواب لیں۔ صرف اس میں اپنا مفر دیکھتے ہیں کہ ہمارے عقائد کو اپنے طور پر توڑ مروڑ کر بیان کر دیں۔ اور مرزا صاحب یا اُن کے متبعین کی کتابوں سے کتر و بیونت کر کے اِدھر اُدھر کے حوالے پبلک کے سامنے پیش کر دیں۔ اور ہم کو کوئی موقعہ اُس کے جواب کا نہ دیں۔ اس طرح پبلک بلا کسی تحقیق کے دھوکہ میں مبتلا رہ کر اُن کے جال میں غلطاں و پیچاں رہے۔

ہم نے اس کتاب میں مختصر طور پر احمدیت اور بانیٔ احمدیت علیہ السلام کے عقائد اور اُن کے دعاوی و دلائل واضح کر دئے ہیں۔ اور اس کے ساتھ قرآن پاک و احادیث سے چند ضروری و اہم معیار صداقت کے جانچنے کے لئے بیان کر دئے ہیں۔ اور پچھلے انبیاء کے حالات پر توجہ دلا کر حضرت مرزا صاحبؑ کے دعاوی کی جانچ کے لئے راستہ صاف و آسان کر دیا ہے۔ اب یہ کام آپ لوگوں کا ہے کہ اس امر کا قطعی تصفیہ کریں۔ کہ آیا مہدی و مسیح موعودؑ کے دعویٰ کے ساتھ لا پرواہی و استہزاء و مضحکہ کیا جائے یا اس کو بامعان نظر خدا کا خوف دل میں رکھ کر اُخروی ذمہ واری کے احساس کے ساتھ قرآن و حدیث کے مقررہ معیار کے مطابق جانچا جائے۔

ہم سے تو جہاں تک ممکن تھا ہم نے اس دعویٰ کو دیکھا۔ بھالا۔ پرکھا۔ جانچا اور غور و تامل کے ساتھ جانچا۔ دعاوی کے بعد جانچا۔ اللہ تعالےٰ سے التجاء اور استمداد کر کے جانچا۔ صادقین کے طور و طریق سے باخبر ہو کر جانچا۔ انبیاءؑ و مرسلین کے واقعات کو قرآن و حدیث میں پڑھکر جانچا۔ دُور سے جانچا۔ نزدیک سے جانچا۔ اندر سے جانچا۔ باہر سے جانچا۔ اور ہر طرح جانچنے کے بعد دل کو اس کی صداقت پر مطمئن پایا۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا[۵۱]

اپنی اُخروی ذمہ واری کو محسوس کر کے اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ[۵۲] کی ہدایت قرآنی پر مطمئن ہو کر ہر ایک مخالف اثر سے علیحدہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے استعانت کر کے تحقیقات بھی کی۔ اور آج ہم بحمد اللہ مقام تشویش و تشویش سے نکل کر اس مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ جہاں دُنیا کے

---

۵۱ اور (اپنے رسول کیلئے) خدا کی شہادت کافی ہے (پ۵ ع۸) ۵۲ اللہ پر ایمان لائے اور اس کا سہارا لیا (پ۶ ع۴)

سارے شور وشغب کے باوجود ہمارے دل مطمئن بلکہ مسرور ہیں۔ اور اپنی روح میں "فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"[۱] کی شہادت کا نور و اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ گویا گوش ایمان بلکہ یقین سے خدا کے فرشتوں کی یہ نوید سُن رہے ہیں۔" وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"[۲] پس یہ ہے ہماری شہادت اگر کسی کے دل پر اثر کرسکے۔

اس کتاب کے گذشتہ ابواب میں ہم نے جماعت احمدیہ کے عقائد و تعلیم و اعمال کی کیفیت واضح طور پر بیان کردی ہے۔ خاتمہ میں اپنے دلی اطمینان و ایمان کی حقیقت کو بیان کردیا۔ اب اس کے بعد ہمارے پاس کوئی چیز باقی نہیں ہے جو خدا کی مخلوق کو پہنچائی جانی چاہیئے تھی اور ہم نے نہ پہنچائی ہو۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ[۳]۔ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ[۴]۔

اے رب تو ہماری نیتوں اور ارادوں کا جاننے والا ہے۔ تو ہی ہماری نیتوں اور ارادوں اور اُن اعمال میں برکت دے جو تیرے کلمہ کے بلند کرنے کے لئے یہ چھوٹی سی جماعت احمدیہ کر رہی ہے۔ اور اپنی رحمت و رحمانیت سے لوگوں کے دلوں کو اس نعمت حق و صداقت کے قبول کرنے کے لئے کھول دے۔ آمین ثم آمین۔

دنیا میں سب سے پاک و صاف و خالص مذہب اسلام ہے، اور سب سے زیادہ خوش نصیب وہ قوم ہے جس کے دل میں اسلام رچ جائے۔ اسلام کے دل میں رچ جانے کے یہ معنے ہیں۔ کہ سوائے خدا کے خوف اور اس کے رسول کی محبت کے دل میں کسی دوسرے کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ اور قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[۵] کی ردا اوڑھ کر لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کے گروہ میں شامل ہو جائے جب اس طرح اسلام

---

[۱] پس جو ایمان لائے اور اپنی اصلاح کی ایسے لوگوں پر کوئی خوف طاری نہ ہوگا۔ اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے (پ۷ ع ۱۱)

[۲] اور اُن لوگوں سے پکار کر کہدیا جائیگا کہ یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے عملوں کی بدولت وارث قرار دئے گئے جو عمل کہ تم نے کئے تھے (پ۸ ع ۱۲)، [۳] ہم پر صرف پہنچانا فرض ہے (پ۲۲ ع ۱۹) [۴] پس چاہیئے کہ جو موجود ہے وہ غیر موجود کو یہ شہادت پہنچادے۔ (حدیث)

[۵] تو کہدے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے (پ۸ ع ۷)

دل میں رچ جائے گا تو وہ وقت ہوگا جب شیطان کا تسلط قلب مومن سے اُٹھ جائیگا۔ اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّھِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ[۱] ۔خود شیطان بھی اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر چکا ہے کہ وہ مخلصین کا اغوا نہیں کرے گا چنانچہ ہمارے رب نے اس عہد شیطانی کی ہم کو اس طرح اطلاع دی ہے کہ جب شیطان راندہ درگاہ الٰہی کیا گیا تو اس نے نہایت متمردانہ الفاظ میں کہا۔ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ[۵۲] ۔کہہ کر مخلصین سے علیحدہ رہنے کا عہد کیا۔ اور اللہ تعالےٰ نے یہ ارشاد فرما کر اس کی توثیق فرمائی۔ ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِیْنَ[۵۳] ۔

اللہ خوب جانتا ہے اور ہم اس کو گواہ کر کے کہتے ہیں۔ کہ ہمارے دلوں میں اسلام اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک کی نسبت سوائے خلوص اور خالص نیت ارادہ فرمانبرداری و خدمت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور ہم نے ایک ایسے شخص کو جو نہ کوئی ہم سے ذاتی تعلق رکھتا تھا اور نہ دنیوی حیثیت سے ہمارے لئے درخور اعتناء تھا۔ صرف خدا اور اس کے رسول اور دین اسلام سے محبت اور خلوص رکھنے کی وجہ سے قبول کیا ہے وَاللّٰہُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ شَھِیْدٌ[۵۴] ۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود تسلیم کرنے میں غلطی کی۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ غلطی عمداً جان بوجھ کر اور بدنیتی کے ساتھ کی گئی ہے۔ اگر ہم نے مرزا صاحب کو مسیح موعود ماننے میں بفرض محال کوئی غلطی بھی کی ہے تو محض اخلاص سے، تقویٰ کی راہ سے آپ کے دعویٰ و دلائل کی اپنے فہم کے مطابق تحقیقات کر کے تصدیق کی ہے۔ اب اگر آپ میں کوئی خدا کا ایسا مخلص بندہ ہے جو واقعی اور تحقیقی طور پر ہم کو غلطی خوردہ باور کرتا ہے

---

[۱] بیشک اس کا (شیطان کا) تسلّط ان لوگوں پر نہیں ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (پ۱۴ ع ۱۹)

[۵۲] اے میرے رب تیرے گمراہ قرار دینے کے بدلے میں میں لوگوں کو زمینی زینتوں کی طرف لگا دونگا۔ اور ان سب کو گمراہ کر دونگا سوائے اُن کے جو تیرے مخلص بندے ہیں (پ۱۴ ع ۳) [۵۳] یہ راستہ سیدھا ہے بیشک جو میرے مخلص بندے ہیں اُن پر تو ہرگز تسلط نہ پا سکیگا سوائے اُنکے جو تیری اتباع کر کے گمراہ ہو چکے ہوں (پ۱۴ ع ۳) [۵۴] ہمارے اقرار پر اللہ گواہ ہے۔

توکیوں اپنی ہمت ہمارے اصلاح حال کے لئے صرف نہیں کرتا۔ علماء و مشائخین کے سب و شتم گالی گلوچ اور حقارت آمیز برتاؤ یا بائیکاٹ اور بیزاری کے اعلان سے ہم کو اپنی اصلاح کے لئے کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ معلوم نہیں یہ علماء قیامت کے دن حضور سردار دو عالم رحمۃ للعالمین کو جن کی غلامی کے دعویٰ کی وجہ سے ہم نے ایک مغل قوم کے دعویدار کو مسیح موعود تسلیم کر لیا ہے کیا جواب دیں گے؟ ہمارا جواب تو صاف ہے کہ اے آقا ہم نے اپنے فہم و فراست علم و قوت کے مطابق پوری تحقیقات و چھان بین کرنے کے بعد آپ کے غلام کو جو آپ کے دامن کا سایہ اپنے سر پر رکھتا تھا اپنے سر آنکھوں پر رکھا۔ اور اس کو قبول کر کے اپنی بساط بھر ساری اُمت محمدیہ کو اس نعمت سے حصہ لینے کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن عوام کا تو کیا ذکر ہے زعماء قوم اور علماء امت بھی تبلیغ و تلقین امر بالمعروف کے نام ہی سے چڑتے ہیں۔ ان میں سے اکثر صرف اس بنیاد پر ہم سے نفرت کرنے لگے کہ اُن کے گمان میں ہم مسلمانوں کے درمیان تبلیغ کر کے باہمی افتراق و انشقاق کا باعث ہو رہے ہیں۔ پس اس طرح سے ہمارا معاملہ تو صاف ہے۔ لیکن آپ کو قیامت کے دن جواب دینے کے لئے کوئی عذر تلاش کر رکھنا چاہیئے۔

مسیح موعود پر ایمان لانے میں ہمارے خلوص کی دو علامتیں نمایاں ہیں :۔

**اوّل** یہ کہ بغیر کسی ذاتی غرض و تعلق یا دنیاوی امید کے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ مسیح موعودؑ کے دعویٰ کے قبول کرنے میں اعزہ و اقرباء اور دوستوں کی مخالفت کی وجہ سے دنیاوی نقصان کا اندیشہ ہے ہم نے اس دعویٰ کو قبول کیا ہے۔

**دُوسری** علامت یہ ہے کہ مسیح موعودؑ کی غلامی میں داخل ہو کر بحیثیت مجموعی اسلام کے لئے اپنا تن من دھن قربان کر رہے ہیں۔

کیا یہ قربانیاں اور یہ اطاعت کسی ایسے شخص کی جانب سے عمل میں آسکتی ہیں۔ جس کو مرزا صاحب کی صداقت میں ہنوز کوئی شبہ باقی ہو؟ پس جہاں تک خلوص اور نیک نیّتی کا تعلق ہے۔ ہم بلا خوف تردید اس کے دعویدار ہیں۔ باقی رہی غلطی جس کا ہم ابھی تک احساس نہیں کر سکے۔ اس کا ثابت کرنا آپ لوگوں کا کام ہے محض خلوص سے خدا سے ڈر کر کامل تحقیقات کے بعد آپ اس قابل ہو سکتے ہیں کہ آپ اس کا تصفیہ کر سکیں کہ آیا غلطی ہماری ہے یا آپ کی

آپ کے بعض علماء و زعماء خود ہمارے عقائد اور ایمان کو اور اس تعلیم کو جس پر ہم عمل کر رہے ہیں ہمارے مُنہ پر اس طرح توڑ موڑ کر کچھ کا کچھ بیان کر دیتے ہیں کہ حیرت ہی ہو جاتی ہے۔ اور باوجودیکہ ہم صریح طور پر اُن کو یہ اطلاع دے چکے ہیں کہ ہمارے یہ عقائد نہیں ہیں وہ اسی پر باصرار قائم رہ کر ہمارے عقائد ہمارے بیان کے مطابق نہیں بلکہ اپنی منطق کے مطابق کچھ کے کچھ بیان کر دیتے ہیں۔ اور اُسی پر اپنی مخالفانہ روش کو مبنی کرتے ہیں۔ کیا یہ طریق عمل خلوص اور مخلصانہ تحقیقات کی علامت ہے؟ اور اس طریق عمل کی موجودگی میں ہم کیوں کر آپ کے علماء کے خلوص و نیک نیتی پر اعتماد کر سکتے ہیں؟ اور جب علماء اپنے خلوص و نیک نیتی کو ابتداء کلام ہی میں اس طرح مشتبہ کر دیں۔ تو تا بہ پایاں کار چہ رسد! جب آپ کے علماء اتنی قوت بھی نہیں رکھتے۔ کہ ہمارے اعتقادات کو اُس طرح سے تسلیم کرکے جس طرح ہم بیان کرتے ہیں ان کی تردید یا تکذیب اور ہماری اصلاح کر سکیں۔ تو کیا امید ہو سکتی ہے کہ وہ اور اُنکی طفیل میں آپ خود اپنی جگہ پر اپنے اُن اعتقادات کی نسبت علیٰ وجہ البصیرت مطمئن ہیں۔ جن میں ہماری مخالفت کی جاتی ہے۔

کتنے تعجب، حیرت اور حسرت کی بات ہوگی، اگر مسلمان ہی صراط مستقیم سے بھٹک جائیں اور وہی اس ولیُّ حمید کی ربوبیّت عامہ سے دُور اور رحمت خاصہ سے محروم ہو جائیں۔ جو اپنی صفت "یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ"[1] کے مطابق انتشار رحمت کرتا رہتا ہے۔ یہ محرومی صرف اپنی ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ ورنہ اسکی رُبوبیّت عامہ اور رحمت خاصہ کا فیضان تو اس اُمت مرحومہ کے لئے اس طرح مختص ہے جس طرح ایک ماں کی محبت اپنے سب سے چھوٹے بچّہ پر سب سے زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ کیا ٹھکانہ ہے اُسکی اس رحمت خاص کا جس نے حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا خاتم الانبیاء ہادی اور قرآن جیسی مکمل و محفوظ شریعت عطا فرما کر اُمت مرحومہ کو اس بوجھ سے ہلکا کر دیا جو اُمم سابقہ کے

---

[1] وہ (اللہ) نا امیدی کے بعد بارش برساتا اور انتشار رحمت کرتا ہے۔ یہ اشارہ ہے سورۂ شوریٰ کی ان آیات کی طرف جن میں ہمارے رب نے رُبوبیّت عامہ کے بیان کے ساتھ نزول انبیاء کی ضرورت ظاہر فرمائی ہے۔ (پ۲۵ ع ۴)

لئے ناقابل برداشت ہوگیا تھا جو بار بار انبیاء اور شرائع کی آمد سے تکذیب کے نکال وعذاب اور تکفیر کی لعنت میں گرفتار ہوتے رہتے تھے۔ اب سردار دو عالمؐ کی بعثت ونزول قرآن پاک کے بعد نہ کسی جدید شریعت کی ضرورت رہی نہ اُس کے لانیوالے نبی کی گنجائش۔ اُمّت مرحومہ اس بارگراں سے سبکدوش ہوگئی۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا[۱]۔

لیکن اگر ایک طرف سردار دو عالمؐ کی اُمت پر یہ خاص فضل الٰہی ہے جو اس کیلئے حصن حصین کا کام دیتا ہے۔ تو دوسری طرف اسلام کے اس گلشن بے خار میں شیاطین الانس وقتاً فوقتاً فتنہ وفساد، تشتّت وتفرقہ پیدا کرتے رہتے ہیں اور جس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے گھر کے چوہے یا گھونسیں مکان کو جابجا برباد کر دیتے ہیں۔ اس لئے اُسکی اصلاح اور ترمیم کا حافظ حقیقی نے یہ انتظام کیا ہے کہ جس طرح مکان کی سالانہ صفائی اور مرمت کی جاتی ہے۔ اسی طرح ہر صدی پر مجدّدین اصلاح اُمت کے لئے آتے رہتے ہیں اور جس طرح عرصہ دراز کے بعد زمانہ کے اثر سے باغ اپنی معمولی بہار وثمرات دینے میں کمی کرنے لگتا ہے تو بالآخر ماہرین فن اس کی کانٹ چھانٹ وکھاد ومصالحہ کے ذریعہ سے اُس کو اسی سابقہ حالت پر لے آتے ہیں۔ اسی طرح کامل الفن ہدایت یافتہ مصلح (مہدی) کی خوشخبری دے کر مسلمانوں کو امیدوار کر دیا ہے۔ کہ بالآخر اس باغ سدا بہار کی اس طرح اندرونی اصلاح کر دی جائے گی۔ کہ وہ پھر پہلے کی طرح عمدہ پھل دینے لگ جائیگا۔ اور یہ فرستادہ الٰہی اتنا کامل الفن ہوگا کہ گویا خود محمّد بن عبداللہ آمنہ کے جائے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لگائے ہوئے باغ (اُمت مرحومہ) کی اصلاح کیلئے تشریف لے آئے ہیں۔ اور اس قوت وجلال کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ کہ باغ پر چوری چھپے سے حملہ کرنے والے لٹیروں کا بھی اپنے دم قدم ونظر سے قلع وقمع کر دیں گے۔ یعنی مسیحی آپ سے اس طرح مغلوب ہو جائیں گے گویا آپ سچ مچ مسیح ابن مریم علیہما السلام ہیں۔ جن کی خیالی پرستش اس وقت تک مسیحی کر رہے ہیں۔

---

[۱] اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ مت لاد جو کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر لادا۔ (پ ۳ - ع ۸)

ان حفاظتوں کے ساتھ واقعی محافظین و مصلحین کی شناخت کے لئے اگر ایک طرف کھُلے کھُلے معیار صداقت ہمارے ہاتھ میں دیدئے ہیں جن کا اشارہ ہم باب پنجم میں کرچکے ہیں۔ تو دوسری طرف ان کیلئے ایسے چوکی پہرے بھی لگادئے ہیں کہ جھوٹے سچّوں کی بجائے قائم نہ ہوسکیں اگرچہ گذشتہ تیرہ سو برس میں جھوٹوں نے سچّوں کے لباس میں آنے کی بہت کوششیں کیں۔ لیکن آخری نتیجہ نے صدق کو کذب سے علیحدہ کرکے نمایاں کردیا ہے۔ اس طرح مہدی اور مسیح کی بعثت اور اُن کی شناخت کا مسئلہ اگرچہ نہایت اہم اور ضروری مسئلہ ہے اور اس کے ماننے اور نہ ماننے کا اثر کفر و ایمان کے لئے فیصلہ کُن ہے لیکن اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کا یہ خاص فضل ہے۔ کہ اُس نے حق و باطل کے جانچنے اور رُشد و ہدایت کے حاصل کرنے کے لئے راستہ اتنا صاف اور آسان کردیا ہے کہ کسی قسم کے عذر کی گنجائش بھی باقی نہیں چھوڑی۔ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[۱]۔

جیساکہ ہم باب پنجم میں اشارہ کرچکے ہیں۔ قرآن پاک ہدایات و معیار صدق و کذب سے لبریز ہے۔ سُنت نبوی صلعم اور عمل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے صراط مستقیم کو واضح کردیا ہے اور علماء امّتي كانبياء بني اسرائيل[۲] نے جو کچھ اپنی رائے و افحات و اجتہاد سے اُس پر اضافہ کیا ہے وہ مزید برآں ہے۔ اگرچہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سب کا سب صحیح ہی ہو۔ کیونکہ قد يخطي ويصيب[۳] کا مصداق ہے۔ گویا وہ ایسا پانی ہے جو آسمان سے برس کر زمین میں مل گیا ہے۔ اور ارضی ردات کا اس میں کچھ نہ کچھ اثر آگیا ہے۔ اس لئے اس میں سے احتیاط کے ساتھ اصل و مصفّا پانی لے کر فائدہ اُٹھاؤ۔ باقی کو چھوڑ دو۔ خذ ما صفا ودع ما كدر[۴]۔

بعض سادہ دل پاک نیت مسلمان یہ کہہ دیتے ہیں کہ بھائی ہم کیا کریں ہم کو تو علم نہیں ہے اور علماء ہم کو جو کچھ سمجھاتے ہیں وہ تمہارے بیان سے بالکل ہی مختلف ہے۔ اُن کا

---

[۱] بے شک ہدایت گمراہی کے مقابلہ میں نمایاں ہوچکی ہے (پ۳ ع ۱) [۲] میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں (حدیث) [۳] تمام فرقوں کے علماء کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ اجتہاد کرنے والا خطا بھی کرتا ہے اور صحیح اجتہاد بھی۔ [۴] جو صاف ہے وہ لے لو اور جو گدلا ہے وہ چھوڑ دو ؞

یہ عذر حالات کے تو مطابق ہے۔ لیکن بارگاہ الٰہی میں قابل منظوری نہیں ہے۔ اس لئے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1] کے مطابق ہر ایک ذمہ واری خود اُسی پر ہے۔ حشر کے دن یہ عذر نہ سُنا جائیگا کہ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا[2]۔

پس ہر شخص جس کو یہ اطلاع پہنچ چکی ہے کہ آنے والا منتظر آ چکا ہے۔ وہ اس بات کا ذمہ وار ہے کہ اُس کی تصدیق کرے یا تحقیقات کر کے اپنی اُخروی ذمہ واری کو محسوس کر کے اس کا انکار کرے دوسروں کی تحقیقات پر اُس کا تکیہ و بھروسہ کارآمد نہ ہوگا۔ تحقیقات کی آسان ترکیب یہ ہے کہ خود مدعی پیغام الٰہی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی اپنی کتابیں یا اُن کے خلفاء کی تصنیفات دیکھو اور اس طرح دیکھو کہ مخالفین نے جو کچھ اُن کتابوں سے لیکر بیان کیا ہے اُس کی اصلی حقیقت واضح ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ مخالفین کی مقتبسہ عبارت کس سلسلہ بیان میں واقع ہوئی ہے۔ اور کل بیان کا کیا منشاء و مفاد ہے۔ اور مدعی کے پورے بیان کے لحاظ سے اُس کے کیا عقاید ظاہر ہوتے ہیں آیا وہ عقائد اسلامی ہیں یا غیر اسلامی۔ اگر عقائد صحیحہ مطابق اسلام ثابت ہوں۔ تو اُس کے بعد اس کی کتابوں سے اُس کی تعلیم کو دیکھو اور یہ معلوم کرو کہ آیا یہ تعلیم صحیح اسلامی تعلیم کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر اس کی نسبت اطمینان ہو جائے تو پھر اس کی صحبت یافتہ جماعت کو دیکھو کہ وہ اُس کی تعلیم پر کس طرح عمل کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ خود بخود ایسے نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔ جو آپ کو مطمئن کر دے گا۔ اور اس طرح تحقیقات کرنے کے بعد آپ اپنی ذمہ واری سے جو خدا کی جانب سے آپ پر عائد کی گئی ہے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ ورنہ یاد رکھو کہ کلام الٰہی وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى[3] تم پر پورا ہو جائے گا۔

---

[1] کوئی کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا (پ۱۵ ع ۲) [2] اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مان کر ایسا کیا ہے۔ پس اُنہوں نے ہم کو سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا ہے (پ۲۲ ع ۵)

[3] اور جس نے ہماری یاد سے مُنہ پھیرا تو اس کے لئے تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے دن ہم اُسکو اندھا کر کے اُٹھائیں گے۔ وہ کہیگا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا میں تو سُوجاکھا تھا اللہ تعالیٰ فرمائیگا اسی طرح (ہونا چاہیئے تھا دنیا میں) ہماری آئتیں تیرے پاس آئیں تُو نے اُن کو بُھلا دیا اور اسی طرح آج ہم بھی تجھ کو بُھلا دیتے ہیں (پ۱۶ ع ۱۶)

ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی و دلائل عقائد و تعلیم کو گذشتہ ابواب خصوصاً باب چہارم میں اختصار کے ساتھ لیکن بوضاحت بیان کر دیا ہے تفصیل کیلئے آپ ہمارے سلسلہ کی مبسوط کتابیں دیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً حقیقۃ الوحی۔ کشتی نوح۔ ازالہ اوہام۔ اربعین۔ تحفہ گولڑویہ۔ تریاق القلوب۔ نزول المسیح۔ شہادۃ القرآن۔ انجام آتھم۔ الوصیت وغیرہ تصنیفات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

مسیح موعود علیہ السلام کے عقائد و تعلیم کو آپ مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ اُن کے عقائد تعلیمات وہی ہیں جو اہل سنت والجماعت کی ہیں۔ آپ کا اپنا عمل قرآن، سنت و حدیث پر تھا۔ اور اگر کوئی بات جو احادیث و سنت میں نہ مل سکے تو اس کے لئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کرنے کی ہدایت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوی مسیحیت و مہدویت کی نسبت آپ جو چاہیں بعد تحقیقات کے نتیجہ اخذ کریں لیکن مسیح موعودؑ کے دعاوی کے سوائے بقیہ عقائد و تعلیم میں اہل سنت والجماعت سے آپ مطلقاً کوئی فرق نہ پائیں گے۔ آپ کے دعاوی مسیحیت و مہدویت کو صاف اور صحیح طریقہ پر جانچنے کی بہت ہی کم کوشش کی جاتی ہے خصوصاً زیر جواب رسالہ "قادیانی مذہب" میں اس جانب رُخ ہی نہیں کیا گیا اور زیادہ تر زور اس پروپیگنڈے پر صرف کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب قادیانی نے نبوت کا دعوی کر دیا ہے۔ اور چونکہ ختم نبوت کا مسئلہ زبان زد عام ہے، اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوئ نبوت کا غلغلہ ہی احمدیت سے نفرت کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ ہم نے اس جواب میں اس مسئلہ پر باب دوم میں بحث کر کے واضح کر دیا ہے کہ ہم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جس طرح دوسرے فرق اسلامیہ اس لفظ کی تفسیر و ترجمہ یا تاویل کرتے ہیں اُسی طرح بلکہ اس سے کمتر ہم بھی اس کی تاویل کے قائل ہیں اور ہماری تاویل بہ نسبت دوسرے فرقوں کی تاویل کے زیادہ قرین عقل و ادب ہے۔ باقی رہا ختم نبوت کا خیال۔ وہ ایک ایسا خیال ہے جو بظاہر بنی اسرائیل سے منتقل ہوا ہے۔

بنی اسرائیل جس قسم کی متمرد قوم تھی وہ ظاہر ہی ہے چنانچہ قرآن پاک سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد پہلے پہل اسی قوم نے "نبوت" کو ختم کر دینے کا

اعلان کر دیا تھا۔ گویا وہ پہلے ہی قدم پر رحمت خاصہ و ربوبیت عامہ کے فیضان سے آپنے آپ کو مستغنی خیال کرنے لگی تھی۔ چنانچہ سورۂ مومن میں اللہ تعالیٰ نے ایک مرد مومن کی زبان سے یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚۖ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝[۵۱]

ان آیات کو بار بار پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ یہود کو ان کی اس حماقت پر کس طرح شرمندہ کیا گیا ہے۔ کہ تم تو نبوت سے اس قدر بیزار ہو کہ جب نبی (یوسف علیہ السلام) آیا تو اس کے نشانات وصداقت میں شک ہی کرتے رہے۔ آکر چلا گیا تو آئندہ کے لئے یہ اصول بنا لیا کہ چلو اب چھٹی ہوگئی۔ آئندہ کوئی نبی نہیں آئیگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ اس طرح شک میں پڑے رہتے اور زیادتی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انکو گمراہی میں رہنے دیتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا تعالےٰ کی آیات میں بغیر کسی معقول و قطعی دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں جو اللہ اور ایمان والوں کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ چیز ہے۔ اس کے بعد عام اصول بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح متکبر اور جبّار قلوب پر مُہر لگا دیتا ہے (استغفر اللہ) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا[۵۲]۔

پس یہ خیال کہ نبوت ختم ہوگئی کوئی نیا خیال نہیں ہے۔ یہودیوں نے ابتداء ہی سے اس خیال کو رائج کیا ہے یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی انہوں نے یہ عقیدہ بنا لیا تھا کہ "اَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَ مُوْسٰى"[۵۳]۔ (مسلم الثبوت جلد ۲ صفحہ ۱۷)

---

[۵۱] بے شک اس سے پہلے (یوسف علیہ السلام) تمہارے پاس کھلے نشانات کے ساتھ آئے تو تم اس کی باتوں میں شک ہی کرتے رہے یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا کہ اب اللہ اور کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ گمراہی میں رہنے دیتا ہے اُن کو جو زیادتی اور شک کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی آیتوں کے بارے میں بغیر کسی قطعی دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں یہ بہت ناراضگی کی چیز ہے۔ اللہ اور مومنین کے نزدیک۔ اسی طرح (ان جرموں کی پاداش میں) مُہر کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک متکبر اور جبّار قلب پر (پ۲۴ ع ۹) [۵۲] اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت پانے کے بعد ٹیڑھے نہ ہونے دیجیو (پ۳ ع ۹) [۵۳] موسیٰ کے بعد نبی نہیں ہوگا (مسلم الثبوت صفحہ ۱۷)

سورہ جن و احقاف دونوں میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قبل اُمت بنی اسرائیل میں یہ خیال تھا کہ اب کوئی نبی یا کتاب نہیں آئیگی۔ چنانچہ سورہ جن کے الفاظ یہ ہیں:۔ " وَاَنَّھُمْ ظَنُّوْا کَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا[۵۱]۔

اور سورہ احقاف کے الفاظ اسی قوم جن کی زبان سے حکایتاً اس طرح ادا کئے گئے ہیں:۔ قَالُوْا یَاقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ یَھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ[۵۲]○ اسی طرح مسلمان بھی حدیث لَا نبیّ بعدی کی غلط طور پر اکثر یہودیوں کے ہم عقیدہ ہو گئے کہ اب نبوت ختم ہو گئی۔ اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ اگر آئیگا بھی تو اُمت محمدیہ سے نہیں اُمت اسرائیلیہ سے آئیگا۔ حالانکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے معنے سمجھانے کے لئے حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ:۔ قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ[۵۳]" (تکملہ مجمع البحار طاہر گجراتی ص۸۵)

اس لئے علمائے ربانیین نے اس حدیث کی توضیح میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث صرف نبی تشریعی کی آمد کو مانع ہے جس کا ذکر ہم باب دوم میں کر آئے ہیں۔

پس اس طرح سے یہ خیال کہ اسلام میں نبوت ختم ہوگئی اسرائیلیت کا اثر ہے۔ کیونکہ کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے ظاہر ہو کہ نبوت فی نفسہ من کل الوجوہ اُمت مرحومہ میں بند کر دی گئی ہے۔ قرآن پاک میں آپ کو صرف خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ سو اس پر ہمارا ایمان ہے اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں۔ چنانچہ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونیوالے ہر شخص کو حضرت امام جماعت احمدیہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ " میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرونگا" ہاں خاتم النبیین کے مفہوم کے متعلق ہم یہ

---

[۵۱] اور انہوں نے گمان کیا جیسا کہ تم گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اب کوئی رسول نہیں بھیجے گا (سورہ جن)

[۵۲] انہوں نے کہا اے ہماری قوم ہم وہ کتاب سُن کے آئے ہیں جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے اور پہلے کی سب باتوں کی تصدیق کرتی ہے۔ حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ (پ۲۶ ع ۴)

[۵۳] کہو کہ نبی کریم خاتم الانبیاء ہیں اور نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (حدیث)

کہتے ہیں کہ دوسری تمام نبوتیں ختم ہو گئیں۔ اُمت محمدیہ میں صرف محمدی نبوت باقی رکھی گئی ہے۔ یعنی رسول مقبول صلعم کی اپنی نبوت ہی باقی ہے۔ اور آپ کے تتبع آپ کے ورثہ کے طور پر اس مقام کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لئے وہ اُمتی نبی ہو سکتے ہیں۔ البتہ کوئی صاحب شرع جدید نبی نہیں آ سکتا۔ جو شریعت محمدیہ و نبوت محمدیہ کو منسوخ کر کے اپنی نبوت چلائے۔ اور ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان نبوت اب باقی نہیں رہا۔ اور آپ کی اتباع کی بدولت آپ کی اُمت میں مقام نبوت اب کسی کو نہیں مل سکتا۔ یہ غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالےٰ تو ہم کو روزانہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز ہی نہیں جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ اور سورۃ فاتحہ میں ہم کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ[۱] کی دعا سکھلائی گئی۔ کونسی صراط مستقیم۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[۲] وہ صراط جس پر چلنے والوں پر تُو نے انعام فرمایا ہے۔ کیا انعام وہ انعام جس کا ذکر سورۂ نساء کی آیات میں ہے:۔

"أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ"[۳] پ ۵ ع ۷۔

یعنی اللہ تعالےٰ نے انبیاء، صدیق، شہداء، صالحین پر انعام کیا ہے۔ پس سورۂ فاتحہ کے روزانہ پڑھنے کے یہ معنے ہوئے کہ ہر مومن اللہ تعالےٰ سے روزانہ کئی کئی بار ان مقدس گروہوں میں داخل ہونے کی استدعا کرے۔ اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ اگر دعائے مذکور کے تمام شرائط پورے اور مکمل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرتا ہے اور اُمت محمدیہ میں سے لاکھوں کی دعائیں قبول کی گئی ہیں۔ کوئی شہداء میں داخل ہوا ہے کوئی صدیقین میں تو کوئی صالحین میں۔ اسی طرح کوئی نہ کوئی شخص مقام قرب (نبوت) پر پہنچ سکتا ہے۔ (ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ)[۴] اور یہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اُمتِ محمدیہ کی عزت و عظمت ہے کہ وہ اپنے نبی کے فیضان سے الیٰ یوم القیامت فیضیاب ہوتی رہیگی۔ اور اس میں کسی کا کیا نقصان ہے۔ کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اُمت ہی مقام نبوت تک پہنچ جائے۔ اور آپ

---

[۱] ہم کو سیدھے راستہ کی رہنمائی کر۔ [۲] ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا [۳] جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی نبی، صدیق، اور شہید اور صالحین لوگ [۴] یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے وہ دیتا ہے (سورۂ جمعہ)

کی ساری روحانی آل واولاد اس عزت کو حاصل کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے ہی لوگوں کو جو نبوت جیسی نعمت کو عام نہیں کرنا چاہتے تھے فرماتے ہیں کہ :۔

"اے کاش یہواہ کے سارے بندے نبی ہوتے اور یہواہ اپنی روح ان سب میں ڈالتا" (گنتی باب ۱۱ آیت ۲۹)

یہ تو بڑی خوشی اور فخر کا مقام ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام، غلام رہ کر آپ کے تابعدار و خادم رہ کر۔ آپ کے نام لیوا رہ کر اس عزت کو حاصل کریں۔ البتہ بے عزتی اس میں ہے کہ آپ کی اُمت کے کسی فرد کے سوا کوئی غیر قوم کا نبی آپؐ کے بعد آئے اور آپؐ کے غلاموں پر حکومت کرے۔ ہم تو اس بے عزتی اور بے غیرتی سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ اسی لئے خود حضرت مسیحؑ ابن مریم اسرائیلی نبی کی آمد سے قطعاً منکر ہیں۔ ؎

بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم + گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

پس ہماری نسبت یہ مشہور کرنا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے منکر ہیں۔ ایک صریح افترا اور اتہام ہے اور ہم کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے کہ وہ ایسے مفترین کو بھی بغیر رُسوا کئے نہ چھوڑے گا۔ اس اتہام اور الزام سے برأت کے بعد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مسیحیت و مہدویت براہ راست قابل تحقیق و تنقید ہو جاتا ہے۔ اور ہم نے گذشتہ ابواب میں ان دعاوی و دلائل کو واضح کیا ہے۔ ان دعاوی و دلائل کو پیش نظر رکھ کر یہ امر ناظرین کے لئے قابل غور ہے۔ کہ آج کل مسلمانوں کی عام و اغلب حالت مذہبی اور سیاسی دونوں پہلوؤں سے کیا سے کیا ہو گئی ہے۔ اور آیا زمانہ اس بات کا مقتضی ہے یا نہیں کہ مسلمانوں کی اندرونی و بیرونی اصلاح کے لئے خدا کی جانب سے کوئی انتظام کیا جائے؟ اگر زمانہ کسی مصلح کو پکار رہا ہے تو آپ کا کام ہے کہ اُٹھیں اور اُس کو تلاش کریں۔ زمانہ کی پکار کے سننے اور سمجھنے کے کئی طریقے ہیں۔ آسمان بھی ندا دیتا ہے اور زمین بھی پکار رہی ہے۔ آسمانی ندا اجرام فلکی سے۔ اور زمینی ندا نجوم الارض (علماء، شعراء، مفکرین) سے آ رہی ہے۔ اجرام فلکی کی ندا میں سب سے زیادہ قابل سماعت وہ صدا اجرام فلکی ہے۔ جس کی نسبت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ بعثت مہدی و مسیح کے متعلق بایں الفاظ پیشگوئی فرمائی تھی۔ "اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَ

تَنْکَسِفُ الشَّمْسُ فِی النِّصْفِ مِنْہُ۔" (دارقطنی ص۱۸۸) کہ ہمارے مہدی کی صداقت کے دو نشان ہیں اور یہ صداقت کے نشان کسی کے لئے جب سے دُنیا بنی ہے ظاہر نہیں ہوئے۔ رمضان میں چاند کو (چاند گرہن کی راتوں میں سے) پہلی رات کو اور (سورج گرہن کے دنوں میں سے) درمیانے دن کو سورج گرہن لگے گا۔ چنانچہ یہ گرہن رمضان ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں لگا۔ اور یہ پیشگوئی لفظ بلفظ پُوری ہو گئی ؛

اس کے بعد اب زمانہ حال میں دوسرے اجرام فلکی کی ندا کے متعلق لاہور کے انگریزی اخبار "ٹربیون" کی ۸۔ جولائی ۱۸۹۹ء کی اشاعت کو دیکھئے جس میں ایک نجومی نے ایک مضمون شائع کرایا تھا جس کا اُردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔ اخبار مذکور کے مضمون کی مصدقہ نقل بھی ہم نے حاصل کر لی ہے جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔ انگریزی عبارت لکھنے میں لیتھو کی طباعت میں کچھ دشواری بھی ہے اس لئے ہم اُردو ترجمہ درج کرتے ہیں :-

"سنہ ۱۹۰۰ء سے ایک نئے دور کی ابتداء ہوتی ہے۔ سنہ ۱۸۹۰ء سے سنہ ۱۹۱۰ء تک ایک بڑے دَور کا خاتمہ ہوتا ہے جس کے ختم پر آفتاب ایک نئے بُرج میں داخل ہوتا ہے۔ یہ واقعہ قریباً ۲۱۶۰ سال میں ایک دفعہ ہوتا ہے۔ اور اس کا نظام شمسی پر ہمیشہ گہرا اثر پڑتا ہے ایسے موقعہ پر ستارے ایک جا جمع ہوتے ہیں اور اس طرح اُن کا جمع ہونا زمین پر بڑا اثر ڈالتا ہے۔ صحیح علم تاریخ کی رُو سے جب پچھلی دفعہ زمین ایک نئے بُرج میں داخل ہوئی تھی تو مسیح پیدا ہوئے تھے۔ حقیقت میں سنہ عیسوی ہمارے موجودہ حساب سے ۱۶۰ سال بعد شروع ہوا۔ یعنی جس کو ہم ۱۶۰ عیسوی کہتے ہیں وہ اصل میں سنہ عیسوی کا پہلا سال تھا۔ ہندوؤں کے فن تاریخ کے لحاظ سے جب آفتاب مسیح کی پیدائش سے پہلے نئے بُرج میں داخل ہوا تھا۔ تو اُس وقت کرشن پیدا ہوئے تھے۔

علم دقائق کے کچھ محققین کا اس پر اصرار ہے کہ سنہ ۱۹۰۰ء میں کلمۃ اللہ کا ایک نیا ظہور اور زمین پر خدا کا ایک نیا اوتار ہو گا جو انسانیت کیلئے وہ کچھ کریگا جو مسیح نے اپنے زمانہ میں کیا۔ محققین بتلاتے ہیں کہ ہر ۲۱۶۰ سال بعد ایک نیا بُدھ یا مسیح پیدا ہوتا ہے جو دنیا کو ایک اعلیٰ زندگی کے لئے بیدار کرتا ہے اور لوگوں کو وہ اعلیٰ علم دیتا ہے۔ جو صدیوں تک صرف چند لوگوں میں

محدود ہوتا ہے۔"

پس اسی طرح آسمانی ندائیں تو آ چکیں۔ حضرت ختمی مآب کی لسان نبوت سے اسکی تصدیق ہو چکی۔ زمانہ موجودہ کے نجومی اس کی تصدیق کر چکے۔ اس کے بعد زمینی صداؤں کو سنیئے! مگر کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سچ مچ انسانی صدا کے سوا اور کوئی غیر معمولی صدائیں زمین سے بلند ہوں گی؟ اگر ایسا ہوگا تو آپ اُس کو سمجھیں گے کیسے؟ زمانہ کی پکار کے یہی معنی ہیں کہ زمانہ کے لوگ بے اختیار ہو کر پکار اُٹھیں کہ اب وہ زمانہ آگیا جس کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ اب ایسا ہی ہو رہا ہے ہر شخص کا دل نہ صرف اس پکار کو سنتا ہے بلکہ خود پکار رہا ہے کہ اب مسیح و مہدی کو آجانا چاہیئے چنانچہ علماء و مشائخ صدیوں سے مسیح و مہدی کا شدید انتظار کرتے آئے ہیں۔ اور اپنے انتظار کو چودھویں صدی ہجری نبوی صلعم تک محدود کر دیا ہے۔ نواب صدیق حسن خانصاحب مرحوم نے اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحات ۳۹۲ تا ۳۹۵ پر اس کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ "بخاطر میرسد کہ شاید برسر صد چہاردہم ظہور وے اتفاق افتد" اور اس کے قبل ص۳۹۴ کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ :۔

"پس تواں گفت کہ ۱۵ سال از مائۃ ثالث عشر کہ باقی است ظہور کند یا برسر صد چہاردہم"

اس کے بعد صفحہ ۳۹۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"بالاجمال ایں قدر مے تواں گفت کہ زمانہ فاطمی منتظر قریب الحصول و مرجو القرب است زیرا کہ ہر آئندہ نزدیک و ہر فائت بعید مے باشد و وقوع امارات صغریٰ بجمیعہا و تغیر عظیم عالم و اہل عالم و ضعف تام اسلام و رفع علم و شیوع جہل و کثرت فسق و فجور و بغض و حسد و حُبّ شدید مال و قصر ہمت در تحصیل اسباب معاش و ذہول کُلّی از دار آخرت و ایثار کامل دنیا بر اخری امارت جلیہ و علامات بیّنہ قرب زمان ظہور اوست۔"

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۳۶۵ پر حضرت امام مہدی کے شوق انتظار میں روایت ابن عباس رض کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"من اولیٰ ترم بایں تمنا از طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ زیرا کہ زمان وے از زمان ظہور فاطمی موعود بعد تمام داشت و زمانہ من انشاء اللہ ہمعناں زمانہ اوست اگرچہ تعین وقت صحیح نشدہ اما لابد اقرب است از زمان وے و کل ما ہو آت قریب۔"

یہ وہ پکار ہے جو علماء اور مشائخین کی زبان سے بلند ہوئی ہے۔ اس کے بعد شعراء کی پکار بھی سن لو۔

مسلمانوں کے مشہور قومی شاعر مولانا حالیؔ نے اب سے بہت عرصہ پہلے قومی جذبات و تشنگی و طلب کا اظہار اس طرح کیا ہے :۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ
خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے

وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اُس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے

وہ دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں
اب اُس کا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آ کے ملائے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جو دین کہ ہمدرد بنی نوع بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے

جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکما کے
وہ عرصۂ تیغ جہلا و سفہا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی
پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

جس قصر کا تھا سر بفلک گنبدِ اقبال
ادبار کی اب گونج رہی اس میں صدا ہے

روشن نظر آتا نہیں واں کوئی چراغ آج
بجھنے کو ہے اب گر کوئی بجھنے سے بچا ہے

فریاد ہے اے کشتیٔ اُمت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

کر حق سے دعا اُمتِ مرحوم کے حق میں
خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

(مولانا حالی)

آپ اپنے موجودہ مسلمہ فلاسفر و قومی شاعر ڈاکٹر سر اقبال کی پکار بھی سنئے۔ وہ اپنی حالیہ تصنیف "ضرب کلیم"

میں کہتے ہیں کہ :-

یہ دورا پنے براہیم کی تلاش میں ہے + صنم کدہ ہے جہاں لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

یعنی مسلمانوں سے ایک خلیل اللہ پیدا ہوگا جس کی تلاش اور جس کا انتظار موجودہ زمانہ کر رہا ہے۔

یہ تو مسلمہ قومی شعراء تھے۔ غیر مسلمہ قومی شعراء میں سے بھی بعض کے چیخ و پکار کے نمونے ملاحظہ ہوں :-

اخبار "وطن" لاہور مئی ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں ایک نہایت اضطراب انگیز نظم شائع ہوئی تھی۔ جس کا مطلع تھا :-

یا صاحب الزمان بظہورت شتاب کُن

عالم زدست رفت تو پا در رکاب کُن

اخبار "زمیندار" مورخہ ۹- مارچ ۱۹۲۵ء میں "ایک مصلح کی آمد" کے عنوان سے ایک نظم شائع ہوئی تھی جس کے خاتمہ کا شعر یہ تھا :-

آنے والے آ- زمانے کی امامت کے لئے

مضطرب ہیں تیرے شیدائی زیارت کے لئے

حال کے دو اور شعراء کی قومی پکار کو سُن لیجئے- جو اخبار "الفضل" مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئے ہیں :-

ہم خدا سے دُعا کریں کیونکر | مُنہ کہاں ہائے مُنہ دکھانے کا
اب غرض یہ ہے اس کہانی سے | اور یہ مطلب ہے اس فسانے کا
کیجئے اب دعا کہ اے مالک | آچکا جو غضب تھا آنے کا
ہوچکا امتحان صبر و رضا | اب نہیں وقت آزمانے کا
بھیج آپ امام مہدی کو | یا طریقہ بتا بُلانے کا
اے امام الزمان! کہاں ہیں آپ | کچھ پتہ دیجئے ٹھکانے کا
اب نہ آئیں گے آپ تو کوئی | اس کی بگڑی نہیں بنانے کا
جلد آ جائیے جو آنا ہے | اب کب آئیگا وقت آنے کا

دیکھئے اک جہان ہے مشتاق — آپ کو آنکھوں پر بٹھانے کا
یہ تمنّا جو کر رہا ہے عرض — ہے غلام آپ کے گھرانے کا

(تمنّا عمادپوری)

آنیوالے عجب انداز عجب شان سے آ — نئے اعجاز دکھانے نئے سامان سے آ
تیرا اجلال جو تکلیف نہ فرمائے گا — پیکر مہدی موعود میں کون آئے گا

(سیماب)

نجومی و علماء و شعراء کے افکار آپ نے ملاحظہ فرمالئے۔ اب مسلمانوں کی موجودہ حالت کے متعلق اخبار نویسوں کے خیالات بھی دیکھ لیجئے :۔

"زمیندار" مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۵ء میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مسلمانان ہند کو مخاطب کرکے تحریر فرمایا گیا ہے کہ :۔

"تم کہلاتے تو میری اُمت ہو مگر کام یہودیوں اور بُت پرستوں کے کرتے ہو تمہارا شیوہ وہی ہو رہا ہے جو عاد اور ثمود کا تھا۔ کہ رب العالمین کو چھوڑ کر بعل، یغوث، نسر اور یعوق کی پرستش کر رہے ہو۔ تم میں سے اکثر ایسے ہیں جو میری توہین کرتے ہیں"

اخبار "البشیر" اٹاوہ دسمبر ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں رقمطراز ہے کہ :۔

"بعثت پیغمبر آخر زمان کے قبل عیسائیوں اور یہودیوں میں جو فرقہ بندی تھی۔ اُن کی تاریخ اُٹھا کر پڑھو۔ اور پھر آج کے علمائے اسلام کا اُن سے مقابلہ کرو۔ تو صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ آج بہت سے علمائے اسلام کی جو حالت ہے۔ وہ فوٹو ہے اُس زمانہ کے علمائے یہود اور نصاریٰ کا"

اخبار "الجمعیتہ" ۱۴۔ اپریل ۱۹۲۶ء لکھتا ہے کہ :۔

"دفعتہً پردہ اُٹھ گیا، دنیا کو صاف نظر آگیا کہ اُمت مسلمہ اگر کسی مجتمع شیرازہ اور کسی بندھی ہوئی تسبیح کا نام ہے تو آج صحیح معنوں میں اُمت مسلمہ ہی موجود نہیں ہے مگر منتشر اوراق ہیں۔ چند بکھرے ہوئے دانے ہیں۔ چند بھٹکی ہوئی بھیڑیں ہیں جن کا نہ کوئی ریوڑ ہے نہ گلہ بان"

اخبار "وطن" مورخہ ۱۳- جون ۱۹۳۰ء کا یہ جملہ قابل ملاحظہ ہے کہ:-

"مسلمانوں کی موجودہ پستی و تباہ حالی اور درماندگی کا سبب یہ ہے۔ کہ وہ اپنے مذہب سے روز بروز بیگانے ہوتے جاتے ہیں۔ اُن کے اعمال بے حد خراب ہوگئے ہیں۔ اُن کے اخلاق پست ہیں۔ اور صحیح اسلامی تعلیم سے مطلقاً بے خبر ہیں۔"

اخبار "مدینہ" بجنور ۱۲- دسمبر ۱۹۳۶ء کی اشاعت میں لکھتا ہے کہ:-

"آج کل مسلمانوں کی حالت کیا ہے۔ اس کا سطحی خاکہ مختصر یہ ہے۔ کہ وہ اُمور مذہب سے دُور کا تعلق نہیں۔ ان پر جان دینا شہادت سمجھتے ہیں۔ مگر جہاں اسلام کی حقیقت مٹی جا رہی ہو۔ اس کے متعلق کوئی زبان تک نہیں ہلاتا۔ اس وقت مسلمان جس قدر تعلیم نبویؐ اور اخلاق حمیدہ اور اُسوہ حسنہ سے بے بہرہ ہیں اور بدعت اور شرک و کفر اور نفاق و مظالم و معاصی میں گرفتار ہیں۔ اس کا بیان کرنا ضروری نہیں۔ شر و فساد، جھوٹ و فریب، دغابازی، مکاری، حرامکاری غرضیکہ کونسی بُرائی ہے جو ہم میں نہیں ہے۔ پھر طرفہ یہ کہ ہم اپنے آپ کو ایسی ذات سے وابستہ کریں جس کے ہم پیرو نہیں ہیں۔ ہم کو دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ لیکن ہمارے کام مسلمانوں کے نہیں۔"

یہی اخبار یکم دسمبر ۱۹۲۱ء کی اشاعت میں لکھ چکا ہے۔ کہ شاہ نعمت اللہ ولی کی نظم کے ایک شعر کے مطابق الفاظ "کُنْتُ کَنْضَ" سے بقاعدہ جمل ظہور مہدی کا زمانہ ۱۳۴۰ھ ظاہر ہوتا ہے۔ اور حالت موجودہ میں اس بات کی سختی سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ امداد غیبی کا بہت جلد ظہور ہو ؎

یہ تو ہندوستان کے علماء و اخبارات کی پکار ہے۔ ہندوستان کے باہر کے علماء مصر و شام کے خیالات سماعت فرمائیے۔ دہلی کے مشہور "صوفی" اخبار نویس خواجہ حسن نظامی صاحب نے ممالک اسلامیہ کے علماء مشائخین کی توقعات بنسبت ظہور مہدی علیہ السلام کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:-

"ممالک اسلامیہ کے سفر میں جتنے مشائخ اور علماء سے ملاقات ہوئی میں نے اُنکو

امام مہدی کا بڑی بیتابی سے منتظر پایا۔ شیخ سنوسی کے ایک خلیفہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اسی ۱۳۳۰ھ میں امام ممدوح ظاہر ہو جائیں گے۔"

(اہلحدیث ۲۶ جنوری ۱۹۱۲ء بحوالہ اخبار" فاروق" مورخہ ۷ جون ۱۹۳۷ء)

**علامہ رشید رضا اپنی کتاب "الوحی المحمدی" کے صفحہ ۲۴۹ پر تحریر فرماتے ہیں :۔**

" ان الاسلام لیس لہ زعامۃ والاجماعات تبث دعوتہ ولا دولت تقیم احکامہ وتنفذ حضارتہ بل صار المسلمون فی جملتھم حجۃ علی الاسلام وحجاباً دون نورہ۔"

" یعنی اسلام کے لئے آج نہ قائد ہے نہ ایسی جماعتیں ہیں جو اس کی اشاعت کر رہی ہوں۔ اور نہ ہی کوئی حکومت اس کے احکام کو قائم اور اس کے تمدن کو نافذ کر رہی ہے بلکہ مسلمان فی الجملہ اپنے حالات کی بناء پر اسلام کے خلاف دلیل بن رہے ہیں۔ اور اس کے نور سے روکنے کا ذریعہ۔"

اسی طرح علامہ امیر شکیب ارسلان اس سوال کا جواب دیتے ہوئے۔ کہ مسلمان کیوں دوسری قوموں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس کی ذمہ واری علماء پر ڈالتے ہوئے علماء وقت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

" اتخذوا العلم مھنۃ للتعیش وجعلوا الدین مصیدۃ للدنیا فسوغوا للفاسقین ۔ من الامراء اشنع موبقاتھم واباحولھم باسم الدین خرق حدود الدین ھذا والعامۃ المساکین مخدوعون بعظمۃ عمائم ھؤلاء العلماء وعلو مناصبھم یظنون فتیاھم صحیحۃ وآراھم موافقۃ للشریعۃ والفسادیۃ لک یعظم ومصالح الامت تذھب والاسلام یتقھقر والعدو یعلو ویتم کل ھذا اثمہ فی رقاب ھؤلاء العلماء۔"

یعنی انہوں نے علم کو معشیت کا ذریعہ اور دین کو دنیا کمانے کا آلہ بنا لیا ہے۔ اسی لئے بدکار امراء کے لئے دین کے نام پر ان بدکاریوں کو جائز قرار دیا۔ اور دین کی حدود کو

توڑا۔ درآنحالیکہ عام لوگ ان علماء کی پگڑیوں کی بڑائی ۔اوران کے بلند مقامات سے دھوکہ خوردہ ہیں ۔ وہ ان کے فتوے کو صحیح اور اُن کی آراء کو اسلامی شریعت کے مطابق سمجھتے ہیں۔ اس طرح سے روز بروز فساد بڑھ رہا ہے اور مسلمانوں کے فائدہ بخش امور ضائع ہو رہے ہیں۔ اسلام کا قدم تنزل کی طرف جا رہا ہے ۔ اور دشمن غالب ہو کر دلیر بن رہا ہے ۔ اس تمام حالت کا گناہ ان علماء کی گردن پر ہے ۔"

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل ایڈیٹر اخبار "السیاستہ" قاہرہ اپنی کتاب "حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے دیباچہ کے صفحہ ۱۲ میں لکھتے ہیں کہ :۔

"ولقد تراکم ھذا الجھل علی مر القرون وقامت لہ فی نفوس الاجیال تماثیل واوثان یحتاج تحطیمھا الیٰ قوت روحیۃ کبریٰ کقوۃ الاسلام اول ظھورہ"

کہ جہالت صدہا سال سے انسانی دماغوں پر مسلّط ہو چکی ہے اور اس کے مجسمے اور بُت انسانی قلوب میں اس مضبوطی سے گڑ چکے ہیں۔ کہ ان کے پاش پاش کرنے کے لئے بہت بڑی روحانی قوت کی جیسا کہ ابتدائے اسلام میں ظاہر ہوئی تھی ضرورت ہے ۔"

علامہ طنطاوی جوہری سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے صہ ۳۹ میں لکھتے کہ :۔

"واعلم ان ھذا الزمان ھوالصالح لظھور المقصود من القراٰن فی بلاد الاسلام"

کہ یہی زمانہ دنیائے اسلام میں قرآن کے حقیقی مقصود کے ظہور کیلئے مناسب زمانہ ہے۔"

زمانہ کی اس حالت وضرورت اور مصلح کی طلبی کیلئے عام پکار کو پیش نظر رکھکر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی اُس زجر و توبیخ کو ملاحظہ فرمایئے جو آپ نے اپنی بعثت کے وقت علماء یہود کو فرمائی تھی :۔

" شام کو تم کہتے ہو کھلا رہے گا کیونکہ آسمان لال ہے ۔ اور صبح کو یہ کہ آج آندھی چلے گی۔ کیونکہ آسمان لال اور دُھندلا ہے ۔ تم آسمان کی صورت میں تو تمیز کرنا جانتے ہو مگر زمانوں کی علامتوں میں تمیز نہیں کرسکتے ۔"

(متی باب ۱۶ آیت ۲ و ۳)

"جب بادل پچھم سے اُٹھتے دیکھتے ہو۔ تو فوراً کہتے ہو کہ مینہ برسے گا۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور جب تم معلوم کرتے ہو کہ دکھنا چل رہی ہے۔ تو کہتے ہو کہ لو چلے گی۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے۔ اے ریاکارو! زمین اور آسمان کی صورت میں تو امتیاز کرنا تمہیں آتا ہے۔ لیکن اس زمانے کی بابت امتیاز کرنا کیوں نہیں آتا۔ اور تم اپنے آپ ہی کیوں فیصلہ نہیں کر لیتے کہ واجب کیا ہے۔" (لوقا $\frac{12}{53 \text{ تا } 58}$)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان اقوال کے مطابق زمانہ کی موجودہ حالت دیکھ کر آپ خود کوئی حکم لگائیے کہ زمانہ کیا چاہتا ہے۔ آیا یہ چاہتا ہے کہ بارگاہِ الٰہی سے مسلمانوں کیلئے کوئی مدد آئے یا یہ چاہتا ہے کہ بمصداق "کوڑھ میں کھاج" کوئی مزید فتنہ پیدا کیا جائے؟

اب سے نہیں صدیوں سے مسیح و مہدی کا انتظار رہا ہے ایسا انتظار کہ بزرگان دین نے اُنکی خدمت کیلئے دعائیں اور آرزوئیں کی ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ میں منتظرین کا یہ انتظار اشد من الموت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اور اُنکی آمد کے شوق میں مسلمان مفکرین اور علماء پکار اُٹھے ہیں۔ کہ مسلمانوں کی اصلاح اب اسی میں ہے کہ کوئی دینی مرکز و عمارت ایسی قائم ہو جس پر جملہ مسلمان متحد ہو سکیں۔ اس شوق میں مختلف صوبوں میں امارتیں قائم ہوئیں اور ٹوٹیں جس طرح پنجاب میں پیر جماعت علی شاہ صاحب اور دوسرے بزرگوں کا حشر ہوا۔ بہار میں اگرچہ ابھی تک برائے نام امیر شریعت کا عہدہ باقی ہے۔ مگر وہ اپنا سارا اثر و جذب کھو چکا ہے۔ ان امارتوں کا قیام امام مہدی و مسیح موعود کے انتظار میں اس دیوانگیٔ عشق کو ظاہر کرتا ہے۔ جو مجنوں سے لیلیٰ کے فراق میں ظاہر ہوئی تھی۔ کہ اپنے تسکین قلب کے لئے وہ زمین پر بار بار لیلیٰ کا نام لکھ کر مٹاتا رہتا تھا۔

| | |
|---|---|
| دید مجنوں را یکے صحرا نورد[1] | در بیابان غمش بنشستہ فرد |
| ریگ کاغذ بود و انگشت آں قلم | مے نویسد بہر کس نامہ رقم |
| گفت اے مجنوں تو شیدا کیستی | مے نویسی نامہ بہر کیستی |
| گفت مشق نام لیلیٰ میکنم | خاطر خود را تسلّی مے دہم |

[1] جنگل میں چلنے والے ایک شخص نے مجنوں کو دیکھا کہ وہ اکیلا جنگل میں غمگین بیٹھا تھا۔ ریت کو کاغذ اور انگلی کو قلم بنا کر کسی کے نام تحریر لکھ رہا تھا۔ اس شخص نے کہا اے مجنوں تو کس پر فریفتہ ہے کس کو خط لکھ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں۔ اور اپنے دل کو اس طرح تسلّی دے رہا ہوں ۔

یہی حال مسلمانوں کا آج کل مہدی و مسیح موعود کے شوق کے انتظار میں ہو رہا ہے۔ کہ اُن کے شان وعہدہ کی نقل کر کے ہر صوبہ میں امارت شریعت قائم کرتے ہیں اور خود ہی مٹا دیتے ہیں اور اپنے جنون عشق میں اتنے مست ہیں کہ جس امامت کو وہ خود قائم کرنا چاہتے ہیں جب وہ امامت خدا کی جانب سے قائم ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ تو اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ حالت اس سگ گزیدہ کی طرح ہے جو پانی کے لئے العطش العطش کرتا ہے۔ لیکن جب پانی سامنے آتا ہے تو اس سے جھجک جاتا ہے۔ اور یہ جھجک اس کو مایۂ حیات سے محروم رکھتی ہے۔ جس کا وہ بصد شوق طالب تھا۔

يَاحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ [۱]

ایک طرف زمانہ کی اس تشنگی اور طلب و پکار کو دیکھو، اور دوسری طرف علماء کی باہمی منافست اور عوام کی شدت جہالت کو دیکھو تو بے اختیار دل پکار اُٹھے گا کہ کوئی مصلح کوئی امام آنا چاہیئے جو ان نزاعات باہمی کا خاتمہ کر سکے۔ مولانا روم نے ہر زمانہ کے لئے ایسے دستگیر، ہادی اور مہدی کی ضرورت کو بڑی وضاحت سے اپنی مشہور مثنوی کے دفتر دوم میں بعنوان "بیان منازعت کردن چہار کس جہت انگور باہمدگر بعلت آنکہ زبان یکدگر را نمی دانستند" بیان فرمایا ہے۔ جس کا حوالہ ہم باب چہارم میں دے چکے ہیں۔ اور اس کے چند مزید اشعار جو اس موقعہ کیلئے ضروری ہیں معہ ترجمہ یہ ہیں:- [۲]

| | |
|---|---|
| چوں سلیماں گر سوئے حضرت بتاخت | او زبانِ جملہ مُرغان را شناخت |
| جوں سلیماں جو سوئے حضرت گیا | بولی سے مرغوں کی وہ واقف ہُوا |

---

[۱] بندوں کے حال پر بڑا ہی افسوس ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسا رسول نہیں آیا جسکی انہوں نے تضحیک نہ کی ہو۔ پ۲۳ ع۲

[۲] کیا ڈاکٹر سر اقبال جو مولانا روم کے روحانی شاگرد ہونے کے دعویدار ہیں۔ مولانا کی نئے عرفان کی اس سُریلی آواز کو سُننے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے ؟ کیا مولانا کا یہ روحانی اور ایمانی فلسفہ ڈاکٹر سر اقبال کے خیالات پر کوئی اثر ڈال سکے گا ؟ اے کاش ! وہ اپنے مخالفانہ خشک مضامین کا مقابلہ (جو ہمارے خلاف لکھے گئے ہیں) مولانا کے اس رُوحانی راگ سے کر سکتے جس کی ہر تان آسمان پر جاتی اور ایک نُور اپنے ساتھ لاکر دل پر پڑتی ہے ؏

در زمان عدلش آہو با پلنگ — انس بگرفت و برون آمد ز جنگ

عہد میں ان کے ہرن ہوں یا پلنگ — متفق ہیں اور نہیں کرتے وہ جنگ

شد کبوتر ایمن از چنگال باز — گوسفند از گرگ ناورد احتراز

ہے کبوتر ایمن چنگال باز — بھیڑ کو کب بھیڑیئے سے احتراز

او میانجی شد میان دشمناں — اتحادی شد میان پر زناں

ایلچی وہ دشمنوں میں ہوگیا — اتحادی وہ پرندوں میں بنا

تو چو مورے بہر دانہ مے دوی — ہاں سلیماں جو چہ مے باشی غوی

بہر دانہ کیوں رواں ہے مثل مور — کر سلیماں کی تلاش اے مرد کور

دانہ جو را دانہ اش دامے شود — واں سلیماں جوئے را ہر دو بود

دانہ جو کو دانہ ہو جاتا ہے دام — جو سلیماں ڈھونڈے پس دونوں ہوں کام

مرغ جانہا را دریں آخر زماں — نیست شاں از ہم دگر یکدم اماں

اس زمانے آخری میں مرغ جاں — پا نہیں سکتے ہیں آپس میں اماں

ہم سلیماں ہست اندر دورِ ما — کہ دہد صلح و نماند جور ہا

وہ سلیماں ہیں ہمارے عہد میں — جو ڈرا کر متفق رکھیں ہمیں

قول اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ را یاد گیر — تا بہ اِلَّا وَخَلَا فِیْھَا نَذِیْر

قول اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ پڑھ اے خبیر — تا بہ اِلَّا وَخَلَا فِیْھَا نَذِیْر

گفت خود خالی نبود است امتے — از خلیفہ حق و صاحب ہمتے

دیکھ خالی کوئی امت ہے کہاں — حق کے نائب سے جو با ہمت ہیں ہاں

مرغ جانہا را چناں یکدل کند — کہ صفاشاں بے غش و بے غل کند

جان کے مرغوں کو یوں یکدل کریں — صاف ان کو بے غش و بے غل کریں

مشفقاں گردند ہم چوں والدہ — مسلموں را گفت نفس واحدہ

مہرباں وہ ہو گئے جوں والدہ — مسلموں کو بولے نفس واحدہ

از نزاع ترک و رومی و عرب — حل نہ شد اشکال انگور و عنب

تا سلیمانؑ امین معنوی
وہ سلیمانؑ امین معنوی

جملہ مرغانِ منازع باز وار
مُرغ مثل باز جو ہیں جنگ میں

زاختلافِ خویش سوئے اتحاد
چھوڑیں جھگڑے آئیں سوئے اتحاد

حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
جس جگہ تم ہو ادھر مُنہ پھیر لو

کور مرغانیم و بس ناساختیم
ہم ہیں مُرغ کور اور ناسازگار

ہم چو چغداں دشمن بازاں شدیم
باز کے دشمن ہیں اُلّو کی طرح

می کنیم از غایتِ جہل و عمیٰ
اندھے پن سے اور جہالت سے کیا

جمع مرغاں کز سلیماں روشن اند
جو سلیماں سے ہوئے ہوں دیدہ ور

بلکہ سوئے عاجزاں چینہ کشند
عاجزوں کو دانہ دیتے ہیں زیاد

ہُد ہُد ایشاں پئے تقدیس را
ہُد ہُد اُن کا ہوتا ہے عزت فزا

زاغِ ایشاں گر بصورت زاغ بود
زاغ ان کا گو بظاہر زاغ تھا

لک لکِ ایشاں کہ لک لک میزنند

در نیاید بر نخیزد ایں دوئی
گر نہ آتے، کیونکر اُٹھے یہ دوئی

بشنوید ایں طبلِ بازِ شہریار
طبلِ بازِ شہریار اب سب سنیں

ہیں زہر جانب رواں گردید شاد
تا کہ روحیں سب کی پھر ہو جائیں شاد

نَحْوَهٗ هٰذَا الَّذِيْ لَمْ يَنْهَكُمْ
منع کب حق نے اس حکم کو

کاں سلیماں را دمے نشناختیم
ہم نے پہچانا سلیماں کو نہ یار

لاجرم وا ماندہ و ویراں شدیم
ہو گئے ویران ہم بُو کی طرح

قصدِ آزارِ عزیزانِ خُدا
قصد اہل اللہ کے آزار کا

پر و بالِ بے گنہ کے بر کنند
مرغ وہ بے جرم کب نوچیں گے پر

بے خلاف و کینہ آں مرغاں خوشند
بے خلاف و کینہ ہیں وہ مرغ شاد

مے کشاید راہِ صد بلقیس را
راستہ کھولے وہ سو بلقیس کا

باز ہمت آمد و ما زاغ بود
جبکہ با ہمت ہُوا ما زاغ تھا

آتش توحید در شک میزنند

وان کبوترشان زبازان نشکهد
باز سے اُن کے کبوتر کب ڈرے
بلبلِ ایشاں کہ حالت آرد او
بلبل ان کے وجد میں اکثر رہیں
طوطی ایشاں ز قند آزاد بود
اُن کے طوطی قند سے آزاد ہیں
پائے طاؤسان ایشاں در نظر
پاؤں موروں کے ذرا تم دیکھتا
کبک ایشاں خند بر شاہیں زند
کبک بے باک اُن کے شاہیں پر ہنسیں
منطق الطیران خاقانی صداست
منطق الطیران خاقانی ہے قال
تو چہ دانی بانگ مرغاں را ہمے
تو صدا مرغوں کی ہے کیا جانتا
پر آں مرغے کہ بانگش مطرب است
کی طرب افزائی جس کی بانگ نے
ہر یک آہنگش ز کرسی تا ثریست
کرسی سے ہر اک صدا ہے تا ثریٰ
مرغ کو بے ایں سلیماں می رود
بے سلیماں مرغ جو تنہا اُڑے

باز سر پیش کبوترشاں نہد
باز سجدے میں ہے اُن کے سامنے
ور درونِ خویش گلشن دارد او
رکھتے ہیں گلزار اپنے قلب میں
کز دروں شاں قند او شاں رو نمود
اپنے دل سے قند پا کر شاد ہیں
بہتر از طاؤس پرانِ دگر
دوسرے موروں سے اُڑتے ہیں سوا
در معلق راہِ علیین زند
اور علیین کی وہ راہ لیں
منطق الطیر سلیمانی کجاست
منطق الطیر سلیمانی ہے حال
چوں نہ دیدی مر سلیماں را دمے
ہم نشیں تو کب سلیماں کا رہا
از برونِ مشرق است و مغرب است
اس کے پر باہر ہیں شرق و غرب سے
وز ثریٰ تا عرش در کر و فریست
اور ثریٰ سے عرش تک نامِ خدا
عاشقِ ظلمت چو خفاشے بود
ظلمتوں میں بن کے چمگادڑ رہے

با سلیماں خو کن اے خفاش رو
رُخ سلیماں کی طرف خفاش کر
تا کہ در ظلمت نمانی تا ابد
تا نہ ٹھہرے ظلمتوں میں عمر بھر

مولانا کا یہ پورا کلام فی نفسہٖ حدیث بعثت مجددین کی ایک واضح اور کامل تشریح ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک قوم کے بقاء و قیام و ترقی کیلئے ایک قائد و سائق و امام کا وجود لازمی ہے۔ جس کے بغیر کوئی قوم من حیث القوم ترقی کرنا تو کجا اپنی حاصلہ عزت اور مقام عزت بھی بساطِ زمانہ پر قائم نہیں رکھ سکتی۔ اسی لئے اسلام نے امامت کے مسئلہ کو اپنے وجود کے لئے ریڑھ کی ہڈی قرار دیا ہے۔ علماء جانتے ہیں اور بخوبی واقف ہیں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا التزام فرمایا تھا اور مسلمانوں کو تاکید کی تھی کہ جب ۲ دو یا دو سے زیادہ مسلمان سفر کریں۔ تو سفر میں بھی تم میں سے ایک امام ہونا چاہیئے۔ چہ جائیکہ حالتِ حضر میں عین مسلمانوں کی آبادی ہیں، اور اطاعت کی ایسی ترغیبات اور اس سے انحراف کیلئے سخت ترین ترہیبات احادیث میں آتی ہیں۔ صُوفی تو

"مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ وَمَاتَ۔ فَمَاتَ مِيْتَةً الْجَاهِلِيَّةً"[1]

تک کے قائل ہیں۔ شیعوں کے تو عقائد ہی میں امامت کا مسئلہ داخل ہے۔ لیکن کیسی افسوسناک بات ہے کہ جس مذہب کے کُل و جزو کا دار و مدار امام کے وجود پر ہو، وہ مذہب مسئلہ امامت سے اس طرح غافل ہو جائے۔ شیعوں نے باوجود مسئلہ امامت پر دار و مدار رکھنے کے بارہ[12] اماموں کو معصوم تسلیم کر کے آخری امام کو غائب کر دیا۔ اور نا رجعت و ظہور ثانی اُس کے خیالی نقباء و نائبین کے وجود پر تسکین حاصل کر کے اپنا کام چلاتے ہیں۔ اہل سُنت والجماعت نے اپنا نام تو اہل سُنت والجماعت رکھ لیا، لیکن امامت سے اس طرح بے نیاز ہو گئے گویا صرف چار اماموں تک مذہب ختم ہو گیا۔ پوچھئے کہ جماعت بغیر امام کے بھی کوئی وجود رکھتی ہے یا نہیں ہ یقیناً کہیں گے کہ نہیں! لیکن باوجود اس کے وہ کسی امام کے وجود کے فی زمانہ قائل ہی نہیں ہیں۔ یہ حالت تو مسلمانوں کے اندرونہ کی ہے۔

بیرونی حالت یہ ہے کہ اُن کے علماء امام زمانہ بنام "امیر شریعت" قائم کرنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔ مگر مشکل یہ آپڑی ہے کہ اپنے وجود کے سوا دوسروں کے

---

[1] جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا اور اسی حالت میں مرگیا تو وہ جہالت کی موت مرا۔ (حدیث)

وجود میں ان کو امارت یا امامت کے شرائط پورے ہوتے نظر نہیں آتے۔ اس لئے نہ تو کوئی ان کو امام یا امیر بناتا ہے، اور نہ وہ کسی دوسرے کو بننے دیتے ہیں۔ بات دراصل یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ بُعد زمانہ خیر القرون کی وجہ سے مسلمانوں میں اطاعت و انقیاد کا مادہ ہی باقی نہیں رہا۔ موجودہ زمانہ کی ہوا نے ان کو آزادی کے غلط راستہ پر ڈال دیا ہے وہ صرف ہوائے نفس کو ہی آزادی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بدترین غلامی ہے۔ رحیم و کریم آقا کو چھوڑ کر نفس کی غلامی میں سوائے رسوائی و ذلت کے کیا دھرا ہے؟ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی تھوڑے سے دھوئیں سے بھاگ کر آگ میں گرنے کو پسند کرے۔

اے ز دُود سے جستہ در نارے شدہ

لقمۂ غارے شدہ مارے شدہ

اور صرف یہی نہیں کہ اطاعت و انقیاد کا مادہ سلب ہو گیا ہے، بلکہ بجائے اس کے تکبر اور غرور اُن کے دلوں میں اس طرح رچ گیا ہے، کہ اس کو محسوس ہی نہیں کر سکتے۔ اس تکبر اور غرور کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب اُن کو واقعی کوئی وعظ و نصیحت کی جائے۔ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کا فرض ادا کیا جائے۔ وعظ و میلاد و سیرت نبوی کے جلسے تو بڑی شان و شوکت اور نمائش کے ساتھ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں اور اُنکے مضحکات و مبکیات سے لُطف اُٹھاتے ہیں۔ لیکن اگر واقعی طور پر ان کے عیوب و مفاسد کی اصلاح کی کوشش کی جائے، تو بے لُطف ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ تو اس قسم کے سابقے بہت کچھ پڑ چکے ہیں۔ جہاں ہماری جماعت نے تبلیغ بین المسلمین کا نام لیا، تو ان کے مزاج کا پارہ چڑھ گیا۔ وہ یہ گوارا ہی نہیں کرتے، کہ اُن کو کسی طرح تبلیغ کی جائے۔ "تبلیغ" کا لفظ ہی ان کے لئے چڑ ہو گیا ہے۔ بڑے بڑے مہذب و شائستہ و تعلیم یافتہ اور ایک طرح سے مذہبی معلومات رکھنے والے بزرگ بھی اس لفظ سے چڑتے ہیں۔ اور چونکہ جماعت ہماری کمزور بھی ہے، اور نرمی و لینت کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔ اس لئے بعض مقامات پر ہمارے مبلّغین کی ہڈیاں بھی اچھی طرح نرم کی جاتی ہیں۔ خود میرے بعض احباب و شناساؤں نے ہماری جد و جہد تبلیغ بین المسلمین کو بڑی ہی ناگواری اور ناپسندی کے لہجہ میں میرے سامنے ذکر کیا ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں، کہ تبلیغ صرف

کافروں یا غیر مسلموں کو کی جانی چاہیئے۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اسلامی حق کو قطعاً بھول گئے ہیں۔ اور تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ پر عمل اُن کی رائے میں بین المسلمین قطعاً بے محل اور بے موقع ہو گیا ہے۔ یہ بڑے بڑے ذی علم اور ذی اثر لوگوں کا حال ہے، تو چھوٹوں اور عوام کا کیا ذکر۔ شاید اسی لئے قرآن پاک نے شہروں کے بڑے بڑے لوگوں کے فسق کو شہر کی تباہی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے کہ :۔

"وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا"[۵۱]

فسق کے معنی امر الٰہی سے اعراض کرنے کے بھی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ :۔

فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ[۵۲]

یعنی امر الٰہی سے ہٹ گیا۔ پس "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کو ناگوار سمجھنا اور اس سے اعراض کرنا بھی فسق ہی کے معنوں میں آسکتا ہے۔ اُمّت محمدیہ کی تعریف قرآن پاک میں کی گئی ہے :۔

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ"[۵۳]

جس قوم کا خیر اُمّت ہونا ہی منحصر ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر، وہی اُمّت آج اس سے متنفر ہو گئی۔ یا للعجب۔

احادیث میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترغیب دی گئی ہے اور جتایا گیا ہے کہ جس دن یہ کام مسلمان چھوڑ دیں گے اُسی دن سے انکی حکومتیں بھی دنیا سے اُٹھ جائیں گی۔ آج دنیا میں دیکھ لو کہ کیا مسلمان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم پر عمل کرتے ہیں؟ اور عمل نہ کرنے کی وجہ سے دُنیا میں کس درجہ تک معزز ہیں۔ جس قوم کے لئے تواصی بالحق اور امر بالمعروف کو اسکی بنیاد و قیام و قوت قرار دیا گیا ہے۔ وہ قوم اگر اس ہدایت سے منحرف ہو کر اپنی قوت و

---

[۵۱] اور جب ہم کو کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے تو ہم اس گاؤں کے خوشحال لوگوں کو ایک حکم دیتے ہیں۔ پس وہ اس میں فسق کرتے ہیں (پ۱۵ ع۲) [۵۲] (پ۱۵ ع۱۹) [۵۳] تم سب اُمتوں سے بہتر اُمت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو (پ۴ ع۲)

شوکت کو کھو دے تو اس میں قصور کس کا ہے؟

یہ بے راہ روی اس وقت تک زائل نہیں ہو سکتی جب تک کہ خدا کی قائم کی ہوئی امامت اور امام مامور من اللہ کو قبول نہ کیا جائے۔ اور اس وقت اور صرف اُسی وقت مسلمان اس زمانہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ جس کے دیکھنے کے لئے وہ صدیوں سے مشتاق چلے آتے ہیں۔ دوسرا کوئی شخص خواہ کتنی بڑی وجاہت کا مالک ہو وہ مسلمانوں کو ایک نقطہ اور مرکز اتحاد پر جمع نہیں کر سکتا۔

جماعت احمدیہ کی حالت کو دیکھ لو، کہ وہ کس طرح اپنے امام اور اُن کے خلفاء کی بدل و جان اطاعت کرتی ہے۔ ہمارا یہ منشاء نہیں ہے کہ اس جماعت کے جُملہ افراد ایک ہی طرح کی حالت اطاعت میں ہیں لیکن غالب حصہ جماعت بحیثیت مجموعی اُسی قسم کی اطاعت کر رہا ہے۔ جس کی توقع ہو سکتی ہے۔ زمانہ کی حالت کو دیکھو اور یہ اندازہ کرو، کہ یہ چھوٹی سی جماعت کس طرح چاروں طرف سے ایسے ماحول میں گھری ہوئی ہے، جو جماعت کے مطمح نظر سے ہر طرح مختلف ہے۔ اس لئے جماعت کے بعض افراد اپنے ماحول سے ضرور متاثر ہوتے ہوں گے۔ اس لئے کہ جب ساری دنیا میں وباء پھیلی ہوئی ہو۔ اور ہوا میں سمیت پیدا ہو گئی ہو۔ تو وہ لوگ جو وباء کے اثر سے محفوظ سمجھے جاتے ہیں، پھر بھی کسی نہ کسی طرح مضمحل سے ضرور رہتے ہیں۔ یہی حالت اس مختصر سی جماعت کی ہے۔ کہ ماحول کے اثرات سے کچھ نہ کچھ اس جماعت کے افراد بھی متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی اس جماعت نے جو اطاعت کا نمونہ دکھایا ہے، وہ مسلمانوں کے لئے خاص طور پر اور ہر ایک منظم جماعت کیلئے عام طور پر قابل توجہ ہے۔ اگر مسلمان جوق در جوق اس جماعت میں شریک ہو جائیں، اور کثرت انہی کی ہو جائے، تو زمانہ خود بخود رنگ بدل دیگا۔ لیکن مشکل یہ ہے، کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ مرتکز کر دیا گیا ہے، کہ مہدی اور مسیح موعود علیہما السلام اس طرح سے آئیں گے، کہ خود بخود ساری دنیا ان کی مطیع و منقاد ہو جائے گی۔ مسلمانوں کو کچھ بھی کرنا نہیں پڑیگا۔ اس لئے مسلمان اپنی جگہ پر بے فکر و بے غم اس طرح بیٹھے ہیں، جیسے کوئی تماشہ دیکھنے والا بیٹھ جاتا ہے۔ اور سمجھتے ہیں، کہ آسمان سے حضرت عیسے علیہ السلام فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے مسجد دمشق کے منارہ یا خانہ کعبہ

کی چھت پر اُتریں گے۔ اور مہدی علیہ السلام کی نسبت آسمان سے ندا آجائے گی۔ اور بغیر اس کے کہ وہ کوئی دعویٰ کریں خود بخود مسلمان کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اُن کو پہچان لیں گے اور بیعت کرلیں گے۔ وہ ساری دنیا کو فتح کر کے اور مسلمان بنا کر مسلمانوں کے سپرد کر دیں گے۔ لیکن کوئی ان بھولے بھالے اور دھوکہ خوردہ مسلمانوں سے پوچھے، کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام یا مہدی علیہ السلام دمشق یا کعبے میں تمہارے ذہنی نقشوں کے مطابق آ بھی گئے، تو تم کس طرح شناخت کر لو گے؟ کیا یہاں بیٹھے بیٹھے ٹیلیویژن کے ذریعہ سے دیکھ لو گے، اور دُور ہی سے ایمان لے آؤ گے، اور پھر تم کو کچھ کام کرنا نہ پڑے گا، پکی پکائی مل جائے گی اور تم گھر بیٹھے کھا لو گے؟ نہ تم فرشتوں کو پہچانتے ہو، نہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو۔ اس لئے اگر وقتِ نزول تم وہاں بھی ہوئے تو کیونکر سمجھ لو گے کہ جو شخص اُتر رہا ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں؟ اور جس ذریعہ سے اُتر رہا ہے وہ فرشتگانِ الٰہی ہیں؟ یہ زمانہ تو آسمان پر اُڑنے کا ہے۔ ہوا میں طیران کچھ مشکل نہیں رہا۔ اس لئے بہرحال دھوکہ اور فریب کا احتمال باقی ہے۔ مسلمانوں کو قابو میں لانے کے لئے سیاسی چالیں نہایت ہی فریب دہ ہوتی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی سیاسی فریب میں لا کر بھولے بھالے مسلمان پھانس لئے جائیں۔

اس خیال نے کہ مہدی و مسیح موعود آ کر خود بخود ساری دُنیا کو فتح اور اقوامِ عالم کو مسلمان بنا کر دنیا کی ساری سلطنتیں اور خزانے مسلمانوں کے سپرد کر دیں گے، مسلمانوں کو لوری دے کر ایسی نیند سُلا دیا ہے کہ "جاگنا حشر تک قسم ہے"۔ ان کی تمام قوتیں سلب ہو گئی ہیں۔ اور اسی تحت الشعور خیال نے مستقیم ہو کر ساری قوتوں کو جو انسان کو اپنی ترقی کے لئے جدّوجہد کرنے کی غرض سے دی گئی تھیں بیکار کر دیا ہے۔ اور اب مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ مسلمان رہ کر کس طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ انجمنیں بناتے ہیں، کانفرنسیں کرتے ہیں، تعلیم کا اہتمام کرتے ہیں۔ خود دین کے ظاہری اعمال و شعائر سے بے نیاز ہو کر اپنے کو ترقی یافتہ اور قومی رہبر و لیڈر سمجھنے لگتے ہیں۔ لیکن کسی طرف سے امید کی شعاع نظر نہیں آتی اور نہ نکلنے کا راستہ ملتا ہے۔ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا۔ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ۔[۵]

---

[۵] اے جن و انسان کے گروہ اگر تم سے بھاگنا ہو سکے تو نکل بھاگو زمین و آسمان کے کناروں سے ہو کر۔ نہیں نکل سکو گے مگر کوئی زور ہو تو۔ پ ۲۷ ع ۱۲

وائے آں قافلہ کز دو دنی ہمت می خواست
رہگذارے کہ درو ہیچ وخطر پیدا نیست

بے شک امت محمدیہ کو مسیح و مہدی کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اوران کو اس زمانہ آخر میں افضال خداوندی کا امیدوار کیا گیا ہے۔ اور اس کے لئے آثار و علامات سب بتادئے گئے ہیں لیکن اخبار آئندہ کی نسبت تم باب پنجم میں پڑھ چکے ہو، کہ وہ ہمیشہ لفظی طور پر پورے نہیں ہوتے اکثر استعارے ہوتے ہیں، جن کے معنی اپنے وقت پر کھلتے ہیں۔ اسی قسم کے وعدے یہود کو بھی دئے گئے تھے۔ اور جب پورے ہونے کا وقت آیا، تو وہ منجملہ اور باتوں کے اپنی ضدی طبیعت کے ساتھ ظاہری الفاظ پر اڑے رہ گئے۔ اور وقت گذر گیا۔ اور وہ یہ بھی محسوس نہ کر سکے، کہ یہ وعدہ الٰہی اُن کی شامت اعمال کی وجہ سے اُن کو فائدہ نہ پہنچا سکا۔

قرآن شریف کی آیات: "یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَۃَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ...."[۵۱] اور اُن کی وہ توضیح پڑھو جو باب ششم میں ہم نے کی ہے۔ تو اندازہ ہو سکے گا، کہ قومیں کس طرح الٰہی وعدوں سے فیضیاب ہونے سے محروم رہتی ہیں۔ یہودیوں کی حالت دیکھ لو کہ وہ کس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بحیثیت اپنے منجی کے منتظر تھے۔ اور امید لگائے بیٹھے تھے کہ وہ منتظر موعود آئے گا اور آکر ان کو بغیر ہاتھ پیر ہلائے حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت دوبارہ دلاکر ایک مرتبہ دنیا میں سربلند کردے گا۔ آنے والا آیا اور اس کو دُنیا سے جاکر دو ہزار برس کے قریب زمانہ گذرتا ہے۔ لیکن اب تک یہود اس کی آمد کے منتظر ہیں اور بیت المقدس[۵۲] کی دیوار گریہ کا سے سر لگا کر رو رو کر اس کی آمد کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ جب وہ مصلح موعود آیا، تو اس کے ساتھ یہود نے جو سلوک کیا ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ باب چہارم میں ہم نے اس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ یہود اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے مسلمان عبرت حاصل کر سکتے ہیں، مگر نہیں حاصل کرنا چاہتے۔

جس طرح یہودی حضرت ایلیا اور عیسیٰ علیہما السلام کی آمد کے منتظر اور اپنی کامیابی اور دنیا میں

---

۵۱ اے قوم ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ جو خدا نے تمہاری تقدیر میں لکھ دی ہے ...... (پ ۶ ع ۸)

۵۲ یہ عبارت بیت المقدس کے ایک جانب کی دیوار ہے جہاں یہودی دعائیں مانگتے ہیں ؛

دوبارہ غلبہ وسلطنت حاصل کرنے کے امیدوار تھے۔ یہی حالت اب مسلمانوں کی بھی ہے۔ کہ وہ حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتظر اور امیدوار ہیں کہ وہ آئیں، اور آکر مسلمانوں کو ماں کی گود میں دودھ پیتا ہوا یا گھر میں بیٹھا رہنے دیں۔ اور ساری دنیا کو فتح کرکے اور غیر مسلموں کو مسلمان کرکے مسلمانوں کو ساری دنیا پر غالب کر دیں۔ تب وہ ان کو مہدی اور مسیح مانیں گے۔ لیکن جس طرح یہودی اس حسرت میں مر گئے۔ مسلمانوں کا بھی یہی انجام معلوم ہوتا ہے۔ آنیوالے آتے ہیں اور بیج بوکر چلے جاتے ہیں۔ پیچھے رہ جانے والے اس بوئے ہوئے بیج کیلئے تردد وسعی وکوشش کرتے ہیں۔ تب وہ وقت پر ایک لہلہاتا ہوا کھیت ہوجاتا ہے۔ لیکن نفس وشیطان کے وہ بندے جو چاہتے ہیں کہ ان کو فوراً تمام موعودہ نتائج اور فوائد مل جائیں۔ جو موجودہ وآئندہ آنیوالی ساری قوم سے وعدہ کئے جاتے ہیں۔ اپنے مزعومات کے مطابق اُن نتائج کو سامنے نہ دیکھ کر یُوں ہی سوتے ہوئے یا آنکھیں بند کئے ہوئے پڑے رہتے ہیں۔ اور اُن کو اس کھیت کی پیداوار میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔ جس کیلئے مدت سے یہ آرزوئیں باندھا کرتے تھے۔ یہی حالت یہودیوں کی ہوئی۔ اس لئے اُن کو یہ نظر ہی نہ آیا کہ اُن کا آنیوالا مُنجی اور اُن کا موعود فاتح آیا۔ اور ان میں بظاہر ذلیل ہوکر لیکن فی الحقیقت دنیا میں وہ بیج بوکر چلا گیا۔ جو اس کے تین سو سال بعد دنیا میں ایسا لہلہاتا ہوا کھیت ثابت ہوا۔ کہ یہودی حسرت سے اُس کو دیکھ دیکھ کر مر گئے اور ابھی تک وہ کھیت لہلہا رہا ہے۔

یہی حالت مسلمانوں کی بھی ہونیوالی ہے۔ کہ اُن کا موعود آیا بھی اور چلا بھی گیا۔ اور یہ ابھی اسی انتظار میں ہیں کہ کوئی آسمان سے اُترے اور اُن کے آرام میں خلل ڈالے بغیر سب کچھ اُن کے لئے مہیا کرکے چلا جائے۔ اگر مسلمان اسی خیال میں رہینگے۔ تو جو یہودیوں کیساتھ ہُوا وہی مسلمانوں کے ساتھ بھی ہوگا۔ کہ جو بیج اس زمانہ میں ڈالا گیا ہے وہ بھی اپنے وقت پر (ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مشابہت میں تین صدی تک) لہلہاتا ہُوا سرسبز وشاداب کھیت ہوجائیگا۔ اور زبان حال سے "کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ"[1] پڑھتا ہُوا لہریں لیتا ہوگا۔ اور

---

[1] مانند اس کھیتی کے جس نے کونپل نکالی پھر اُس نے قوی کیا کونپل کو، اور مضبوط ہوگئی اور وہ کسانوں کو خوش کرے تاکہ اس سے کافروں کو جلائے (پ ۲۶ ع ۱۲)

اس کی پیداوار میں صرف انہیں کا حصہ ہوگا جنہوں نے اس کے سینچنے میں حصہ لیا تھا۔
خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ زمانہ اپنی اصلاح کے لئے ایک مصلح کا منتظر ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ زمانہ کی پکار کو سنیں اور غور کریں کہ کہیں اس حدیث کا جس میں حضرت مہدی کے لئے آسمان سے نداء آنے کا ذکر ہے یہی مطلب تو نہیں ہے؟ پچھلے زمانہ میں ایسی ندائیں آسمان نے دی ہیں مگر یا تو اُن کو کسی نے سنا نہیں، یا سنا تو سمجھا نہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ[۵۱]۔ پس یاد رکھو کہ اس قسم کی ندائیں سنی نہیں سمجھی جاتی ہیں۔ جیسا کہ اس قسم کی نداؤں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے لَا تَفْقَهُوْنَ فرمایا ہے لَا تَسْمَعُوْنَ نہیں فرمایا۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ ایسی ندائیں کانوں سے ان جسمانی کانوں سے سنی نہیں جا سکتیں۔ بلکہ صرف فہم و فراست ہی سمجھی جا سکتی ہیں۔ پس یہ ہیں آسمانی اور زمینی ندائیں جس کے سننے کے کان ہوں وہ سنے اور جس کے پاس دل و دماغ ہو وہ سمجھے۔

"لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا"[۵۲]

یہ وہ آسمانی اور زمینی ندائیں تھیں جو کتابوں یا اخبارات کی شکل میں ہو کر اب تک محفوظ ہیں اور جن میں سے بعض کو ہم بعد تلاش اور جستجو کے آپ کے سامنے پیش کر سکے۔ ایسی اور بہت سی ندائیں ہیں جو شب و روز آسمان و زمین سے آتی رہتی ہیں۔ اور جن کو خدا کے بندے سنتے اور سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم بذریعہ اس تحریر کے آپ تک نہیں پہنچا سکتے۔ آپ میں سے ہر وہ شخص جو پچاس[۵۰] برس سے متجاوز عمر کا ہے یہ جانتا ہے کہ گھر کی بے پڑھی لکھی بوڑھی عورتیں تک پکار اٹھی تھیں کہ اب حضرت مہدی کے ظہور کا زمانہ آگیا ہے اس چودھویں صدی کے فتن سے تو چرند و پرند نے بھی پناہ مانگی ہے۔ پس زمانہ نے اپنی ضرورت کو ہر طرح ظاہر کر دیا۔ اور اس طرح ظاہر کر دیا کہ علماء و مشائخین کا کیا ذکر ہے۔ جہال و گھر کی بڑی بوڑھی عورتیں تک پکار اٹھیں۔ کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ جس کیلئے

---

[۵۱] ... کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح نہ بیان کرتی ہو لیکن تم اسکی تسبیح نہیں سمجھتے (پ۱۵ ع) [۵۲] ان کے دل تو ہیں لیکن اس سے سمجھتے نہیں اور انکی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ ان سے نہیں دیکھتے اور اسی طرح ان کے کان تو ہیں لیکن وہ ان سے سنتے نہیں ہیں ...

صدیوں سے انتظار تھا یعنی اس طلب و پکار اور انتظار کے وقت ایک دعویدار کھڑا ہوا ہے اور وہ آسمان و زمین اور قلوب المومنین کی صداؤں کے جواب میں بڑے زور سے پکار کر کہتا ہے کہ :- ؎

| | |
|---|---|
| چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند | مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند |
| می درخشم چوں قمر تابم چوں قرص آفتاب | کور چشم آنانکہ در انکار ہا افتادہ اند |
| بشنوید اے طالباں کز غیب بکند ایں ندا | مصلحے باید کہ در ہر جا مفاسد زادہ اند |
| صادقم از طرف مولیٰ با نشاں ہا آمدم | صد در علم و ہدیٰ بر روئے من بکشادہ اند |

پس ایک طرف ضرورت ہے، طلب ہے، موقعہ و محل ہے۔ اور دوسری طرف ایک اور صرف ایک دعویدار موجود ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ اُٹھیں اور اپنے مطلوب کی تلاش کریں اگر کوئی دوسرا دعویدار مطلوبہ نہ ملے اور موجودہ دعویدار آپ کے گمان بد کے مطابق دجال و کذاب ہے تو آپ خود انصاف کیجئے کہ آیا اس کا یہ مطلب ہوا یا نہیں کہ وقت تو صادق و مصدق مصلح کے آنے کا ہے۔ ضرورت و طلب زمانہ کی ایک سچے منجی اور ہادی کیلئے ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بھیجدیا ایسے شخص کو جو ضال و مضل اور دجال تھا جس نے ہدایت کی بجائے اور بھی گمراہی پھیلا دی۔ غور تو کیجئے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کی یہ قسمت کہ بجائے ہادی اور منجی کے ان میں دجال و ضال و مضل کا ظہور ہوا۔ کہیں یہودیوں کی اُس قسمت کے مشابہ تو نہیں جس کا اشارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فرمودہ اُس تمثیل میں ملتا ہے۔ جو آپ نے یہودیوں کو مخاطب کرکے فرمائی تھی کہ :-

"تم میں ایسا کون آدمی ہے کہ اگر اُس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے تو وہ اُسے پتھر دے یا اگر مچھلی مانگے تو اُسے سانپ دے۔ پس جبکہ تم بُرے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینی چاہتے ہو۔ تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے۔ اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا" (متی باب ۷ آیات ۱۰ و ۱۱ و ۱۲)

کیا یہ ڈر کا مقام نہیں ہے کہ زمانہ کی ضرورت اور طلب و پکار اُس سے زیادہ نمایاں اور واضح ہے جیسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھی سو دعویدار اُس سے زیادہ واضح اور قوی دلائل و علامات اور نشانات کے ساتھ آیا ہے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ اور جس کا اشارہ ہم باب چہارم کتاب ہذا میں کرچکے ہیں لیکن مسلمان پھر بھی یہودیوں کے مشابہ

بلکہ اُن سے بڑھ کر نڈر و بیخوف ہو کر دعویدارِ پیغامِ الٰہی کو مرتد مضل و ضال بلکہ دجّال کہنے کے لئے جوش میں مضطرب و بیتاب ہو رہے ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو خدا کا سچا نبی مانتے ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فرمودہ مثال ہی اس غلط خیال کی تردید کے لئے کافی ہے کہ زمانہ کی ضرورت و طلب اور مسلمانوں کی تیرہ سو سال کی دعاؤں کا کس طرح یہ نتیجہ ہو سکتا ہے۔ کہ اُن کو بجائے مہدی کے دجّال دیا جائے؟ اور اس کو ایسی قوت و شوکت عطا کر دی جائے کہ باوجود ساری مخالفانہ و معاندانہ جدوجہد کے وہ روز بروز ترقی ہی کرتا جاتا ہے۔ پس اس نہایت ہی مضحکہ انگیز بیہودیانہ خیال کو دل سے نکال کر موجودہ مدعی کی صداقت اور ان دعاوی و دلائل کو جن کو ہم گذشتہ ابواب میں بوضاحت بیان کر چکے ہیں۔ اور جو ایک طالبِ حق کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ ٹھنڈے دل اور اپنی آخروی ذمہ واری کے احساس کے ساتھ جانچو۔ "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ[1]" اگر اس طرح تحقیق و تدقیق کے بعد بھی آپ کا دل قطعی طور پر مطمئن نہ ہو سکے، تو کم از کم آپ یہ تو سمجھ سکیں گے کہ ہماری نیتیں خالص اور ارادے اسلام کی خدمت کی نسبت پاک و مخلصانہ ہیں۔ اور ہم وہی عام اسلامی عقاید رکھتے ہیں جو محققین کے ہو سکتے ہیں۔ اور جس کی صحت پر ہم پُرزور علمی دلائل کی بدولت مطمئن ہیں۔ اور جب ایک مرتبہ آپ احمدیت کو اس طرح سمجھ لیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا۔ کہ ہمارے مخالفین اُس عناد کے پھیلانے میں کہاں تک حق بجانب ہیں جو وہ ہماری جماعت کے متعلق عام مسلمانوں میں پھیلا رہے ہیں! اس طرح اگر آپ ہمارے حامی و مددگار نہ بن سکیں گے۔ تو رکاوٹ و مزاحمت کا باعث بھی نہ بنیں گے۔ تاکہ جو مذہبی اختلاف رائے ہمارے اور آپ کے درمیان پیدا ہو گیا ہے، وہ حد سے متجاوز ہو کر سیاسی اور معاشی حیثیت سے ایک عام اسلامی متحدانہ محاذ کو برباد نہ کر سکے۔

آپ اپنی ہمسایہ قوم اہل ہنود کو دیکھیں کہ اُن میں ایک خدا کو ماننے والا بھی ہندو ہے۔ اور تینتیس ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کا پجاری بھی ہندو ہے۔ وید کو ماننے والا بھی ہندو ہے۔ اور اس سے انکار کرنیوالا بھی ہندو ہے۔ آریہ سماجی، سناتن دھرمی بھی ہندو ہے۔ اور سکھ، بُدھ،

---

[1] پس اس کے بعد وہ اور کس بات کو مانیں گے۔ (پ ۱۹ ع ۲۲)

جینی بھی، یہاں تک کہ برہمو سماج بھی ہندو ہیں۔ حالانکہ ان میں عقیدہ کے لحاظ سے باہم کوئی ایک وجہ بھی اتحاد کی نہیں ہے۔ پس جو شخص اپنے آپ کو ہندو کہے وہ سب اس کو سیاسی حیثیت سے ہندو ہی سمجھتے ہیں۔ مذہبی حیثیت سے خواہ ایک دوسرے کو کچھ سمجھتا ہو۔ اور اس وسعتِ قلب سے وہ سیاسی فائدہ اُٹھاتے ہیں تمثیل کے لئے سر گوکل چند سابق وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ پنجاب کا وہ بیان پڑھ لیجئے جو اخبار "ہندو" مورخہ ۵۔ مئی ۱۹۳۷ء میں چھپا ہے، سر موصوف فرماتے ہیں کہ:۔ "ہندو سبھا ہی ایسی جماعت ہے جس میں بدھ، جین، سکھ، آریہ سماجی، سناتن دھرمی،

لیبر کیپیٹل۔ غرضیکہ ہر قسم کے فرقے شامل ہو سکتے ہیں۔ ہندو سبھا کی پالیسی یہ ہے کہ وہ ایسا کام کرے گی جس سے تمام ہندوؤں کے مفاد کی نگہداشت ہوتی رہے۔ اس میں سوشل، پولٹیکل، مذہبی، تعلیمی، زراعتی، انڈسٹریل دلچسپیاں موجود ہیں۔ ہندو سبھا کا بڑا مقصد ہندوؤں کی مجلسی، پولٹیکل اور مالی حالت کو فروغ دینا ہے۔"

لیکن عام مسلمانوں کا عمل اس سے مختلف ہے۔ حدیث میں تو فاسق و فاجر سے بھی اسلام کی مدد کا ذکر آتا ہے۔ کیا مسلمان جن کا ہر ایک فرقہ اسلام کو اپنی ذاتی ملک سمجھتا ہے۔ اسلام کے نام لیواؤں کو جو اپنے طریق پر اسلام کی خدمت میں کوشاں ہیں۔ اسلام کی خاطر بھی اپنا نہیں سکتے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ سب آپس میں کٹ مر کر اسلام کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں، کہ وہ رہی سہی عزت و وقار بھی جو دنیاوی حیثیت سے اسلام کے ساتھ وابستہ ہے مٹ جائے۔ اگر ہم سے اختلاف رائے رکھنے والے مسلمان چاہیں تو اپنے دل کو اس طرح بھی تسکین دے سکتے ہیں۔ کہ جماعت احمدیہ گو فساق و فجار کی جماعت ہی سہی لیکن اسلام کی خدمت تو کرتی ہے۔ اس لئے اس کی راہ میں روڑے نہ اٹکانا چاہیئے۔ کیا مسلمانوں کو قرآن پاک کا یہ حکم بھی یاد نہیں رہا کہ:۔

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ"[1]

---

[1] اور تم کو مجرم نہ بنا دے اس قوم کی دشمنی اس پر کہ انہوں نے تم کو کعبہ سے روکا اس چیز کے لئے کہ تم زیادتی کرو اور تم نیکی و پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو کہ وہ سخت عذاب والا ہے (پ ۶ ع ۵)

جو قوم ایک صریح دشمن قوم سے جس نے ان کو خانہ کعبہ سے بے دخل کر دیا تھا۔ اور جو خانہ کعبہ میں اُن کے داخلہ و داخلی عبادت و احترام کی مانع ہوئی تعاون کر سکتی ہے۔ کیا وہی قوم اب ایسی ہو جائیگی کہ اپنے اندرونی اختلافات کو (خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی لیکن ایمان باللہ و ایمان بالقرآن و ایمان بالنبوّت صلی اللہ علیہ وسلم تک سب متفق ہیں) بڑھا کر ایسا مؤثر کر دیگی کہ سیاسی و معاشی اتحاد و اعتماد بھی مفقود ہو جاتے؟ اے رب تو مسلمانوں کو من حیث المجموع اس شدید آفت و ذلت سے محفوظ رکھ۔ آمین بحق صاحب طٰہٰ و یٰس۔

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ؎

سیاسی و معاشی اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لئے ہماری جماعت کی جانب سے جو اقدام ہوا ہے وہ ہر آئینہ مسلمانوں کے ہر فرقہ کے لئے قابل توجہ ہے۔ ہمارے مرکز قادیان میں ایک عرصہ سے انجمن ترقی اسلام قائم ہے جس کی شاخیں تمام ہندوستان کے ہر مقام پر موجود ہیں۔ اس بلدہ حیدرآباد و سکندرآباد میں بھی یہ انجمن قائم ہے۔ غرض اس کی یہ ہے کہ اشاعت تبلیغ احمدیت سے علیحدہ رہ کر عام اسلامی مفاد کے لئے کام کیا جائے۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب مرحوم نے اپنے اخبار "ہمدرد" مورخہ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۲۷ء میں بعنوان "قادیانی حضرات کی مساعی جمیلہ" تحریر فرمایا تھا کہ :-

"ناشکر گذاری ہوگی اگر ہم جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور اُن کی منظم جماعت کا شکر ان سطور میں ادا نہ کریں جنھوں نے اپنی تمامتر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی سے حصہ لے رہے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم۔ تبلیغ۔ تعلیم و تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرزِ عمل سواد اعظم اسلام کے لئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص

---

؎ اے اللہ تو اس کی مدد کر جو محمد صلعم کے دین کی مدد کرتا ہے اور ذلیل کر اس کو جو محمد صلعم کے دین کو ذلیل کیا چاہتا ہے۔

جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمات اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعل راہ ثابت ہوگا۔ جن اصحاب کو جماعت قادیان کے اس جلسۂ عام میں جس میں مرزا صاحب موصوف نے اپنے عزائم اور طریق کار پر اظہار خیالات فرمایا۔ شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے وہ ہمارے خیال کی تائید کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

اخبار "انقلاب" لاہور مورخہ ۱۹۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں بعنوان "انگلستان میں قانون حرمت رسول" ہمارے مبلغ مولوی عبدالرحیم صاحب درد کی اس کوشش کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے ایک نہایت اہم اور ضروری اسلامی مسئلہ کی نسبت کی تھی۔ اخبار مذکور کا اقتباس حسب ذیل ہے:۔

"پچھلے دنوں مولوی عبدالرحیم صاحب درد احمدی ایم۔ اے امام مسجد لنڈن نے ہوم سکرٹری حکومت برطانیہ اور سفرائے دول اسلامی کے نام ایک مکتوب بھیجا تھا۔ اس مکتوب میں ایک بدزبان مصنف مسٹر ڈبل کی ایک کتاب کی طرف توجہ دلائی تھی۔ جس میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہایت سفیہانہ ہرزہ سرائی کی گئی ہے۔ اس مکتوب کا یہ اثر ہوا کہ پارلیمنٹ کے ایک ممبر کرنل ہاورڈ بری نے پارلیمنٹ میں ایک تحریک پیش کی۔ کہ عیسائی مذہب کی کتابوں پر حملہ کرنے والی مطبوعات کے خلاف جو قانون نافذ ہے، اس کا اطلاق ان مطبوعات پر بھی ہونا چاہیئے جو اسلام کے خلاف شائع ہوتی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ مولوی عبدالرحیم صاحب درد اپنی مبارک مساعی کو برابر جاری رکھیں گے۔ ہندوستان کے تمام مسلمان اس کوشش میں ان کے مؤید اور ان کی کامیابی کے لئے دعاگو ہیں۔"

ان اقتباسات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جماعت احمدیہ عام اسلامی معاملات میں تعاون کے لئے ہمیشہ تیار رہتی ہے اور اس خاص کام کے لئے جماعت کے خاص معاملات سے علیحدہ کر کے ایک انجمن بنام انجمن ترقی اسلام قائم کی گئی ہے۔ اور مسلمانوں کے ہر فرقے کے لوگ جو اسلامی مفاد کیلئے کام کرنا چاہتے ہیں، اس انجمن کے ممبر ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس انجمن کے کام

کے ساتھ اپنے فرقوں کے عقائد کی تبلیغ نہیں کر سکتے۔ ہر فرقے کے لوگ اپنے فرقہ واری عقائد پر قائم رہ کر اور دوسروں کے عقائد میں دخیل ہونے کے بغیر عام اسلامی مسائل و معاملات میں جمہور اسلام کی خدمت یا اُن سے تعاون کر سکتے ہیں۔ بہر حال اسلام کے لئے جو خدمت جس طرح سے ممکن ہے ہم اُس کے انجام دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں لیکن افسوس ہے کہ مسلمان بجائے اس کے کہ ہماری مدد کریں اس میں معاندانہ مزاحمت کرتے ہیں اور اپنے خیال میں ایسے معاندانہ اور مخالفانہ جذبات ہی کو وہ اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں۔ اے کاش وہ سمجھتے! وقت و زمانہ کی ضرورت کو شناخت کرتے۔ اور اپنے مفاد دینی و دنیاوی اور آئندہ کی قومی بہبودی و فلاح پر قادر رہوتے۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شہر یروشلم کو مخاطب کر کے بڑی حسرت سے فرمایا تھا کہ :-

"کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تُو نے نہ چاہا" (متی باب ۲۳ آیت ۳۸)

یہ شکایت اور حسرت و آرزو ہماری جانب سے بھی تمام کلمہ گوؤں کے لئے ہے۔ لیکن ہم اپنی شکایت کو اللہ تعالے کے لئے معاف کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی قدرت سے ہماری اس آرزو کو پورا کر کے اس حسرت کو بھی دل سے نکالنے کے اسباب مہیا کر دے جو مسلمانوں کے موجودہ تشتت و افتراق سے ہر بہی خواہ اسلام کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔

من آنچہ شرط بلاغست با تو مے گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

سید بشارت احمد
امیر جماعت احمدیہ حیدر آباد دکن